اصلی

# مظاہرعلوم کے بنیادی مقاصد

## اکابر مظاہرعلوم کے رہنما خطوط کی روشنی میں

جامع

مجدالقدوس خبیب رومی

مفتی قدیم مظاہرعلوم سہارنپور

ناشر

ترجمانِ مظاہرعلوم سہ ۹/۶۵ محلہ مفتی، سہارنپور، یوپی ہند

# مظاہر علوم

## کے

# بنیادی مقاصد

اکابر علماء مظاہر علوم کے رہنما خطوط کی روشنی میں

جامع

مفتی مجد القدوس خبیب رومی

ناشر

مکتبہ ترجمان مظاہر علوم، ۹/۶۵۴ محلہ مفتی سہارنپور

باسمہ تعالیٰ

# اس مجموعہ میں کیا کیا ہے؟

## ۱۔ مظاہر علوم کے بنیادی مقاصد

☆ تاریخ تاسیس مظاہر علوم ☆ مدرسہ مظاہر علوم کے اصلی مقاصد

☆ مدرسہ کے قیام کی اصلی غرض ☆ مدرسہ کا نصب العین

☆ سیاسیاتِ مروّجہ سے متعلق مظاہر علوم کا طرۂ امتیاز

☆ اکابر مدرّسین کا طریقۂ تدریس

☆ مظاہر علوم کی اہم بنیادی اور امتیازی خصوصیات

☆ خلاصۂ دستور العمل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (ملاحظہ ہو ص۵ تا ص۱۶)

۲۔ **درسِ نظامی پر فکر لطیف** ترجیح درسِ نظامی پر ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا سیّد عبداللطیف پُر قاضویؒ کا قل و دل مکتوب جو بجواب انجمن اسلامیہ گورکھپور تحریر کیا گیا تھا اور نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ سے زبانی فرمایا گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو ص۱۷ تا ص۲۸)

۳۔ **قیمتی آراء اور مفید مشورے** جو مظاہر علوم کی دینی، تعلیمی بقاء و استحکام کیلئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے مختلف اوقات میں تحریر فرمائے تھے۔

(ملاحظہ ہو ص۲۹ تا ص۴۹)

۴۔ **نصاب و نظام دینی مدارس** (از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ)

یہ دینی مدارس کے نصاب و نظام پر نہایت جامع و مانع، مدلل و مفصل اور منفرد کتاب ہے جس میں دینی مدارس کی مسلمانوں کیلئے ضرورت و اہمیت، دینی مدارس کے قیام کے تیس بنیادی اور اصلی مقاصد پیش کئے گئے ہیں (جبکہ اس وقت عموماً بانیانِ مدارس اور انکے مہتممین و منتظمین کے پیش نظر تیس کے بجائے صرف تین ہی مقاصد رہ گئے ہیں۔

(۱) تکثیرِ چندہ (۲) تزئینِ عمارت (۳) تحصیلِ شہرت الا ماشاء اللہ اس میں سب کا اتفاق ہے کسی سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی کا اختلاف نظر نہیں آتا!) اور قدیم نصاب تعلیم (درسِ نظامی) کے ہر جزء کی خوبی کو واضح کیا گیا ہے، دینی مدارس پر نیچریت زدہ طبقے اور اُن سے متاثر افراد کے بیس بنیادی اعتراضات کے تحقیقی والزامی جوابات دیے گئے ہیں اور مسلمانانِ عالم بلکہ پوری دنیا کے اندر دینی مدارس کے اثرات و برکات اور انکے فوائد وثمرات کو ثابت اور ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اکابرِ دیوبند وسہارنپور خصوصاً حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فکر وعمل کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جس کی حیثیت تمام دینی مدارس کیلئے بالکل ''دستورِ اساسی'' کی ہے۔ یہی کتاب دراصل اس پورے مجموعہ کی جمع وترتیب اور طباعت واشاعت کیلئے محرک وباعث ہوئی۔

(ملاحظہ ہو صـ۵ـ تا صـ۲۰۶)

۵۔ **نصاب تعلیم مظاہر علوم سہارنپور** جسے متدین، عمیق نظر اور زمانہ شناس، اہل علم وفہم، تجربہ کار، ماہر تعلیم وتربیت، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اور جامع معقول ومنقول مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ جیسے پورے کامل حضرات نے مرتب فرمایا تھا۔

مظاہر علوم میں یہ ''نصاب تعلیم'' حضرت علامہ مولانا محمد اسعد اللہ رامپوریؒ کے دورِ نظامت تک باقاعدہ جاری رہا اور اب بھی اسی کی ضرورت ہے۔ دارالعلوم ومظاہر علوم اور انکے تعلیمی وتربیتی نہج پر چلنے والے خالص دینی مدارس کے اربابِ حلّ وعقد کو نیچری اور نیم نیچری قسم کے فارغین محض کی نئی نئی تجویزوں اور انکے شور وغوغہ کی مطلق پرواہ کئے بغیر اسی نصاب نظامی کو جاری رکھنا چاہئے اسی میں خیر ہے، ورنہ ع

دل بدل جائینگے تعلیم بدل جانے سے ع من جرب المجرب حلت به الندامة

وما علینا الا البلاغ المبین

۲۶/ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ

محمد القدوس خبیب رومی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام على سيّد المرسلين
وخاتم النبيين محمد و علىٰ اٰله واصحابه اجمعين
ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اما بعد!

# تاریخ تاسیس مظاہر علوم

حق تعالیٰ شانہ کو جب کوئی کام مقصود ہوتا ہے تو اس کے اسباب مقصد کے مطابق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں چونکہ رشد و ہدایت کا ذریعہ مدارس دینیہ کو بنانا تھا۔ اس لئے اکثر قلوب اس طرف متوجہ ہوئے اور خود بخود مشائخ وقت کے دلوں میں یہ ولولہ پیدا ہونا شروع ہوا اور اس کے اثرات وثمرات دنیا میں ظاہر ہوئے۔ اس توجۂ عامہ کا بڑا سبب ضیاع علوم کا خوف تھا کہ عرصہ سے دہلی منبع العلوم اور مخزن الفضائل تھا۔ اس لئے علوم کا بازار بھی وہاں کمال ترقی پر تھا لیکن حوادث وقتیہ سے جب کہ وہاں علمی شموع بجھنے لگیں تو ہر اہل دل کو اس کی فکر ہوئی کہ موجودہ دس بیس علماء موجودین اگر اس دارفانی سے چل بسے تو علم ہندوستان سے مفقود ہو جائیگا، اسی بنا پر ۱۵ محرام الحرام ۱۲۸۳ھ میں (مدرسہ اسلامیہ عربیہ) دارالعلوم (دیوبند) کی بنیاد پڑی اور اسکے چھ ماہ بعد یکم رجب المرجب ۱۲۸۳ھ کو (مدرسہ اسلامیہ عربیہ) مظاہر علوم (سہارنپور) کی بنیاد رکھی گئی۔ حضرت مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوریؒ جو مسلم الثبوت فقہا میں تھے اپنے دولت کدہ (واقع محلّہ بازداران) پر قدیم رواج کے موافق شائق طلباء کو پڑھایا کرتے تھے، مولانا الحافظ الحاج قمر الدین صاحبؒ، مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ جو آج مشائخ وقت ہیں اس زمانہ میں حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ کے پاس طالب علمی کے منازل طے کررہے تھے اور مولانا کے مخصوص تلامذہ میں سے سمجھے جاتے تھے۔ مولانا

کو اکثر دینی مدرسہ کی بنیاد کا ولولہ رہتا تھا اور گاہ بگاہ اسکا ذکر تذکرہ بھی فرماتے رہا کرتے تھے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کے علم میں اس کے لئے یکم رجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۹ر نومبر ۱۸۶۶ء بروز جمعہ کی تاریخ مقرر تھی چنانچہ عرصہ کے ذکر تذکرہ اور تمنا و خواہش کے بعد دفعۃً تاریخ مذکور میں مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپور کو جوش و ولولہ پیدا ہوا اور چوک کی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد ڈال دی اور مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی کو جو پہلے انبہٹہ میں پڑھایا کرتے تھے بمشاہرہ تیرہ روپئے ماہانہ مدرس عربی مقرر فرمایا جنہوں نے مولانا حافظ قمر الدین صاحب، مولانا عنایت الٰہی صاحب اور محمد علی و مقبول احمد صاحبان وغیرہ طلباء کو نحو میر شروع کرائی۔ ان طلباء کے کچھ اسباق مولانا سعادت علی صاحب کے پاس بھی متفرق طور پر ہوتے تھے جو مولانا نے خود ہی مسجد میں پڑھانے شروع فرمادئے تھے، قلوب تو علی العموم متوجہ اور منتظر ہی تھے مدرسہ کی بنیاد پڑتے ہی متفرق نواح سے طلباء کی رجوعات شروع ہوئیں، اس بنا پر مولانا کو ایک مدرس کا فوراً اضافہ کرنا پڑا چنانچہ شوال ۱۲۸۳ھ سے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کو بمشاہرہ تیس روپئے ماہانہ پر مدرس اوّل مقرر فرمایا۔ (تاریخ مظاہر ص۵/۱)

اس مدرسہ کی ابتداء اگرچہ چوک بازاران کی مسجد (اور مسجد محلّہ قاضی) میں ہوئی مگر کچھ ہی دنوں بعد مسجد کے بالمقابل ایک مکان چھ روپئے ماہانہ کرایہ پر لیکر اس میں مدرسہ کو منتقل کر دیا گیا لیکن مدرسہ کی روز افزوں ترقی نے اس جدید مکان کو بھی بہت جلد تنگ بنادیا اسلئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ بعض مدرسین اسی مسجد میں درس دیتے رہے اور بعض حضرات اس جدید مکان میں (درس دیتے تھے) جو کرایہ پر لیا گیا تھا۔ (تاریخ مظاہر ص۷/۱) ۱۲۹۱ھ میں جب کہ بنسبت سالہائے گزشتہ کے مدرسہ میں نمایاں ترقی ہوئی اور وہ مکان جو حوائج مدرسہ کیلئے بکرایہ متصل مکان مولانا سعادت علی صاحب مغفور کے لے رکھا تھا کافی نہ سمجھا گیا تو مہتممان مدرسہ کی رائے یہ ہوئی کہ مدرسہ کیلئے ایک مکان مستقل بنایا جائے چنانچہ اسکے لئے ایک وسیع زمین خریدی گئی۔ جناب حافظ فضل حق

صاحب نے بھی اپنی زمین کا ایک حصہ اس مقصد کیلئے وقف فرمایا اور وسائل واسباب کی فراہمی کے بعد باقاعدہ مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے ابتداء تعمیر کے اعتبار سے مدرسہ کا تاریخی نام "مظہر علوم" (۱۲۹۱ھ) اور تکمیل تعمیر کے اعتبار سے اسکا تاریخی نام "مظاہر علوم" (۱۲۹۲ھ) تجویز فرمایا۔ اس میں اشارہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کے نام نامی کی طرف بھی ہے کیونکہ حضرت مولانا ہی اس زمانے میں مدرسہ کے روحِ رواں اور مدرسِ اوّل تھے، اس تعمیر کے مجموعی اخراجات دس ہزار چار سو بارہ روپے سوا دس آنے ہوئے تھے۔ شوال المکرم ۱۲۹۳ھ میں تعلیم اور اسباق محلہ چوک بازداران سے منتقل ہوکر اس جدید عمارت "مدرسہ قدیم" محلہ چوب فروشان میں شروع ہوئے، ۸؍شوال ۱۲۹۳ھ کو یہاں افتتاحی جلسہ ہوا جس میں متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) نے مدرسہ قدیم کے صحن میں تین گھنٹے تک مسلسل وعظ فرمایا۔ (روداد مظاہر علوم ۱۲۹۸ھ ص۲۹)

## سب سے پہلے استاذ

حضرت مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۸۶ھ)

## سب سے پہلے شاگرد

جناب مولانا حافظ قمرالدین صاحب سہارنپوریؒ (متوفی ۱۳۳۴ھ)

(حافظ صاحب مرحوم اس مدرسہ کے سب سے پہلے اور اس زمانہ کے طالب علم تھے جب کہ حضرت مولانا مولوی قاری سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوریؒ نے یہ مدرسہ قائم فرمایا تھا تو اول حافظ صاحب کو حضرت مولانا صاحب موصوف نے عربی شروع کرائی تھی۔)

(روداد مظاہر علوم ۱۳۳۵ھ ص۲ از مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ)

# مدرسہ مظاہر علوم کا اصل مقصدِ قیام

حضرات! مدرسہ کی تعلیم سے اسی غرض کا حاصل کرنا مقصود ہے جس کے لئے انسان اشرف المخلوقات بنا کر پیدا کیا گیا غالبًا آپ سمجھ گئے ہونگے کہ وہ کون سی غرض ہے جس کے پورا کرنے کو انسان پردۂ عدم سے جلوہ گاہ وجود میں آیا ہے۔ وہ عبادت و معرفت الٰہی کی ایک عظیم الشان امانت ہے جس کے برداشت کرنے سے آسمان وزمین تک عاجز تھے مگر انسان نے اسکو برداشت کیا۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(ڈر گئے ارض وسما بارِ امانت سے مگر ہم سے دیکھا نہ گیا حکم کا رسوا ہونا)

ابتداء عالم سے اس وقت تک جس قدر انبیاء ورسل علیہم السلام آئے سب اسی امانت الٰہی کی یاد دہانی کرتے آئے یہاں تک کہ سب کے بعد میں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے تشریف لاکر اس عالم کو آئینۂ حیرت بنا کر دکھا دیا کہ عبادت الٰہی اس کا نام ہے اور معرفت خداوندی کے طریقے یہ ہیں جو کام آج تک کسی سے پورا نہ ہوا تھا آپ نے اپنے قول وفعل سے اسکی تکمیل فرما دی اور جب تک عرفات کے کھلے میدان میں ایک لاکھ سے زیادہ مخلوق کو گواہ کر کے اپنے فرض منصبی کو باحسن وجوہ ادا کر دینے کا اقرار نہ لے لیا اس وقت تک دنیا کو اپنے انوار وتجلیات سے سرفراز فرماتے رہے، اسی وقت یہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ط انسان کی شرافت کا اصلی سبب اوراسکے اشرف المخلوقات ہونے کا حقیقی راز یہی عبادت و معرفت الٰہی کی عظیم الشان دولت ہے جس کے برداشت کی قابلیت کا دعویٰ بجز انسان کے کسی نے نہیں کیا، اسی عبادت و معرفت الٰہی کی تعلیم اس مدرسہ کی انتہائی غایت ہے کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بتلائے

ہوئے طریقہ کے مطابق حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت ومعرفت کا سیدھا راستہ تمام عالم کو بتلایا جائے۔ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مدرسہ کا ہر ہر طالب علم اس غایت کو بخوبی انجام دے سکتا ہے اور نہ ایسا دعویٰ کوئی فرد بشر کر سکے کیونکہ ع

اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

دس لڑکے جو ایک ہی ماں باپ سے ہوں خوبی صورت وسیرت میں یکساں نہیں ہو سکتے پھر آپ اس کے خواہش مند کیوں ہیں کہ ایک مدرسہ کے تمام تعلیم یافتہ (طلباء) عبادت ومعرفت الٰہی کا حصہ مساوات کے ساتھ لئے ہوئے ہوں۔

حضرات! دینی مدارس کے طلباء میں بھی مختلف درجے ہیں مگر وہ کامل النفوس حضرات بھی انہی میں ہیں جو جہل وکفر کی تاریک شب میں چودھویں کا چاند بنکر جلوہ دکھاتے ہیں، حکایت مشہور ہے کہ کسی بادشاہ کا موتی رات کے وقت کھو گیا تھا تو اُس نے حکم دیا کہ اس جنگل کے تمام سنگ ریزے جمع کر لئے جائیں کہ انہی میں سے وہ گوہر نایاب بھی دستیاب ہو جائے گا، اسی طرح طالبان علوم دینیہ کا ہر فرد اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ شریعت مقدسہ کی روشنی کو چاردانگ عالم میں پھیلا دینے والا شخص بھی اِنہیں میں مستور ہے۔

## ایک اشکال اور اُس کا جواب

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ آج کل رازی وغزالی، جنید و شبلی پیدا نہیں ہوتے؟ گویا در پردہ جماعت علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے مدارس کی تعلیم کو مکمل نہیں کرتے مگر ہم اس سائل سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آج کل قوائے جسمانیہ پہلے لوگوں کی طرح نہیں پائے جاتے، پہلے زمانے میں زکام، نزلہ کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور آج کل قریب قریب ہر شخص اس کا شکار ہے۔ بجز اسکے کہ یہ کہا جائے کہ ہر پچھلے زمانہ کی قوت کو پہلے زمانے سے تفاوت ہے بعینہٖ یہی جواب ہمارا ہے کہ پچھلے زمانہ کی عقل وفہم وقوت حافظہ کو پہلے زمانہ سے بہت کچھ تفاوت

ہے اسلئے جس کثرت سے پہلے زمانہ میں لائق اقتداء علماء پیدا ہوئے تھے اب اس قدر نہیں ہوتے۔ نیز یہ کہ دین کو دنیا سے ضد ہے (بلکہ دونوں سوکنیں ہیں) جس زمانے میں دنیوی ترقی کا چرچا ہو گا دینی ترقی اس میں کامل طور سے نہیں ہو سکتی، اس زمانے میں دین کی طرف وہ توجہ نہیں جو پہلے زمانے میں تھی، شرفاء و اغنیاء کی اولاد تو عیش پرستی اور دنیا طلبی کی تعلیم حاصل کریں اور غرباء و پست ہمت لوگ علم دین کی طرف توجہ کریں پھر رازی اور شبلی کہاں سے پیدا ہوں؟

## آخرت کی مسئولیت

حضرات! یہ قرآن وحدیث آپ کے ہاتھوں میں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے، اگر اس شافع محشر کے سامنے سُرخ رو ہونا منظور ہے تو اسکی خدمت جس قدر ہو سکے کیجئے ورنہ اس وقت کیلئے کوئی جواب سوچ لیجئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا میدانِ حشر میں سامنا ہو گا اور حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام حق تعالیٰ شانہٗ کے دربار میں عرض کرینگے یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا بارِالٰہا! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ (اقتباسات از رودادِ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۳۵ھ)

## سیاسی معاملات میں مظاہر علوم کا طرزِ عمل

مظاہر علوم کا اپنا شعار اور طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ وہ من حیث المدرسہ سیاسی اور حکومتی معاملات سے ہمیشہ غیر متعلق رہا اور اس چیز میں گھسنا اپنے بنیادی مقاصد اور اپنے اکابر کی روایت کے خلاف سمجھا ۱۹۱۷ء (۱۳۳۴ھ) میں اس چیز کی وضاحت ''مدرسہ کے اصلی مقاصد'' میں ان الفاظ میں بھی کر دی گئی تھی کہ ''یہ امر سب کو معلوم ہے کہ اس مدرسہ میں کسی وقت میں تعلیمی مشاغل کے علاوہ بلا ضرورت غیر متعلق مباحث سے کام نہیں لیا گیا اور خصوصاً پولیٹکل معاملات اور سیاسی واقعات سے ہمیشہ اعراض ہی نہیں کیا گیا

بلکہ محض بے تعلقی رکھی گئی کیونکہ یہ دونوں باتیں ہمارے (مدرسہ کے) اصل مقصد کے بالکل خلاف تھیں"۔ (مدرسہ مظاہر علوم کے اصلی مقاصد ص۳)

شائع کردہ: حضرت مولانا عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

## تنبیہ اور گزارش

یہ گزارش ہے کہ مدرّسوں کو اور جملہ طالب علموں کو یہ بات یاد رہے کہ چندہ گزاران کی غرض مدرسہ (مظاہر علوم) بنانے اور طالب علموں کے کھانا دینے اور مدرّسوں کے مقرر کرنے سے صرف دینیات کی ترویج و اشاعت اور منقولات کا پھیلانا مدنظر ہے جو اس زمانے کے مدارس میں فروگزاشت ہوگیا اور ہوتا جاتا ہے تو چاہئے کہ علوم دینیہ کو مقصود اصلی جانکر تحصیل کریں۔.....ورنہ مدرّسوں کی اوقات ضائع ہوگی اور چندہ (دینے) والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

(کیفیت مدرسہ عربی سہارنپور بابت ۱۲۹۱ھ

از مہتممان قاضی محمد فضل الرحمٰن و مولوی احمد علی بقلم مولوی محمد مظہر بمطبع مجتبائی دہلی ص۶)

## مدرسہ کا نصب العین

مدرسہ کا سب سے اہم مقصد علوم دینیہ کی تعلیم ہے، مدرسہ کی غرض اور واقفین و معاونین مدرسہ کے اوقاف و عطایا اسی غرض کیلئے مدرسہ میں آئے ہیں۔ مدرسہ کی پچھتر سالہ روایات اس کا بین ثبوت ہیں، مدرسہ اور ارباب مدرسہ ہمیشہ تمام گروہوں اور جماعتوں سے الگ رہے ہیں، مدرسہ کا تعلق کسی خاص گروہ سے نہیں ہے،

مدرّسین مدرسہ کو اپنے اسلاف کی روایات کا اتباع لازمی ہے اور انکے فرائض میں یہ چیز داخل ہے کہ مدرسہ میں رہتے ہوئے وہ کسی ایسی تحریک میں حصہ نہ لیں جو مسلمانوں میں تفریق کا باعث ہو یا اس سے مدرسہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس مدرسہ کے طلباء کیلئے بھی یہ لازم ہے کہ وہ مدرسہ کے اصول اور نصب العین کے مطابق اپنے تعلیمی مشغلہ میں دلچسپی کے ساتھ مشغول رہیں۔ ''ہمارا تجربہ ہے کہ جو لوگ طالب علمی کے زمانہ میں سیاست میں حصہ لیتے ہیں وہ اپنے اصل مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔''

یہ مدرسہ ایک (خالص) دینی مدرسہ ہے، اس کے طلباء کے لئے لازم ہے کہ وہ اسکے آئین اور اغراض و مقاصد کے خلاف کوئی کام نہ کریں، انکو وضع قطع، لباس اور طرزِ معاشرت میں اپنے اسلاف کا اتباع کرنا چاہئے۔ (از قلم مفتی مظاہر علوم حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب اجراڑویؒ مخطوطہ ۱۳۵۸ھ)

## علماءِ مظاہر علوم ہمیشہ سیاسیات مروجہ سے الگ اور بالکل یکسو، رہے

اسی بنا پر انہوں نے تحریک خلافت اور ملک کی تقسیم کے وقت کانگریس اور لیگ کے قائدین اور رہنماؤں سے ذاتی اور نجی تعلقات اور خصوصی مراسم رکھنے کے باجود تمام سیاسی پارٹیوں اور جملہ سیاسی تنظیموں سے مظاہر علوم کو دور ہی رکھا اور خود بھی ایسے اسٹیجوں سے دور ہی رہے! (مجد)

## اکابر مدرّسین کا طریقۂ تدریس

اکابر مظاہر عبارت کتاب کو حل کرنے اور نفس مضمون کو دل نشیں کرنے پر زیادہ زور دیتے، درس کے دوران مختلف فیہ مسائل کی تشریح و تعبیر نہایت سادہ الفاظ اور آسان زبان میں فرماتے اور اصل مقصد متن کی تفہیم کے بعد شراح کی مختلف توجیہات میں ملخص طور پر جامع توجیہ آخر میں بیان فرماتے جو سب سے زیادہ معقول ہوتی۔ اس طریقۂ تعلیم سے نفس مضمون اور خلاصۂ مطلب طلباء کو بخوبی ذہن نشیں ہو جاتا۔ یہی طریقۂ تدریس

دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ کا بھی تھا لیکن بعد میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مظاہر علوم کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے بسط و تفصیل کا طرز سبق میں شروع ہو گیا! (مجد)

## مظاہر علوم کی چند اہم اور امتیازی خصوصیات

جنکی بناء پر یہاں کی تعلیم و تربیت اور انتظام دوسرے مدارس سے ممتاز رہا!

(۱) مظاہر علوم کا مذہب و مسلک و مشرب: سنیت و حنفیت اور چشتیت ہے (اس طے شدہ مسلک کی بناء پر بدعت اور مبتدعین، غیر مقلدیت اور غیر مقلدین، انکارِ تصوف اور منکرین تصوف وغیرہ سے مظاہر علوم کا مکمل تحفظ اور اُن سے کلیتاً احتراز مقصود ہے)۔

(۲) شریعت و طریقت کی جامعیت اور ذکر الٰہی و فکر باطنی کا اہتمام و التزام ہمیشہ معمولِ اکابر مظاہر رہا ہے۔

(۳) مؤسسین مظاہر علوم، اسکے اوّلین سرپرستان و مہتممین و منتظمین نے مدرسہ کو ملک خداوند تعالیٰ اور خالص مذہبی بنایا اور اسی طرز پر اسکو باقی رکھنے کی کوشش کی، اپنی اولاد کیلئے ''میراث'' یا اپنے دامادوں کیلئے ''جہیز'' اور کسی کیلئے ''مالِ غنیمت'' نہیں بنایا!

(۴) معمولی تنخواہوں پر قناعت کرنے والے مخلصین ملازمین رہے

(۵) تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس کے ساتھ دعاۃ و مبلغین اسلام تیار کرنے والے۔

(۶) سرپرستان، نظماء و مہتمان اور مدرّسین عظام اسی مادرِ علمی مظاہر علوم (ورنہ دارالعلوم دیوبند) کے افاضل مقرر کئے جاتے رہے ہیں۔

(۷) دین حق کے بارے میں اکابر مظاہر علوم ہمیشہ باغیرت و حمیت رہے ہیں۔

(۸) امور سیاست مروّجہ سے متعلق مظاہر علوم کا طرۂ امتیاز شروع سے یہ رہا ہے کہ یہاں سے وابستہ رہتے ہوئے سیاست کے بارے میں قلم اور قدم ہرگز نہیں اُٹھایا گیا۔

(۹) مظاہر علوم کے ناظم و مہتمم، مفسر و محدث اور فقیہ و صوفی، مدرّس و منتظم جامع قسم کے حضرات مقرر کیے گئے۔ مدرسہ کے ارباب حل و عقد نے مدرسہ کے معاملات میں ''خود غرضی'' یا ''اقرباء پروری'' کو کبھی راہ نہیں دی اور کسی اہل کے تقرر کرنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کی اور کسی نا اہل کو رکھنے میں کسی شخصیت کے اصرار کو قبول نہیں کیا!

(۱۰) مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور صرف اور صرف احیائے علوم دینیہ اور اشاعت سنت نبویہ کیلئے ہی قائم کیا گیا تھا جس کے بانیان، سرپرستان، نظماء اور متعلقین و معاونین کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ تھا اور مدرسہ کا از ابتداء تا انتہا تحفظ اور اُسکی بقاء اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے حوالہ اور سپرد سمجھی گئی، نہ تو ''حکومت وقت'' کے اور نہ ''عوام محض'' کے۔ اس مدرسہ کے سرپرست اوّل کا ارشاد سراپا رشاد یہ ہے کہ

''مدرسہ مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے''!

(مکتوب فقیہ النفس حضرت مولانا گنگوہیؒ)

(بنام حضرت مولانا دیوبندیؒ و حضرت مولانا انبہٹویؒ)

# دستور العمل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

## اغراض و مقاصد

(الف) علوم اسلامیہ یعنی قرآن مجید و تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد و کلام کی مسلمانانِ عالم کو مفت تعلیم دینا اور علوم نبوت کو فروغ دینا۔

(بحمد اللہ روزِ اوّل سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مجد)

(ب) دیگر علوم و فنون کی جو عربی زبان کی تحصیل یا مذہبی اغراض کیلئے ضروری یا مفید ہوں، نیز اُردو، فارسی اور حساب کی بقدرِ ضرورت تعلیم دینا اور علمی تحقیق کیلئے ایک کتب خانہ کا ہونا۔ (بفضلہٖ تعالیٰ ۱۳۲۶ھ میں با قاعدہ کتب خانہ تعمیر ہو چکا۔ مجد)

(ج) انسانی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے اور تہذیب اسلامی سے آشنا کرنے کی کوشش کرنا۔ (اسی مقصد کیلئے شعبۂ تبلیغ اور انجمن ہدایت الرشید کا قیام ہوا۔)

(د) روایات اسلامیہ کا تحفظ، احکام شرعیہ کی ترویج، دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کرنا اور ملت اسلامیہ کا تحفظ بذریعہ تحریر وتقریر کرنا۔

(بنائے مدرسہ کے وقت ہی سے یہ سب کام ہو رہے تھے مگر ۱۳۲۸ھ میں باقاعدہ دار الافتاء کا قیام بھی انہی مقاصد کیلئے عمل میں آیا۔ مجد)

(ہ) دینی تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ سلف صالحین کے اسلامی اخلاق واعمال کو زندہ کرنا۔ (مدرسہ کے سرپرستان، مہتممین ونظماء اور اساتذہ وطلباء اسی مقصد کو زندہ کرنے کیلئے رہے ہیں۔ مجد)

(ط) علوم دینیہ کی اشاعت کیلئے مختلف مقامات پر مدارس (ومکاتب) دینیہ قائم کرنا اور قائم شدہ مدارس کا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے الحاق کرنا۔

(اس سلسلہ کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔ مجد)

## مدرسہ کا مسلک

(الف) مسلک مدرسہ ہذا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ، حنفی مذہب پر ہوگا جو کہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سرپرست اوّل مدرسہ ہذا و حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ اجمعین کے مشرب سے ظاہر ہے۔

(مدرسہ کا یہ مسلک اور دستور العمل شیخین مظاہر علوم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے دورِ سرپرستی اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ کے دورِ نظامت اور جناب مولانا حکیم سیّد محمد ایوب صاحب سہارنپوریؒ کے دورِ رکنیت میں طے ہوا تھا۔ مجد)

(ب) مدرسہ کے مسلک کی حفاظت و رعایت اور ترویج و اشاعت جملہ سرپرستان، ناظم ومہتمم، اساتذہ وملازمین، متعلقین اور طلباء مدرسہ پر لازمی ہوگی۔

(ج) کسی ملازم یا طالب علم کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی ایسے ادارے یا

انجمن یا جلسہ وغیرہ میں شرکت کرے جو مدرسہ کے مذہب و مسلک و مشرب یا مفاد کے خلاف ہو اور یہ فیصلہ کہ ایسا کوئی عمل مدرسہ کے مفاد کے خلاف ہے یا نہیں؟ مجلس شوریٰ بمشورۂ ناظم کریگی۔

(د) کسی اشتباہ کے موقع پر مجلس شوریٰ یا ناظم کو حق ہوگا کہ وہ مدرسہ کے مسلک کے بارے میں کوئی اعلان جاری کرکے یا تقریر کے ذریعہ غلط فہمی دور کرے۔ (ماخوذ از دستور العمل مظاہر علوم سہارنپور مجوزہ ۱۳۹۹ھ)

## دعاء

تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں سادگی و اخلاص، حفاظتِ دین، اشاعتِ علم، دعوت الی اللہ اور ردّ شرک و بدعت کا ایک بڑا مرکز مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی ہند میں قائم ہوا۔ جس کے مؤسس و بانی، سرپرستان، اہل انتظام و اہتمام اور مشائخ عظام، اساتذۂ کرام کو اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے اپنی شایانِ شان بہترین جزاء عطا فرمائے اور تمام دینی مدارس میں انکے متعینہ اصلی مقاصد کے مطابق اکابر کے مقررہ نصاب و نظام کو جاری کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

الداعی الی الخیر

محمد القدوس خبیب رومی

(مفتی قدیم مظاہر علوم سہارنپور)

۲۹ر شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ مطابق ۲ر دسمبر ۲۰۰۵ء بروز جمعہ

## درس نظامی پر

استاذ الاساتذہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب پورقاضویؒ

شیخ الجامعہ مظاہر علوم سہارنپور

### درس نظامی پر

# فکر لطیف

## حضرت مولانا سیّد عبد اللطیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ و الصلوٰۃ و السلام علی محمد رسولہ و آلہ و صحبہ. اما بعد!

۱۸۵۷ء میں ہندستان پر انگریزوں نے مکمل غلبہ حاصل کرلیا اور ان کے قدم یہاں مضبوطی کے ساتھ جم گئے تو مسلمانوں کے سیاسی زوال وانحطاط کے ساتھ وہ انکے دین و مذہب اور روحانی زندگی پر بہت شدت کے ساتھ اثر انداز ہونے لگے ان کا اثر ونفوذ جسموں تک محدود نہ رہا بلکہ دلوں اور دماغوں کو بھی تسخیر کرنے لگا صدہا سال حکومت کرنے والی قوم اپنے خصائص وروایات اور ملی شعائر وعلامات کو نہ یہ کہ صرف نظر انداز کرنے لگی بلکہ انکی نقالی اور کورانہ تقلید کو بھی سرمایۂ افتخار سمجھنے لگی تو اس وقت ہندوستان کے بیدار مغز اہل حق علماء نے اس خطرے کے سدباب کے لئے جو بنیادی تدبیر سوچی وہ یہ تھی کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو دینی تعلیم کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ وہ اسلامی فکر وعمل کے صحیح نہج پر قائم رہتے ہوئے زندہ رہ سکیں چنانچہ علماء دین نے اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز کردی اور اس مقصد کے لئے مدارس قائم کئے اور اس میں عربی کا وہ گرانمایہ ''درسِ نظامی'' جاری فرمایا جس سے بڑی بڑی عہد ساز شخصیات علم وفضل کے آسمان پر مہر وماہ ہوکر چمکیں معقول ومنقول کے اس جامع ترین نصاب کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے درست کہ اس میں موجودہ زمانہ کے مقتضیات کے سبب بعض اذہان کی رعایت سے کچھ نئی چیزوں کا اضافہ کردیا جائے مگر حصول استعداد کیلئے یہ فی نفسہٖ ایک امر کافی ہے اور مختلف ادوار کا تجربہ اس سلسلہ میں شاہد عدل ہے لیکن ''بعض روشن خیال علماء'' کی زبان سے یہ بھی بارہا سننے میں آیا کہ مدارس عربیہ کے

نصابِ تعلیم سے قدیم فلسفۂ یونان وغیرہ ایسی غیر ضروری چیزوں کو خارج کر کے ان کی جگہ جدید علوم عصریہ کو شامل کرنا چاہئے (بعض جگہ اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے) یہ نظریہ کیسا ہے؟ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔ مولانا موصوف ''نظام تعلیم وتربیت'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

''مصیبت کا احساس سب کو ہے لیکن اس کا علاج کیا ہے؟ کیا اسکولوں، اور کالجوں کے نام نہاد دینیات کے کورس کے اضافہ سے اس مصیبت کا خاتمہ ہو جائے گا یا پھر عربی تعلیم گاہوں میں انگریزی کی چند ریڈریں یا روشن خیال مولویوں کے نزدیک جس چیز کا نام سائنس ہے اس مولویانہ سائنس کی تعلیم کا دینی مدارس میں اجراء اس مرض کا علاج ہے؟ میں اس کے متعلق ''وفی الشمس ما یغنیك عن زحل '' کے سواء اور کیا پڑھ سکتا ہوں۔ ''عیاں راچہ بیاں'' جس سوراخ میں بار بار ہاتھ دینے کے بعد بچھوؤں کے ڈنک کے سوا اور کسی چیز کا تجربہ نہ ہوا ہو اسی سوراخ میں بار بار مسلسل ہاتھ دیئے چلے جانا اور تب نہیں تو اب کی جھوٹی امیدوں میں تسلی ڈھونڈنا کیا ایمانی عقل اس پر راضی ہو سکتی ہے؟

''من جرب المجرب حلت به الندامةؔ کے سوا آزمائی ہوئی تدبیروں کے آزمانے کا آخری نتیجہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ مرض کے اسباب کی غلط تشخیص اور اسی غلط تشخیص کی بنیاد پر مریض کا جو علاج ہو رہا ہے اہلِ بصیرت اس تماشہ کو تقریباً پون صدی سے دیکھ رہے ہیں۔''

لیکن آج یہ گلہ ہے'' درسِ نظامی'' موجودہ زمانہ میں ناکافی ہے۔ اس میں تغیر وتبدیل کی ضرورت ہے اور بعض جگہ اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے لیکن مولانا گیلانیؒ کا ایک زبردست استشہاد ملاخطہ فرمایئے۔

''نصف صدی گذشتہ میں غیر مقلدیت کا طوفان جب ہندوستان میں اُٹھا تو اس طوفان کے مقابلہ کے لئے احناف کی طرف سے جو لوگ کھڑے ہوئے ظاہر ہے کہ ان بے چاروں نے حدیث وہی مشارق ومشکوٰۃ طریقہ سے پڑھی تھی۔ لیکن آستینیں

چڑھا کر جب یہی لوگ میدان میں اترے تو کون نہیں جانتا کہ ان ہی میں مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے لوگ تھے اوران بزرگوں کے متعلق تو کچھ کہا بھی جاسکتا ہے لیکن بالکلیہ جنہوں نے صرف درسِ نظامیہ والی حدیث سے زیادہ اور کوئی چیز اس فن میں استادوں سے نہیں پڑھی تھی مثلاً صاحب آثار السنن مولانا شوق نیمویؒ وغیرہ ان بزرگوں نے فنِ رجال، تنقید احادیث میں جن دقیقہ سنجیوں کی عملی شہادتیں پیش کی ہیں کیا اس کے بعد بھی اس کا کوئی انکار کرسکتا ہے کہ یہ چیزیں درس کی نہیں بلکہ مطالعہ ومزاولت سے تعلق رکھتی ہیں۔قدیم نظامی نصاب میں اصلاح کا دوسرا دعوی ان عملی دائروں کی طرف سے جو پیش ہوا یا ہورہا ہے اورادب عربی (انشاء وتاریخ) کواہمیت دی گئی شور برپا کیا گیا کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب عربی میں ہے، پیغمبر کے ملفوظات اور پیغمبر کی سیرت عربی میں ہے، مسلمانوں کا قانون اوران کا اعتقادی وعملی دستورِ حیات عربی میں ہے، ان کی تاریخ ان کے سارے علمی کارنامے عربی میں ہیں لیکن قدیم نصاب میں اس کی اہمیت گھٹادی گئی، باور کرایا گیا کہ جدید عربی نصاب میں جو کتابیں نظم ونثر یا متعلقہ فنون ادبیہ کی رکھی گئی ہیں ان کی تعلیم حاصل کئے بغیر نہ کوئی قرآن سمجھ سکتا ہے نہ حدیث نہ فقہ نہ تصوف نہ کلام وعقائد تقریباً پچاس سال سے اس کا بھی ہنگامہ برپا ہے لیکن کیا یہی واقعہ ہے؟''

اس کے جواب اوراس سلسلہ کے جملہ کلام کے تجزیہ کیلئے مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور کے سابق ناظم اعلیٰ حضرت مولانا الحافظ القاری المفتی السید عبداللطیف صاحب پورقاضوی کا ایک جامع ومانع خط ہدیۂ ناظرین کرام ہے۔حضرت مولانا موصوف رسوخ فی العلم رکھنے والے ایک جامع ترین باکمال عالم اور ہندوستان وبیرونِ ہند کے بہت سے ممتاز علماء کے استاذ ہونے کی وجہ سے استاذ الاساتذہ کا درجہ رکھتے تھے یہ خط گورکھپور کی انجمن اسلامیہ کے نام ہے اس میں آپنے تمام پہلوؤں کو جانچ کرایک مدلل نقشہ پیش کیا ہے جودرحقیقت اس باب میں ایک اہم ترین دستاویز ہے۔

(سیّد عبدالرؤف عالی دیوبند)

''بگرامی خدمت جناب ناظم صاحب انجمن اجرائے مکاتب گورکھپور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اولاً عرصہ ہوا کہ گرامی نامہ بغرض استشارہ صادر ہوا اور پھر اس کے جواب میں تاخیر ہونے کی بنا پر مکرر یاددہانی کی غرض سے دوسرا گرامی نامہ موصول ہو کر باعثِ تقاضا ہوا مگر کچھ تساہلِ طبعی کچھ کثرتِ کاروبارِ متعلقہ کا بہانہ سبب اس تاخیر کا ہوا جس کی وجہ سے جناب کو دوسری مرتبہ تکلیف گوارا کرنی پڑی بہر حال تکلیف انتظار کو معاف فرماتے ہوئے حسب ذیل معروض پر ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے:۔

۱۔ جملہ تحریراتِ جناب سے ایک دل سوزی مسلمانوں اور اسلام کی حالت معلوم ہو کر اور آپ کے قلب میں جذباتِ اسلام کا موجزن ہونا باعث مسرت ہوا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب آپ کو عطا فرمائے۔

۲۔ ان جذبات کے ماتحت آپ مصلحین کا انتظام بذریعہ انجمن کرنا چاہتے ہیں جس کی بابت ایک نقشۂ نصاب بھیج کر آپنے استشارہ مجھ سے فرمایا ہے اور نقشہ کی خانہ پُری چاہی ہے۔

۳۔ اس نصاب کی یہ غرض تحریر فرمائی ہے کہ اس کو فارغ التحصیل درسِ نظامی وغیرہ حاصل کر کے مخلوق کے لئے شمعِ ہدایت ثابت ہوں اور صفاتِ سلف غزالی و جنید، امام رازی، امام ابوحنیفہ ان میں رائج ہوں تا کہ عالم کی ہدایت مثل سلف کر سکیں یہ تمنا ایسی ہے کہ اس کا ہر مسلم کے قلب میں ہونا تقاضائے اسلام ہے۔

۴۔ جو کچھ جناب نے تحریر فرمایا ہے یہ جناب کے جذباتِ عالیہ کا تقاضا ہے اب ہماری سنئے:

(۱) مسلمان کا ہر جذبہ احکام شرعیہ کے تابع ہونا چاہیے ارشاداتِ حضور ﷺ کے ماتحت ہر جذبہ کی تکمیل ہوسکتی ہے محض جذبہ کے ماتحت جملہ امور ناقص رہتے ہیں اور

محض جذبات کی پابندی مثمر نہیں۔

(۲) حضور علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ جامع اور حاوی ہیں، تغیرات عالم اور انقلابِ دنیا کے ہر پہلو پر حضور علیہ السلام نے روشنی ڈالی ہے۔ ترقئ منزل کے اسباب کو ارشاد فرمایا ہے اول و اوسط اور آخر دنیا کی عمر کی کیفیت اجمالی یا تفصیلی کے تذکرے فرمائے ہیں احادیثِ مختلفہ وارشاداتِ متفرقہ سے مفتش کو اس کا پتہ چلتا ہے جہاں خیر القرون قرنی ارشاد وتبشیر ہے وہاں "بدأ الاسلام غريباً وسيعود كما بدأ" کی بھی تنذیر ہے اور "ثم يفشو الكذب" بھی مذکور ہے اور "خذوا عني خذ واعني" کی جہاں تلقین ہے وہاں "اني امرأ مقبوض والعلم سيقبض حتى يختلف اثنان ولايجد احدا ان يفصل بينهما" کی بھی تہدید ہے اور "حتى اذارأيت شحّا مطاعا و دنيا موثرة وهوى متبعاواعجاب كل ذي رأي برأيه" وغیرہ تنذیرات وتہدیدات ہیں۔

(۳) حضور علیہ السلام کے ارشادات میں کذب کا احتمال نہیں انکا وقوع برمحل لابدی ہے اور کوئی تدبیر وانتظام اس کو نہیں روک سکتا ہے۔

(۴) یہ جملہ ارشادات متعلقہ انقلابِ عالم مبنی بر تخریب عالم ہیں اور آمد قیامت کا منشاء ہیں جو اصلی عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔

(۵) یہی وجہ ہے خیر کی قلت اور شر کی کثرت کی۔

(٦) یہی وجہ ہے کہ پہلے زمانہ میں اتحاد واتفاق کی اس قدر کوشش نہ تھی مگر یہ چیز موجود تھی اور اب لیڈر الگ شور مچا رہے ہیں۔ انجمنیں الگ اس کی کوشش کر رہی ہیں۔ نشرواشاعت بذریعۂ اشتہارات واخبارات علیحدہ ہے مگر اس چیز میں دن بدن تنزل اور کمی ہے بلکہ اختلاف اور نفاق کی خلیج وسیع ہوتی جاتی ہے اور ؎

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

کی مثل صادق آرہی ہے پہلے اس قدر اسبابِ ظاہری موجود نہ تھے اور مسبب موجود تھا اور اب اسبابِ ظاہری موجود ہیں اور مسبب موجود نہیں یہ صریح ناکامی کی دلیل اور سعی کے حق میں مایوس کن سلسلہ ہے۔

(۷) اندریں صورت کوئی شخص سعی و ہمت کرے تو کس بنیاد پر اور حوصلہ بڑھائے تو کس منشاء پر؟ بلکہ جس قدر تھوڑی بہت کامیابی ہو جائے اندریں حالات وہ بطور خرق عادت ہوگی اور اس کو بسا غنیمت سمجھنا چاہئے ورنہ اگر موجودہ حالت سے قطع نظر کر کے تھوڑی بہت کامیابی کے غرہ پر اپنی ہمت زائد از قوت خرچ کر دی جائے تو رہی سہی کامیابی بھی ختم ہو جاتی ہے اور "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا" کی مثل صادق آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سی انجمنیں شروع تو بہت قوت کے ساتھ ہوتی ہیں مگر چند ہی دن کے بعد ختم اور معدوم ہو جاتی ہیں اور علیٰ ہذا آئے دن تحریکات کا سلسلہ شروع ہوتا رہتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے اِن وجوہات پر ہر محرک و ساعی اگر غور کرے تو اس کو صحیح طریق کا پتہ چل سکتا ہے اور معتدل شاہ راہ جو شریعت کا نصب العین ہے وہ کھل سکتا ہے کہ بغیر اس کے اختیار کئے کام نہیں چل سکتا اور راہِ مستقیم حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ قلب کو سکون ہو سکتا ہے کتنا بات گونادر اور کم ضرور ہے مگر معدودم نہیں کہ جس دن یہ چیز عالم سے معدوم ہو جائے گی عالم بھی معدودم ہو جائے گا جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا جب کوئی نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی۔" مگر ہر زمانہ کا رنگِ عمل پہلے سے بدلا ہوا ہے صحابہؓ کا رنگ اور تھا تابعین کا رنگ دوسرا ہوا بلکہ خود صحابہؓ کا رنگ حضور ﷺ کے زمانہ میں اور تھا اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ نہ رہا جیسا کہ بعض صحابہؓ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ الغرض تدریجی طور پر رنگ عمل میں فرق ضرور ہے اور یہی فرق سبب ہوگا احکام شرعیہ کے فی الجملہ تبدل کا مگر یہ تبدل ایسا ہو جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور چھلانگ مارنا جسکو کہتے ہیں وہ خطرناک ہے

الغرض وہی اعتدال جس کا ذکر بار بار پہلے آچکا ہے شرعاً اس تبدل میں بھی مطلوب ہے اور جب تک یہ اعتدال ملحوظ رہے گا۔ اس وقت تک دنیا کا قیام رہے گا تو قیام و وجود اس اعتدال کا سبب قیام دنیا ہے اور قیامِ دنیا دلیل وجود اعتدال ہے، زمانہ اس سے خالی نہیں، تتبع سے پتہ چل سکتا ہے ''من جد وجد'' ہاں یہ ضرور ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ سے بُعد ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس اعتدال میں کمی ہے اور عالم کے وجود میں خیر کی کمی محسوس ہوتی جاتی ہے چونکہ اعتدال بھی ایک ''کلی مُشکک'' ہے۔ اسی تفاوتِ اعتدال کے موافق حضور ﷺ کے ارشادات صادر ہوئے ہیں، ایک وہ زمانہ تھا کہ مامور بہ سے دسویں حصہ کو چھوڑ دینا ہلا کی ارشاد فرمائی تھی اور خود حضور ﷺ نے ہی ارشاد فرمایا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ مامور بہ میں سے دسویں حصہ پر عمل کرنے سے نجات ہو جائے گی۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

خلاصۃ المرام یہ ہے کہ عالم کا نظام مقدر ہو چکا، تدبیر سے اس کی اصلاح ناممکن ہے البتہ اسباب کی مساعدت دلیل کامیاب ہونے کی ہے اور علامت موافقت تقدیر با تدبیر ہے اور عدم مساعدت اسباب دلیل ناکامی اور علامت موافقت تقدیر با تدبیر ہے۔ فی زمانناً مختلف ادارے کام کر رہے ہیں جن کا طرزِ عمل اور ہیئت ترکیبیہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہے ایک علی گڑھ کالج ہے جس نے بالذات دُنیا کی ترقی کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے دوسرا ادارہ ندوۃ العلماء کے نام سے ملقب ہے جس نے جمع بین الدنیا والدین کا دعویٰ کیا ہے اور نصابِ تعلیم دین بھی رکھا ہوا ہے اس کی بھی تعلیم ہوتی ہے تیسری نوع کے ادارے مدارسِ دینیہ ہیں جن کی بنیاد محض دین اور مذہب کی تعلیم پر تھی اور اب بھی ہے دنیوی تعلیم کا سلسلہ ان میں قطعاً نہیں جس کی وجہ سے اہل دنیا کوشاں ہیں کہ ان میں بھی علوم دنیوی صنعت و حرفت وغیرہ داخل ہو۔ اور خالص مذہبی نہ رہیں ان کی مثال مدرسہ دیوبند، سہارنپور اور امینیہ و مدرسہ عبدالرب وغیرہ ہیں، اگرچہ مذکورہ بالا سب ہی مدارس

مدعی ہیں کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور ہدایت کیلئے کھولے گئے ہیں مگر حسب مقولہ

غلط است انچکہ مدعی گوید مشک آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید

جہاں درحقیقت مذہبی تعلیم ہوتی ہے وہ بھی آشکارا ہے اور جہاں برائے نام مذہبی تعلیم ہے وہ بھی ظاہر ہے مذہبی تعلیم کے آثار علیٰحدہ ہیں دنیوی تعلیم کے آثار علیٰحدہ ہیں اور عین التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں ہر ایک کا طرزِ عمل اور اس کے آثار خود بتاتے ہیں کہ کونسا راستہ اس نے اختیار کیا ہے لامحالہ ہر سمجھدار اور فہیم شخص معلوم کرلے گا کہ کس کے طرزِ عمل نے کیسے کیسے نمونے پیدا کئے بس انہی کی تقلید سے کام چلے گا۔ اگر ڈپٹی کلکٹری، ججی، مجسٹریٹی وغیرہ مقصود ہو تو علی گڑھ کا طرز اختیار کرنا پڑے گا۔ اور اگر شبلی نعمانی، سلیمان ندوی وغیرہم کا نمونہ پسند ہے تو ندوۃ العلماء کا طرز اختیار کرنا ہوگا۔ اور اگر مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد، مولانا اشرف علی، مولانا خلیل احمدؒ وغیرہم جیسی ہستیاں مطلوب ہوں تو مدارسِ دینیہ کا طریق اور دیوبند وسہارنپور کی تقلید کرنا چاہئے۔

ابتدائی حالات ان کے بانیان کے جو کچھ تھے وہ ضرب المثل ہیں خود ان مدرسوں کی حالت جو کچھ تھی وہ بھی مشہور ہے، مکانات ان کے چھپر پوش تھے اگرچہ اب ترقی ہوکر پختہ مکانات اور کمرے ہو گئے ہیں۔ مذکورہ بالا حضرات یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کرکے معلم بنے اور تمام دنیا میں انکے فیوض پھیلے مدارس دینیہ جہاں بھی موجود ہیں وہاں کے معلم بلاواسطہ یا بالواسطہ انہیں دینی مدارس کے فیض یافتہ ہیں۔ بہرحال یہ طبقہ ختم ہوا مگر طرزِ عمل چھوڑ گیا اور عملی زندگی کا طریق بتا گیا کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمانوں کا اسلام کے طرز پر رہنا ممکن ہے محال نہیں اور جدتوں اور اختراعات سے بے نیازہ رہ کر بھی دین کی پابندی ممکن ہے پس جس شخص کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے اس کے لئے راستہ بالکل کھلا ہوا ہے اور چشم عناد یا غافل کیلئے سب راستے بند ہیں۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

فعین الرضاعن کل عیب کلیلة　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

لیکن جو شخص ایسے مرکزوں کی تقلید کرنا چاہے اس کیلئے ضروری ہے کہ ان کے مقاصد اور اصول وفروع پر مطلع ہونے کیلئے کچھ وقت اپنا خرچ کرے اور ان کے طرزِ عمل کو دیکھے اور مصارف کی نوعیت اور معاملات کی کیفیت اور امانت اور دیانتداری کے حالات کی جانچ کرے، گھر بیٹھے پوری کیفیت معلوم ہونا مشکل ہے تب اپنا رنگ ڈھنگ ان کے موافق بنا سکتا ہے۔

صرف تحریرات کو دیکھ کر صحیح معاملات کا اندازہ ناممکن ہے خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ اپنی اصلاح اول اور دوسروں کی اصلاح بعد میں مقصود ومطلوب ہو اور اخلاصِ نظر اولین ہو تب خود بخود انسان مصلح بن جاتا ہے اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں مصلح ہوں لیکن خود کی اصلاح پیش نظر نہ ہو اور اپنے عیوب سے چشم پوشی ہو اور دوسروں کی اصلاح پیش نظر ہو یہ راستہ خطرناک ہے اور طے شدنی نہیں بلکہ

''او خویشتن گم است کرا رہبری کند''

کا مصداق ہے۔ مصلح کیلئے ضروری ہے کہ اس کی صورت وسیرت قیوداتِ شرعی کے ساتھ مقید ہو اس کی کوشش ہو کہ میرا ہر معاملہ قواعد شرعیہ کے ماتحت ہو گو اعلیٰ درجہ کی پابندی پیدا نہ ہو اور کوئی کوتاہی بھی رہ جائے مگر کوتاہی کا معترف رہے

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے می رسی بروے مائیست

اسی کے ماتحت مسئلہ نصاب بھی ہے، مدراس دینیہ میں جو نصاب مروج ہے وہ درسِ نظامی کے نام سے ملقب ہے اور اسی کو پڑھ کر رشیدؒ و قاسمؒ ومحمودؒ وخلیلؒ عالم کیلئے شمع ہدایت ہوئے اور اپنے شاگرد کفایت اللہؒ، حسین احمدؒ، انور شاہؒ، شبیر احمدؒ وغیرہ چھوڑ گئے۔ اگر یہ ہستیاں کچھ کمال رکھتی ہیں اور اہل کمال میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسرے نصاب

کی جستجو یا اس پر اضافہ یا اس کی اصلاح کی فکر و خیال فضول ہے اور حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت کی بے قدری ہے۔

البتہ جن لوگوں کے نزدیک یہ حضرات نا اہل ہیں اور ان کا شمار اہل کمال میں نہیں ان کیلئے کسی دوسرے نصاب کی تلاش وغیرہ ٹھیک اور درست ہے اس نصاب کی خوبی اور قوۃ مجملاً اس سے معلوم ہوتی ہے کہ تقریباً یک صد سال سے یہ نصاب رائج ہے اور تقریباً نصف صدی سے اس کی مخالفت بھی ہو رہی ہے مگر آج تک کوئی نصاب ایسا پیش نہیں کیا گیا جو اس کا مقابلہ کر سکے اور اس کو اس کے مقابلہ میں مقبولیت حاصل ہو سکے اور وہ نصاب بھی ایسا ہی مکمل ہو اور اس کے کتب کے مصنفین کو اعتبار اور مذہب کی پابندی حاصل ہو علمی استعداد میں کافی مہارت رکھتے ہوں۔

ترتیب اس نصاب کی ہر فن میں استعداد پیدا ہونے کا موجب ہو جب اس سے فارغ ہو تو جملہ فنون معقول و منقول سے مناسبت ہو اور اس نصاب کا فارغ شدہ جامع شخص ہو، مختصر مدت میں ہر فن سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ یہی نصاب کے لوازمات ہیں اس نصاب نظامی کو ایک صدی تجربہ میں آئے ہوئے گذر چکی ہے اب اگر کسی نصاب کو سو برس کوئی شخص تجربہ میں لائے اور بالفرض یہی منافع اور ثمرات پیدا ہوں تب صرف مساوات کے دعویٰ کا حق پیدا ہو گا چہ جائے کہ اس کو ترجیح دی جائے۔

مگر قبل اس قدر مدت تجربہ کے کسی کو حق نہیں کہ اس نصاب کے عیوب بیان کر کے کسی دوسرے نصاب کو ترجیح دینے کی دعوت دے۔ مگر بات یہ ہے کہ کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضرورت ہے محنت و مشقت برداشت کرنے کی اور اب عادت محنت و مشقت کرنے کی نہیں رہی، سارا عیب نصاب کی طرف منسوب کرتے ہیں ورنہ سہل صورت مقابلہ اور امتحان کی یہ ہے کہ دو شخصوں میں امتحانِ مقابلہ کرا دیا جائے، ایک فارغ شدہ اس نصاب کا ہو اور دوسرا شخص فارغ شدہ دوسرے نصاب کا، اب معلوم ہو جائے گا کہ کونسا نصاب کتنی استعداد پیدا کرتا ہے؟

پس اگر آپ کو اپنی انجمن کے دس سالہ تجربہ سے کسی نصاب میں کوئی فائدہ معلوم ہوا ہو اور طلبہ آپ نے مقررین، مدرسین، عاملین پیدا کئے ہوں یا توقع ہو تو اس کو بدستور جاری رکھئے آپ کا یہی دوام موجب ترقی کا بنے گا اور اگر ابھی تک نہ ایسے لوگ پیدا ہو سکے ہوں اور نہ ایسی قوی امید ہو تو پھر حسب قواعد مدارسِ دیوبند و سہارنپور کا درسِ نظامی جاری کیجئے اور ایک دو سفر ان مقامات کے کر کے طرزِ عمل یہاں کا دیکھئے پھر اس کی تقلید میں اگر کامیابی نہ ہو تو الزام دیجئے ورنہ اضاعت وقت و مال ہے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ واللہ اعلم وھو الموفق والھادی الی صراط مستقیم من یشاء یضلله ومن یشاء یجعله علی صراط مستقیم۔

عبداللطیف

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۳۵۵ھ

مظاہر علوم کی دینی، تعلیمی
بقاء واستحکام کیلئے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

# قیمتی آراء
# اور
# مفید مشورے

جو تمام دینی مدارس کے ذمہ داروں
اور اساتذۂ کرام کے لئے سرمۂ بصیرت اور دل ودماغ
کی گہرائیوں سے پڑھنے اور عمل کرنے کیلئے ہیں۔
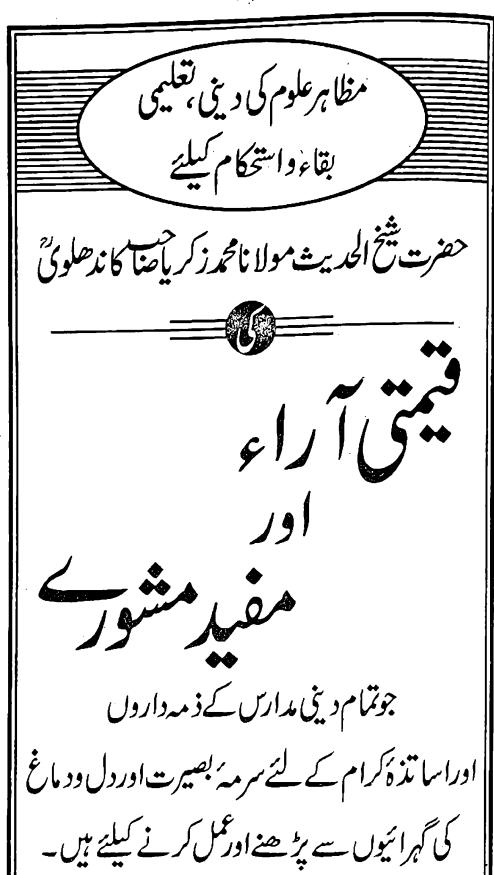
## مظاہر علوم کی دینی تعلیمی بقاء اور اسکے استحکام کیلئے

# حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلویؒ کی رائے

ماضی میں بہت سے افراد نے اپنے اپنے طور پر اس کی کوشش کی کہ مظاہر علوم میں علوم قدیمہ نبویہ کے ساتھ علوم جدیدہ (انگریزی، ہندی اور دیگر وقتی علوم وفنون نیز صنعت وحرفت اور دستکاری وغیرہ) کی تعلیم بھی ہونی چاہئے تاکہ موجودہ دور کی ترقیات اس کو بھی میسر ہو جائیں۔ اس کیلئے مظاہر علوم پر اجتماعی طور سے بھی اصرار کئے گئے اور انفرادی طور سے بھی لیکن حق تعالیٰ شانہ مدرسہ کے سرپرستان، ارباب انتظام اور حضرات اساتذہ کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے لئے جو شاہراہ عمل متعین کی تھی اس سے انحراف نہیں کیا اور جس سنت قدیمہ پر اسکے موسسین اس کو چلانا چاہتے تھے اسی کو برقرار رکھا خواہ اس برقراری کی اُن کو کتنی ہی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہو۔

ان اسلاف کے اخلاف اگر زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی تجویز مان لیتے اور اس کو قدیم وجدید کا حسین امتزاج بنانا تسلیم کر لیتے تو مظاہر علوم مادّی بنیادوں پر تو سب کچھ بن جاتا لیکن پھر خالص مدرسہ دینیہ اور مرکز علم تفسیر وحدیث اور فقہ دین نہ رہتا۔

یادگار اسلاف کی یہ مدرسہ ہے بالیقیں
وقف ہے یہ اور خود ہے وقف بہر علم دیں (مجد)

یہاں ذیل میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی ''آپ بیتی'' سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شیخؒ کے ذہن میں مظاہر علوم کی بقاء اور اسکے استحکام کیلئے کیا نہج اور کیا ترتیب رہی ہے۔ حضرت شیخؒ چونکہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک تاب دار اور آبدار لڑی ہیں اسلئے ان کے یہ خیالات واحساسات (کم از کم مظاہر علوم کی حد تک) اُنکے جملہ پیش رووں کے بھی سمجھے

جائیں گے۔ بہر حال وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

(۱) میں مظاہر علوم اور مدارس عربیہ میں ہندی، انگریزی کے داخل کرنے کا ہمیشہ سے شدید مخالف ہوں۔ ہمارے اکابر نے ان مدارس میں انگریزی داخل کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی، ہیشہ مخالفت فرمائی اسی طرح ہندی کا حال ہے۔ میں مدارس عربیہ میں اسکے داخلہ کا بھی سخت مخالف ہوں جب یہ ناکارہ دارالعلوم دیوبند کا ممبر شوریٰ تھا ایک صاحب نے ضروریات زمانہ سے متاثر ہوکر بہت زور شور سے دارالعلوم کے نصاب میں ہندی داخل کرنے کی تحریک کی، میں نے نہایت شدت سے مخالفت کی، میں نے کہا انگریزی اور ہندی کیلئے گاؤں درگاؤں اسکول کھلے ہوئے ہیں یہ لاکھوں میں دو چار بچے عربی پڑھنے کیلئے آگئے ہیں تم ان کو بھی اسی میں دھکیل رہے ہو، مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ (سیوہاروی) بھی اس وقت حیات تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماوے اور بلند درجات عطا فرماوے، میری تائید میں بہت زوردار تقریر انہوں نے فرمائی اور کہا کہ سب کو معلوم ہے کہ میں ہندی کا کتنا حامی ہوں مگر میں دارالعلوم کی چار دیواری میں شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ ہوں یقیناً اس کو اسلاف کے طرز پر جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو رکھنا چاہئے۔

اصل محرک صاحب نے ضرورتِ زمانہ پر زور دیا مولانا مرحوم نے میری وکالت کرتے ہوئے کہا کہ ان مدارس کی ابتداء میں انگریزی کی ضرورت اس سے زیادہ سخت تھی جتنی آج کل ہندی کی بتلائی جاتی ہے اور میں خود بھی اسی کا ہم خیال ہوں مگر دارالعلوم کی حدود میں شیخ الحدیث کے ساتھ ساتھ ہوں۔ مجھ غریب کی آواز میں تو اتنا زور نہ ہوتا مگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے جوش کو دیکھنے والے اب تک بھی خوب ہیں۔

(۲)۔ اسی طرح سے یہ ناکارہ مدارس عربیہ میں صنعت وحرفت کا بھی شدید مخالف رہا اور ہے۔ مظاہر علوم میں حضرت (مولانا خلیل احمد صاحبؒ) قدس سرہٗ کی حیات تک تو جو کوئی اس کا محرک آتا اس سے حضرت قدس سرہٗ خود نمٹ لیتے ہم لوگوں کی نوبت

ہی نہ آتی تھی۔

لیکن حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت ناظم صاحبؒ کے دور میں بہت سے اہل خیر نے یہ پیش کش کی کہ آپ شعبۂ صنعت وحرفت مدرسہ میں داخل کرلیں، حضرت ناظم صاحبؒ تو ہر شخص سے یہ فرمادیتے کہ حضرت شیخ سے بات کرلو اور مجھ سے جو کوئی کہتا میں یہ جواب دیتا کہ بجائے اسکے کہ آپ اسکو مدرسہ میں داخل کریں اور اسکے سارے اخراجات آپ برداشت کریں (اس سے بہتر یہ ہے کہ) آپ اس کو شہر میں مستقل شعبہ کی حیثیت سے جاری کردیں اور جو مدرسہ سے فارغ ہوتا رہے گا اور اپنے مستقبل کیلئے درس و تدریس کے نہ ہونے کی وجہ سے سوچے گا تو میں اس کو ضرور مشورہ دوں گا کہ وہ ضرور صنعت وحرفت سیکھے۔ سائل یا فقیر نہ بنے۔

مجھے ان چیزوں میں زیادہ مخالفت تجربہ سے ہوئی ہے۔ ابتداءً تو اکابر کا طرزِ عمل ہے کہ تصوف میرے اکابر اور مظاہر علوم اور دار العلوم کے اکابر کی جان رہا ہے۔ دونوں مدارس کے اکابر میں شاید ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جو کسی سے بیعت نہ ہوا ہو اور ذکر و شغل میں کسی درجہ میں اشتغال نہ ہوا ہو لیکن اسکے باوجود طالب علموں کے بیعت (نہ) کرنے میں حضرت اقدس قطب عالم گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کو جس قدر شدت رہی سب کو معلوم ہے اسلئے کہ طالب عالم کے ساتھ دوسری چیز جوڑ بالکل نہیں کھاتی اگر چہ طلباء کی موجودہ بے راہ روی کو دیکھ کر کہ وہ فراغ سے پہلے ہی اِدھر اُدھر بھٹکنے لگتے ہیں۔ متاخرین نے صرف بیعت کو اختیار کرلیا تھا لیکن ذکر و شغل کی اب بھی اجازت نہیں ہے، اس واسطے کہ علم کے ساتھ خواہ کوئی مشغلہ ہو وہ علم کیلئے نہایت ہی مضر ہے۔

علم کا یہ مقولہ مشہور عالم ہے کہ ”اتنے تو اپنے آپ سارے کے سارے کو مجھے نہیں دے گا اس وقت تک میں تھوڑا سا حصہ بھی تجھ کو نہیں دونگا“۔

یہ اسلاف کے کارنامے کہ وہ علم کو اللہ کے واسطے پڑھاتے رہے اور صنعت وحرفت سے اپنی روزی کماتے رہے، گذر گئے۔

اب تو اسمیں نہ مبالغہ اور نہ تصنع کہ بہت سے ذی استعداد لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے شوق سے یا بڑوں کے جبر سے انگریزی میں لگے اور پھر انگریزی نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا اور انکے ذی استعداد ہونے کا اب تک قلق ہے۔

بہت سے دوستوں نے ہمارے ہی مدرسہ میں معین مدرسی کی درخواست دی بہت حتمی وعدے کئے کہ مدرسہ کا ذرا حرج نہ ہوگا اور بقیہ وقت اپنی تجارت میں لگایا لیکن ایک ہی سال میں تجارت نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا اور مدرسہ کو خیر باد کہنا شروع کیا۔ دنیا کی کشش اور مال و دولت کی کشش فطری چیز ہے۔

اللہ جل شانہ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے، سورۂ قیامہ میں ارشاد ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ الآیۃ ۔خبردار! تم لوگ دنیا کو محبوب رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

عام حالت دنیا کی یہی ہے اسی وجہ سے میں ان کا ہمیشہ مخالف رہا اور ہوں کہ یہ سب چیزیں دنیا ہیں جن کی محبت فطری ہے اور علم دین آخرت ہے، یہ کمبخت دنیا ہم پر غالب آجاتی ہے اور آخرت یعنی علم دین ہم سے چھوٹ جاتا ہے لیکن اللہ اگر کسی کو توفیق دے تو میرے والد صاحبؒ تجارت بھی کرتے تھے اور پڑھنے پڑھانے میں اخیر تک مشغول رہے۔ تجارت نے ان کے کسی کام میں ذرا بھی حرج نہیں کیا، مگر یہ سب شواذ میں سے ہے، دیکھنا عمومی حالت کا ہوتا ہے۔ (آپ بیتی نمبر۳، ص۴۷ تا ص۵۱)

# مروّجہ درسِ نظامی کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے تاثرات

مدرسہ کا نصاب تعلیم وہی ہے جو درس نظامی کے نام سے تقریباً تمام ہی مدارسِ عربیہ میں رائج ہے اور بعض دوسرے مدارس میں معمولی تغیر و تبدل کے ساتھ

پڑھایا جاتا ہے۔ مدرسہ نے کبھی اس چیز کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس درس نظامی میں کوئی غیر معمولی اور اہم تغیر و تبدل کیا جائے، جزوی ترمیم یا کسی ایک آدھ کتاب میں رد و بدل تو ضرور ہوا لیکن سرے سے اس تعلیمی ڈھانچہ کو بدل کر نیا نظام تعلیم یا جدید نصاب تعلیم بنانے پر کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی، اگرچہ ماضی میں بعض انجمنوں اور اداروں کے مختلف ذمہ دار حضرات نے اس کی ترغیب بھی دی اور اس کی اہمیت و افادیت کو ارباب مدرسہ کی نگاہ میں بٹھانا بھی چاہا لیکن اکابر مظاہر علوم نے اس سلسلہ میں کسی جدید تجربہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ درسِ نظامی کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں،

میں نے درسِ نظامی کی پابندی سے نہیں پڑھا، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تدریس میں خود مجتہد تھے، اسلئے اپنی ابتداء مدرسی میں تو تبدیلی نصاب کا خبط مجھ پر بھی خوب سوار تھا۔ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۸ھ تک ساری دنیا کے نصاب ڈھونڈ کر منگائے تھے، ندوہ کا، اہل حدیث کے مدارس کا، حرمین شریفین کے مدارس کا اور دو نصاب مرتب کئے۔ ایک مطول، دوسرا مختصر، اوّل نصاب آٹھ سالہ اُن لوگوں کیلئے جن کو پڑھنے کے بعد پڑھانے کے اسباب میسر ہوں، مالی اور گھریلو حالات سے مثلاً یہ کہ ان کے خاندان میں اوپر سے علم کا ذوق و شوق چلا آرہا ہو۔

اور دوسرا مختصر نصاب سہ سالہ، ان لوگوں کے لحاظ سے جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ پڑھنے پڑھانے کے کام کے نہیں بلکہ یہ پڑھنے پڑھانے کے بعد طبیب یا کاشتکار بنیں گے۔

شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح سے میرا دماغ دن رات اُن ہی میں گھومتا رہا اور بہت ہی غور و خوض سے میں نے یہ نصاب مرتب کیا تھا اس وقت تو ایک مختصر سا رسالہ لکھ کر شائع کرنے کا بھی ارادہ تھا لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ یا تجربہ بڑھتا رہا۔

تبدیلِ نصاب کا خبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ ایک دو کتاب کا تغیر علوم آلیہ میں ہو جائے تو اسمیں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن فقہ، اصول، حدیث وتفسیر اور علوم آلیہ کی اہم کتاب کافیہ، شرح جامی جیسی کتب میں تغیر کا بالکل قائل نہیں ہوں جس کی بہت سی وجوہ ہیں، بڑی وجہ تو یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوگیا اور ہر دس، بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیاں دکھلانی شروع کرے گی اور یہ کیوں نہیں کرے گی؟ تو یہ نصاب بنتے رفتہ وہ شیر بنجائے گا جس کی تصویر (کسی شخص نے) کمر پر کھچوانی چاہی تھی۔ لیکن دُم، ہاتھ، پاؤں، کان، ناک ہر ایک کے بنانے میں جب تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بغیر دُم کا بھی تو شیر ہوتا ہے اور بغیر ہاتھ کا بھی تو شیر ہوتا ہے۔

(۲) ہر محقق اور ہر بااثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو۔ جس کی نظریں اپنی ابتداء مدرسی سے لیکر ابتک بارہا خوب دیکھیں لیکن درسِ نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرمارکھی ہے کہ اسمیں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی۔ اسلئے لوگوں کی مساعی اس کے خلاف ناکام ہی ہوتی آرہی ہیں۔

(۳) مروّجہ نصاب کی اتنی خدمت ہوچکی ہے کہ شروح وحواشی ضرورت سے زیادہ لکھے جاچکے ہیں جن کا حال اہل علم کو خوب معلوم ہے۔ متبدل نصاب کی اتنی خدمت کرنے والے میرے خیال میں اب پیدا نہ ہوں گے۔

اور اگر کچھ ہمت والے آستین چڑھائیں گے بھی تو جتنی شروح وحواشی درسِ نظامی کی کتب کی سو برس میں لکھی گئیں ہیں ان سے آدھی کے لئے کم از کم پچاس برس چاہئیں اور اتنی مدت میں (اگر تبدیلی نصاب کا یہ سلسلہ جاری ہوگیا تو) نہ معلوم کتنی تبدیلیاں اور پیدا ہوں گی۔

(۴) میں دوسروں کو تو نہیں کہوں گا مگر اپنے شاگردوں کو جرأت کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی استعدادیں جیسی ہیں وہ موجودہ نصاب کی کتب کو تو شروح وحواشی کی مدد

سے کسی نہ کسی درجہ میں پڑھالیں گے لیکن کوئی نئی کتاب جس کی نہ شرح ہو نہ حاشیہ تو نوے فیصد ایسے ہیں جو نہیں پڑھا سکتے۔

ایک شرح جامی کو لیلو کہ اس کی جگہ اگر ابن عقیل رکھدی جائے جو مجھے بھی یاد ہے کہ میں نے اپنے خبط کے زمانہ میں نصاب میں تجویز کی تھی تو اس کا پڑھانے والا (اگر علمائے زمانہ کی توہین نہ ہو تو میرے خیال میں) بہت دشواری سے ملے گا، اسلئے کہ اس کی کوئی شرح نہیں ملے گی اور شرح جامی کی اُردو عربی فارسی میں بے حد شروح ملیں گی جو مدرسین حضرات سے دیکھی بھی نہیں جائیں گی۔

نسائی، ابن ماجہ کی جگہ اگر تیسیر الاصول رکھدی جائے تو ان دونوں کی شروح بکثرت موجود نہ ہونے کے باوجود مختلف مطابع (کے) مختلف حواشی اس قدر کافی ہیں کہ شروح کی ضرورت نہیں اور تیسیر الاصول کا ایک بھی حاشیہ نہیں ملے گا۔

ابن ماجہ شریف کیلئے انجاح الحاجۃ کافی سے زیادہ ہے اور ایک انجاح الحاجۃ ہی ایسا متبرک حاشیہ ہے کہ اس جیسا تیسیر الاصول کیلئے ملنا مشکل ہے۔

یہ مدرسین کی نئی پود جن میں سے بہت سے تو (اپنے باپ دادا کی) اپنی وجاہت اور سفارشوں سے مدرس ہو گئے اور ان کے پڑھنے کا زمانہ ہماری نگاہوں میں ہے اُردو کی شروح وحواشی دیکھ کر کچھ دال دلیہ کر سکتے ہیں مگر جن کی کوئی شرح نہوا سکو اپنی تقریر کے زور سے اڑا دیں تو ممکن ہے جس کے متعلق میرا خود ذاتی تجربہ بھی ہے کہ بعض مدرسین جن کی تقریر شستہ ہو (آج کل جس کا رواج خوب ہے) وہ اپنے اس زور سے چلا تو دیتے ہیں مگر جب خود نہیں سمجھے تو طالب علم کیا سمجھے گا۔

(آپ بیتی ع۳ ص۵۱ تا ص۵۳)

مذکورۃ الصدر اقتباسات اور تاثرات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ مظاہر علوم کے اکابر مرو‌جہ درسِ نظامی میں کسی اہم اور غیر معمولی تغیر وتبدل کے روادار نہیں تھے اور

اس سلسلہ میں جو مضبوط اور وزنی دلائل ان حضرات نے پیش فرمائے وہ بھی ہمارے سامنے ہیں اور بعد کے تجربات سے ان دلائل کی اہمیت میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں ہوئی، اس لئے ہمارے دینی مدراس میں یہی مروّجہ درسِ نظامی جاری رکھنے کی ضرورت ہے، جو ہمارے اکابر ماہرین تعلیم وتربیت اساتذہ کرام نے اپنے علم وفہم اور تجربات کی روشنی میں رائج کیا تھا اس کو محض انکی ''برکت'' قرار دینا دانستہ یا نادانستہ ''حرکت'' ہے۔

ان كنت لا تدری فتلك مصيبةٌ

وان كنت تدری فا لمصيبة اعظمٗ

# مدارس کے شرور وفتن کا علاج

مکتوب بنام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

مدارس کے روز افزوں فتن، طلباء کی دین سے بے رغبتی، بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں آرہا ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جاری ہے بلکہ معدوم بلکہ اس لائن سے تو بعض میں تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد مرادآباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں بھی امام الائمہ تھے، ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔ میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارسِ منتظمین اور اکابر کی خدمت میں تحریراً و تقریراً لکھتا اور کہتا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مفید اور موثر زیادہ ہوں گے، مظاہر علوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج حضرت قاری محمد طیب صاحب سے بارہا تقریراً اور تحریراً عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس کو متوجہ کرتا رہتا ہوں۔ مدارس کے روز افزوں فتنوں سے بہت ہی طبیعت کو کلفت پہنچتی رہتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کی صورت صرف ذکر اللہ کی کثرت ہے جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اسی سے قائم ہے تو مدارس بے چارے دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء و تحفظ میں جتنا دخل ہوگا وہ ظاہر ہے اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحابِ نسبت و ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں ہے اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہو کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں غلط نہیں اس لئے

میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔ طلباء کے مستقل طور پر ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں۔ تصوف کے اذکار و اشغال میں مستقل لگنا تعلیم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا لیکن منتہی طلباء یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اکابر سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ تعداد مدارس میں علی التبادل ضرور رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے۔ مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں کہ طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذاکر کا کھانا اس کے حوالے کر دے جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلباء کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا۔ البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ میں ہو اور ذکر کی کوئی ایسی مناسب تشکیل کریں کہ دوسرے طلباء کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔ جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارنپور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے کہ میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت میں سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ تعداد اگرچہ نہ ہوگی؟ ۲۰، ۲۰ کی تعداد روزانہ ضرور ہی ہو جاتی ہے۔ میرے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں تو ۱۰۰، ۱۲۵ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۴۵ کی تعداد عصر کے بعد جمعہ کے دن ہو جاتی ہے۔ ان میں باہر کے مہمان بھی ہوتے ہیں جو ۱۰، ۱۲ تک اکثر ہو جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہ اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے ان کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح میری تمنا ہے ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین مسلسل ضرور رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ بھی ہوگا۔ اس ناکارہ کو نہ تحریر کی

عادت نہ تقریر کی۔ آپ جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس کے نزدیک اس مضمون کی اہمیت زیادہ ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب الوابل الصیب سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے گئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ شیاطینی اثر ہی سارے فتنہ وفساد کی جڑ ہے۔ فضائل ذکر سے یہ مضمون بھی اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی۔ میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے۔ آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔ دارالعلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحبِ نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ان کی ابتداء ہوئی۔ ان ہی کی برکات سے یہ مدارس چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے۔ بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ ۳۰ رنومبر ۱۹۸۵ء مکہ مکرمہ

## وصیت و نصیحت

پیارے تقی! کیا کیا لکھواؤں؟ ہمارے اکابر جنہوں نے دارالعلوم و مظاہر علوم کی بنیاد رکھی تھی ان کا اخلاص اور مکارم اخلاق اور محاسن افعال اور شریعت وطریقت کی جامعیت عجیب چیزیں تھیں۔ یہ حضرات ہر علم سے واقف، معقولات اور منقولات کے سمندروں کے شناور اور ساتھ ہی بے نفسی، تواضع اور فنائیت کے مجسمے تھے، سب کچھ ہوتے ہوئے اپنے نزدیک کچھ بھی نہ تھے۔ اہل سنت و جماعت کے مسلک سے یکسر ہٹنا ان کو گوارا نہ تھا۔ فقہ حنفی کے مضبوطی سے مقلد تھے اور عدمِ تقلید کو گمراہی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ تمام ائمہ حدیث وائمہ فقہ کا پورا پورا احترام کرتے تھے۔ ان کے دل وزبان ہمیشہ ذکر اللہ سے معمور رہتے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ دونوں مدرسوں میں دربان سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص صاحبِ نسبت ہوتا تھا، آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا

ہوں کہ وہ امتیازی شئون مٹ رہی ہیں جو اپنے اکابر کا طرۂ امتیاز تھیں۔ اکابر ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں اور اصاغر ان کی جگہ تو لے رہے ہیں لیکن علوم و اعمال اور اذکار میں ان کے قائم مقام نہیں بن رہے ہیں صرف رسمیہ الفاظ اور شاعرانہ قسم کے مضامین کی بہتات رہ گئی ہے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ کماً و کیفاً ختم ہو رہی ہے، کسی کی وفات پر ماہناموں کے نمبر نکلنا یہ بھی ایک فیشن سا ہو گیا ہے۔ نمبر نکال دینے سے مرنے والے کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ جانے والے نے جو شریعت اور طریقت کی خدمت انجام دی اس کو آگے بڑھانا اور اس مزاج کے آدمی پیدا کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

تم دونوں بھائیوں سے اور اپنے اکابر کی ہر اولاد سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے کو سدھاریں اور سنواریں اور اکابرِ دیوبند کے اخلاص، تقویٰ، انابت الی اللہ، خوف و خشیت، ذکر و فکر، علوم و اعمال ظاہری و باطنی، اصلاح کے طور و طریق جو ان کی تالیفات اور ملفوظات میں محفوظ ہیں، اس کو (اختیار کریں اور) ان کے مطابق آدمی ڈھالنے کی فکر کریں۔ ان حضرات کی صحیح یادگار یہی ہے۔ میں تو یہ دیکھ کر، سن کر حیران رہ جاتا ہوں کہ ہمارے اکابر کی اولاد اسکول اور کالجوں کی زینت ہے اور بیاہ شادیوں میں دین کو دیکھنے کی بجائے انگریزی پڑھا لکھا ہونا دیکھا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کی زندگی عداوت فرنگ میں گزر گئی آج ان ہی کی اولاد فرنگیوں کے طور طریق اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

فقط والسلام

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم

از مدینہ منورہ، ۹ر شعبان ۱۳۹۸ھ

(ناقل ڈاکٹر اسماعیل عفی عنہ)

(ماخوذ از البلاغ خصوصی اشاعت، کراچی)

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دانند
جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را

بگرامی خدمت حضرات مدرسین و ملازمین مدرسہ مظاہر علوم، بعد سلام مسنون یہ ناکارہ علیٰ شرف الرحیل ہے، گور میں پیر لٹکائے بیٹھا ہے، اسلئے چند نہایت ہی اہم اور ضروری امور اکابر کے ارشادات اور ان کے واقعات جو اس ناکارہ نے ساٹھ سالہ قیام مظاہر میں سنے اور دیکھے نقل کرتا ہوں، اسلئے کہ یہ ناکارہ رجب ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ میں آیا تھا اور اب ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ ہے، آپ حضرات سے اہتمام سے عرض کروں کہ مظاہر کی چند اہم اور خصوصی روایات رہی ہیں جن پر میں نے اپنے اکابر کو بہت ہی اہتمام اور پابندی کرتے دیکھا ہے، بعد میں ان چیزوں کو سُنانے والا بھی آپ حضرات کو نہ ملے گا۔

۱:- میں نے اپنے جُملہ اکابر کو مدرسہ کے مالیات اور معاملات میں ہمیشہ نہایت ہی محتاط اور خائف پایا ہے، حضرت اقدس قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب کا یہ مقولہ مشہور اور بارہا کا سُنا ہوا ہے کہ میں مدرسوں کے معاملات سے جتنا ڈرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا، اسلئے کہ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ خیانت یا کوتاہی کرے تو ملازمت سے علیحدہ ہوتے وقت یا مرتے وقت اس سے معاف کرالے اور صاحب حق اگر معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے، مدرسہ کا مال جو مزدوروں کے دو دو پیسوں کا چندہ ہوتا ہے اسکے معاف کرانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم لوگ سرپرستان مدرسہ محض امین

ہیں۔ ہمیں دوسروں کے مال میں معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اگر ہم کسی کی خیانت، بددیانتی، حق تلفی پر مدرسہ کے مصالح کی وجہ سے تسامح یا درگذر کریں تو اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ ہم سے باز پُرس نہ ہوگی، لیکن اگر اپنے تعلقات کی وجہ سے چشم پوشی کریں تو مجرم کے ساتھ ہم بھی شریک جرم ہیں لیکن مجرم سے تو کسی طرح معاف نہیں ہو سکتا اور نہ ہم کر سکتے ہیں۔

۲:۔ حضرت اقدس بانیِ مدرسہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا معمول میرے شباب میں تو بہت مشہور تھا، آپ میں سے بعض کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ جب اسباق کے اوقات میں کوئی شخص مولانا کا ذاتی تعلق والا آجاتا تھا تو سلام کلام کے درمیان جتنے منٹ خرچ ہوتے حضرت نور اللہ مرقدہٗ اسکو فوراً ایک پرچہ پر نوٹ کر کے اپنی کتاب کے اندر رکھ لیتے اور تمام ماہ اسی طرح نوٹ فرماتے اور آخر ماہ میں سب کو جمع فرما کر اگر دو گھنٹے ہو جاتے تو آدھے وقت کی رخصت مدرسہ کے اندر درج کراتے اور اگر اس سے زیادہ ہوتے تو ایک ڈیڑھ دن کی رخصت مدرسہ کے اندر لکھواتے تھے اب حضرات مدرسین اسباق کے شروع میں اور ختم میں تسامح اور تساہل بہت کرتے ہیں، بسا اوقات سبق دیر میں شروع ہوتا ہے اور بسا اوقات جلدی بلا ضرورتِ مدرسہ سبق ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ ناکارہ اکثر ایسے مدرسین کو جن کو مجھ سے خصوصی تعلق ہے اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، نرمی اور سختی سے بار بار تنبیہ کر چکا ہوں اس سلسلہ میں مفتی محمد یحییٰ صاحب سلمہٗ کی ضرور تعریف کروں گا کہ باوجود اکابر اصاغر اور طلبہ سے تحقیق کے میں نے ان کے متعلق یہ شکایت کبھی نہیں سُنی، ان کے علاوہ اکثر حضرات مدرسین کی اور ان سے زیادہ اہلِ دفتر کی اس نوع کی شکایات کثرت سے

سُنتا رہتا ہوں، دفتر میں منشی محمد حنیف صاحب کو اس جزء سے ضرور مستثنیٰ کروں گا
یہ ناکارہ اس تحریر کے ذریعہ سے اس چیز کی رضاء سے اپنی براءۃ کا اظہار کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے کہ میں نے اپنے اکابر و اصاغر اور احباب کو متنبہ اور
نکیر کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، آئندہ کو آپ حضرات سے باصرار درخواست ہے
کہ مدرسہ کا مال مالِ وقف ہے اور حقوق العباد ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے حقوق میں
نہایت غفور اور رحیم ہے مگر حقوق العباد میں وہ بھی نہایت عادل ہے، اسلئے بہت
اہتمام سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں عدالت خود مدعی ہے، آپ حضرات
یہ سوچ کر کہ ہم کو کوئی ٹوک نہیں سکتا، اپنی بربادی کے اسباب پیدا نہ فرمادیں ہم لوگوں کی
اکثر و بیشتر پریشانیاں مدرسہ کے حقوق میں کوتاہی سے پیش آتی رہتی ہیں، جس کو
یہ ناکارہ بہت غور سے دیکھ کر قلق کرتا رہتا ہے۔ مجھے بارہا یہ دیکھنا پڑا کہ جس نے
فرضی بیماری کی چھٹی لی وہ ضرور بیمار ہو کر رہا اور بیماری کی چھٹی سے جتنے پیسے بچائے
تھے اس سے زیادہ دواؤں کے اندر خرچ ہو گئے، اگر ساٹھ سالہ واقعات کا احصار
کروں تو سَو سے بھی زائد ہو جاویں گے، آپ سب حضرات سے مخلصانہ درخواست
ہے کہ للہ اسپر توجہ فرمادیں آپ کیلئے بہت مفید ہے۔

۳: ۔حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے دیکھنے والے
اب بھی متعدد حضرات موجود ہیں وہ مدرسہ کا کتنا کام افتاء، عدالت، اوقاف، تحصیلِ
چندہ کا کرتے تھے اور جب سے آتے تھے، عصر کے بعد تک دوپہر کو بھی مدرسہ کے اندر
کام کرتے تھے اور یہیں کھانا منگاتے تھے، لیکن حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے ان کی ترقی
اس تحریر کے ساتھ رکوادی تھی کہ مدرسہ کے اندر شروع میں دیر میں تشریف لاتے تھے

اس ناکارہ نے بہت ہی سفارش کی کہ وہ مدرسہ کا بہت اور کثیر کام کرتے ہیں، لیکن حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مدرسہ میں دیر میں تشریف لاتے ہیں۔

۴:۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ جو بانیانِ مدرسہ میں ہیں مدرسہ کے ملازم نہیں تھے۔ مدرسہ قدیم کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک مرتبہ مدرسہ کے چندہ کیلئے کلکتہ تشریف لے گئے، ان کا سفر خرچ کا حساب مدرسہ کے قدیم رجسٹر میں بندہ نے خود پڑھا ہے اسمیں ایک جگہ تحریر فرمایا تھا کہ کلکتہ سے فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے کی غرض سے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ بھی کافی ہو گیا مگر وہاں کا جانا میرا چندہ کی نیت سے نہیں تھا، اسلئے وہاں تک کی آمد و رفت کا اتنا خرچ مدرسہ کے حساب سے وضع کر لیا جائے۔

۵:۔ حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے ایک سال قیام حجاز کے بعد جب آخر ۱۳۴۴ھ میں مدرسہ تشریف لائے ہیں تو تنخواہ لینی چھوڑ دی تھی، اور سرپرستان کو یہ تحریر لکھی تھی کہ میں اپنے ضعف اور پیری کی وجہ سے مدرسہ کا پورا کام انجام نہیں دے سکتا، اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ میری نیابت کے اندر کام کرتے تھے، اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے اب ان کے انتقال کی وجہ سے چونکہ میں مدرسہ کا پورا کام انجام نہیں دے سکتا ہوں اسلئے حضرات سرپرستان سے تنخواہ کی معافی کی درخواست کرتا ہوں جس پر حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے باصرار تحریر فرمایا کہ آپ کے قیام کی مدرسہ کے نظام کیلئے سخت ضرورت ہے، آپ ایک بھی سبق نہ پڑھائیں تو بحیثیت ناظم مدرسہ تنخواہ قبول فرمادیں، آپ کے مدرسہ میں وجود سے مدرسہ کے سب انتظامات ہم لوگوں کے

قابو میں ہیں، یہ طویل تحریرات احکام سرپرستان کے رجسٹر میں آج بھی درج ہیں
اس پر ناظم مدرسہ کا عہدہ تجویز ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تنخواہ قبول فرمائی تھی
اور اسی اصول کے تحت میں یہ ناکارہ مولانا اسعد اللہ صاحب کی تنخواہ کو جائز سمجھتا
ہے۔ کسی دوسرے کو ان پر قیاس کر کے اپنے فرض منصبی کے اندر تساہل کر کے
تنخواہ لینی جائز نہیں ہے۔

۶:- حضرت اقدس سہارنپوری کا یہ واقعہ میرے علم میں نہیں مگر دو واسطوں
سے میں نے سُنا ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک عزیز سے ملاقات کے لئے
مدرسہ کے قالین سے اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ کر بات کی اور جب اس عزیز نے اس پر
اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ قالین مدرسے
سبق پڑھانے کیلئے دیا ہے ذاتی استعمال کیلئے نہیں دیا، البتہ یہ میرا ذاتی اپنا
مشاہدہ ہے کہ مدرسہ قدیم میں حضرت کی ذاتی چارپائی دو تین رہتی تھیں، حضرت کے
نشست کی جگہ جو قالین تھا وہ بھی ذاتی تھا، مدرسہ کے جلسے کے زمانے میں مہمانوں
کے ساتھ حضرت کھانا نوش فرماتے اور حضرت کے گھر سے دس بارہ اشخاص کا کھانا آتا
جسمیں سے خصوصی مہمانوں کیلئے بطور تواضع کے کچھ رکھا جاتا، مدرسہ کے کھانے یا
چائے میں سے میں نے حضرت قدس سرہٗ کو کھاتے نہیں دیکھا، اسکے اندر حضرت ہی
کی کوئی خصوصیت نہیں تھی بلکہ مولانا عنایت الٰہی صاحب اور مولانا عبد اللطیف صاحب
اور دیگر جملہ اکابر مدرسین جو جلسہ کے زمانے میں ہمہ تن مدرسہ کے کام میں مشغول
رہتے تھے، مدرسہ کے کھانے اور چائے سے اسقدر احتراز کرتے تھے جیسے ناپاک
شئے سے، پان کھانے والے حضرات کی ڈبیہ اپنے گھر سے بن کر آتی تھی، مولانا

ظہور الحق صاحب مرحوم منتظم مطبخ ہمیشہ رہتے تھے لیکن نمک کھانے کا خود نہیں چکھتے تھے طالب علم سے چکھواتے تھے اور اپنا کھانا گھر سے کھاتے تھے اب جب بعض منتظمین کے متعلق میں سُنتا ہوں کہ وہ اپنے کو مستحقین سے بھی زیادہ مستحق سمجھتے ہیں تو بے انتہا قلق اور رنج ہوتا ہے اور سوچتا ہوں کہ۔

ع " ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا "

اس سب کے باوجود حضرت قدس سرہٗ ۱۳۴۴ھ میں حج کو جاتے وقت اپنی ساری کتب یہ کہہ کر مدرسہ میں داخل فرما گئے تھے کہ مدرسہ کے حقوق نہ معلوم کتنے ذمہ ہیں میرے دوستو دینے والا صرف مالک ہے اس کی خاطر جتنی احتیاط کرو گے وہ اس کا بدلہ بہت زیادہ دے گا۔

۷:۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے دَور میں مدرسہ کا مطبخ نہیں تھا جب گھر والے یہاں نہیں ہوتے تھے اور مدرسہ کے قرب وجوار میں کسی طباخ کی دوکان بھی نہ تھی تو فرخ کی مسجد کے قریب اسمٰعیل نامی ایک طباخ تھا اسکے یہاں سے کھانا آتا تھا جو سردی میں بالخصوص شام کو یہاں آتے آتے جم جاتا تھا مغرب کے بعد مدرسہ کے حمام کے اندر نہیں بلکہ حمام سے باہر وہ برتن رکھدیا جاتا تھا جس کے اندر سالن ہوتا تھا اور اس کی شعاع سے وہ گرم ہو جاتا تھا محض اس وجہ سے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے وہ دو تین روپے یا اس کی بقدر کتابیں چندہ میں یہ کہہ کر دیا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے میں نے انتفاع کیا ہے۔

۸:۔ اس ناکارہ نے غالباً ۱۳۴۸ھ میں (مدرسہ کے کاغذات میں میری مفصّل تحریر موجود ہے) حضرات سرپرستان کی خدمات میں مولانا عنایت الٰہی صاحب علیہ الرحمہ

کی جانفشانی، قدامت، مدرسہ کی خدمات کی تفصیل کے ساتھ یہ تجویز پیش کی تھی کہ مدرسہ سے انکی پنشن منظور ہو جائے، حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے ان کی ذات کے متعلق میری ساری تحریرات کی تصویب فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا کہ مدرسہ کے موجودہ خزانہ سے جائز نہیں ہے، آپ اس مد کا ایک مستقل اعلان اخبارات اور روئداد مدرسہ کے اندر کریں، اور اس مد کے اندر جو روپیہ آئے اسکو علیحدہ رکھ کر پنشن میں خرچ کریں اور دس بارہ برس بعد مدرسہ کے متعلق اخراجات میں اس مد کا ہونا عام لوگوں کو معلوم ہو جائے تو اس وقت مدرسہ کے عام چندہ اور خزانے سے دینی جائز ہے، البتہ حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق بہت زور سے یہ تحریر فرمایا تھا کہ جتنی تنخواہ تو مناسب سمجھے خصوصی دوستوں سے خصوصی ماہانہ مقرر کرالے، اور پانچ روپیہ ماہوار اپنی ذات سے میں بھی دیا کروں گا، حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے تو بہت سے واقعات اس ناکارہ کے علم میں کثرت سے ہیں۔

گفتگو آئینِ درویشی نہ بود ۔۔۔ ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم

اس مختصر تحریر کے بعد پھر مخلصانہ اور باصرار درخواست کرتا ہوں کہ اگر دوستو اپنی صلاح اور فلاح چاہیے، ہو تو مدرسہ کے مال کو جن میں مدرسہ کے اوقات جنکی تنخواہ لی جاتی ہے سب سے زیادہ داخل ہیں لقطۃ المسلم حرقۃ النار او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم کے مراقبہ کے ساتھ دیکھا کریں، تجربہ بھی کرلیں کہ جو شخص مدرسہ کے مال میں جن میں اوقاتِ مدرسہ بھی داخل ہیں جتنا بھی زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی خوشحال اور بے فکر رہے گا، اس ناکارہ کی تحریر کو مدرسین و ملازمین کے علاوہ حکیم ایوب صاحب بھی ملاحظہ فرمادیں۔ فقط والسلام، زکریا عفی عنہ ۲۸ ربیع الاول ۹۰ھ

حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے یہ تحریر ۲۸ ربیع الاول میں لکھوائی اور ۲۹ ربیع الاول میں حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم کے توسط سے اساتذہ و ملازمین کو پہنچائی گئی، حضرت ناظم صاحب نے اس تحریر کو پڑھ کر اپنے یہ تاثرات تحریر فرمائے تھے۔ للہ درک من ناصح محسن وواعظ مخلص

؎ حماك الله عن شر النوائب　　　جزاك الله فى الدارين خيرا

ولنعم ما قيل فى الفارسية۔ ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　　مرا با جان جاں ہمراز کردی

انشاء اللہ ہم سب لوگ ان مخلصانہ ہدایات زریں پر اور بزرگانہ نصائح پر پوری کوشش عمل پیرا ہونے کی کرینگے، حُسن توفیق کی دُعا فرماویں، فقط محمد اسعد اللہ

اس تحریر کے مخاطب اگرچہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات ہیں لیکن الدین النصیحہ کے پیش نظر اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اسکے مخاطب وہ ہزاروں مدارس و جامعات ہیں جو اپنی اپنی جگہوں پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں"۔

از معارف شیخ

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں مومنوں کے اور انکے جو علم دیئے گئے ہیں بہت درجے (قرآن مجید)

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (حدیث شریف)

اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ دیدیتے ہیں

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
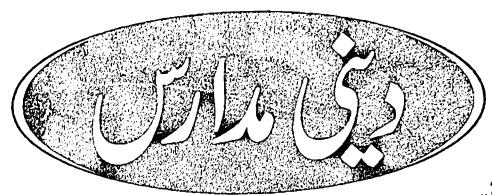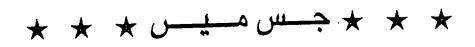
جس میں دینی مدارس کی شدید ضرورت، اہمیت اور اُنکے تینس اغراض و مقاصد، دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے ہر جزو کی خوبی، دینی مدارس پر اہل یونیورسٹی علی گڑھ اور اربابِ ندوۃ العلماء کے بیس اعتراضات کی حقیقت اور دینی مدارس سے متعلق مفید اصلاحات پیش کی گئی ہیں۔ عام لوگوں میں شعوری و غیر شعوری طریقہ سے ان کے فوائد و ثمرات بلکہ پوری دنیا میں دینی مدارس کے اثرات و برکات کو ثابت اور ظاہر کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداً ومصلّیاً

جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو عام طور سے سبھی طبیعتیں اس سے متاثر ہو جاتی ہیں بلکہ جو لوگ تندرست سمجھے جاتے ہیں کچھ نہ کچھ وہ بھی متاثر ہوتے ہیں خواہ انکو اس کا احساس بھی نہ ہو ہاں بعض بہت زیادہ بعض بہت ہی کم کالعدم اور بعض کافی۔ انگریزوں کے تسلط اور اسکولوں، کالجوں کے لامذہبی نصابات اور بے دینی کے ماحول سے جو یورپ زدگی کی وبائے عام پھیلی ہے اس سے بھی بہت کثرت سے تو لوگ کافی متاثر ہوئے ہیں مگر بعض کم اور بعض بہت ہی کم۔

تاثر وعدمِ تاثر کا معیار، وبا سے پہلے کے تندرستوں کی صحت ہے جو اس کے قریب قریب ہوگا اسکو یہ سمجھا جائیگا کہ یہ کم متاثر ہے، اور جو جتنا دور ہوگا اسی قدر اثر لئے ہوئے ہوگا، یہی معیار اس وبا کے زمانہ کے تندرستوں کی صحت کا سمجھا جائے کہ پہلے کے مسلمانوں سے موازنہ کیا جائے جو جتنا قریب ہے کم متاثر ہے جو دور ہے زیادہ متاثر ہے۔

یورپ نے اسلام کو نیست ونابود کرنے کی جو چال کھیلی ہے لاشعوری طور پر آج بہت سے مسلمان اس کا شکار ہو چکے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ اور بجائے اس کی حقیقت پر غور کرنے کے خود اس کے ہمنوا بننے لگے حتیٰ کہ جو کام وہ کرنا چاہتے تھے مگر کر نہ سکتے تھے اب خود مسلمان وہ کرنے لگے۔

بات یوں ہے کہ مسلمانوں کیلئے حضور ﷺ کی پیشینگوئی ہے لَنْ يُّغْلَبَ اثْنَاعَشَرَ اَلْفاً عَنْ قِلَّةٍ (بارہ ہزار مسلمان کبھی کم تعدادی کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے) مگر مسلمان ہونا شرط ہے جس قدر اسلامیت پختہ ہوگی اسی قدر کامیابیاں میسر ہونگی اِس راز کو مسلمانوں نے تو نظر انداز کر رکھا ہے مگر یہ ایک واقعی اور ہمیشہ کے تجربہ کی بات تھی۔ کافروں نے اسکو تاڑ لیا کہ جب تک یہ سچے پکے مسلمان ہیں مغلوب نہ ہونگے، عیسائی قومیں اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے اس فکر میں ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام سے الگ

کر دیں تو مغلوب کر سکیں، قرآن مجید کے نسخے جلانے، کتب خانے تلف کرنے اور علماء کو تہ تیغ کرنے سے بھی یہ بات حاصل نہ ہوئی تو اسکول، کالج کی تعلیم پھر دنیوی ہر ترقی کو اس میں محصور کرنے اور طرح طرح کے شکوک وشبہات بچوں کے خالی دماغوں میں ڈالنے سے یہ کام لیا گیا اور دینی مدارس جنکی بدولت آج دین کی باتیں مسلمانوں کے کانوں میں پہونچ سکتی ہیں ان کو تدبیروں سے ختم کرنے اور ان سے متنفر کرنے کی صورتیں پیدا کیں۔ کالجی تعلیمات سے متاثر ہونے والے مسلمانوں نے ہی دینی مدارس پر وہ اعتراض کرنے شروع کردیئے جن سے عام مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے نصاب کی ترمیم پر بہت زور ہے اور اندر کچھ اور راز ہے جس کو وہ غالبًا خود بھی نہیں سمجھے ورنہ مسلمانوں سے یہ بات بعید تھی کہ وہ اس راز کو سمجھ کر ایسا کرتے اس لئے ان اعتراضات کی حقیقت ظاہر کردینی مناسب معلوم ہوئی۔

مدارسِ دینیہ کی اصلاح کی جو ضرورت آج اس قدر اہم کر کے بیان کی جارہی ہے وہ انہی اعتراضات میں سے ہے جو کوتاہ نظر مسموم وبائے یورپ ہمیشہ سے کرتے آرہے ہیں۔ یعنی......

(۱) عربی مدارس میں تاریخ نہیں (۲) جغرافیہ نہیں (۳) سائنس وفلسفۂ جدید نہیں (۴) حساب نہیں (۵) ڈرائنگ نہیں (۶) ورزش یا کھیل اور صفائی نہیں (۷) عربی میں گفتگو وتقریر وتحریر کی قدرت نہیں (۸) انگریزی نہیں (۹) صنعت وحرفت نہیں (۱۰) صرف ونحو وغیرہ قواعد سے ذہن کی تخریب وتشویش ہے (۱۱) منطق وفلسفۂ قدیم میں اضاعتِ وقت ہے، قویٰ دماغیہ پر ناقابلِ تحمل بار ہے (۱۲) تبلیغِ مواعظ وتصانیفِ مناظرہ وغیرہ دینی کاموں میں بھی کماحقہٗ کام نہیں کرتے (۱۳) سیاست جو مذہب سے الگ نہیں اس میں بھی کوئی واقفیت نہیں رکھتے (۱۴) فن اسماء رجال ہونا چاہیئے (۱۵) تعلیم بطریقِ گفتگو یا املا ہونا چاہیئے (۱۶) ادب وانشا نہیں سکھلاتے (۱۷) ندوہ وغیرہ کی تقلید کرنی چاہیئے (۱۸) صرف ونحو کی تعلیم بجائے فارسی کے اردو میں ہونی

چاہئے تاکہ دماغ پر دوبار نہ ہوں (۱۹) مطول ومختصر کی جگہ دلائل الاعجاز ہونی چاہئے (۲۰) مسلمان بھوکی قوم میں ہر سال سینکڑوں بھیک منگے اور بیکار افراد کا اضافہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ...... یہ چند اعتراضات ہیں جو ہر یورپ زدہ اور انکے فریب میں آجانیوالے بہت سے سادہ لوح صاحبوں کو پیش آتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ان اعتراضات کی حقیقت واضح کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدرسوں کا نصب العین، ان کے فوائد واغراض معیار اور مشکلات وضروریات پیش کردی جائیں تاکہ پھر آپ صحیح غور کرسکیں۔ اس لئے آپ کو تمام اثرات سے خالی ہوکر نہایت سکونِ قلب کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہئے کہ مدارسِ دینیہ کا نصب العین، مقصدِ صحیح اور اغراض وفوائد کیا کیا ہیں اس کے بعد آپ بہت سہولت سے اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے کہ کیا کیا چیز ان مقاصد کیلئے ضروری تھی اور وہ مدارس میں نہیں ہے اس لئے قابلِ اصلاح ہیں نظام بھی اور نصاب بھی، اور کیا کیا غیر ضروری ہے اور پھر غیر ضروری امور میں سے کیا کیا اصل مقاصد کیلئے مفید ہیں اور کیا کیا مضر، تاکہ مفید کے اضافہ کا تقاضا کیا جائے اور مضر سے بچنے کا مشورہ دیا جائے گو ساری دنیا اس کو ضروری ہی کہتی رہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ نصاب یا نظام کوئی وحیِ آسمانی ہے کہ جس میں تغیر وتبدل نہ ہوسکے مگر مشورہ وہ عقلمندی کا ہوسکتا ہے جو اصل معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے بعد ہو اور اس کے تمام اغراض ومقاصد سے انطباق رکھتا ہو ورنہ پھر کسی راز کی غمازی کردیگا۔ امید ہے کہ اس طرح کی غور وفکر کے بعد آپ معلوم کرلینگے کہ ایسی تجویزیں مدارس کی اصلاح کیلئے ہیں یا اِفساد کیلئے، بلکہ مسلمانوں کی دینی صلاح وفلاح کیلئے ہیں یا تمام مسلمانوں کی دینی تباہی وگمراہی کیلئے؟

میں ذاتیات سے بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں مگر یہ ضرور عرض کرونگا کہ کامل غور وفکر سے کام نہیں لیا گیا اسکی وجہ زمانہ کی مسموم ہوا، یورپی عام وبا کا اثر ہے

جس سے معذوری کا درجہ حاصل ہو رہا ہوگا یا کم از کم بے توجہی کا۔

## مدارس کا نام

عام طور سے ان مدرسوں کو صرف عربی مدرسہ یا فارسی مدرسہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے میرے نزدیک اوّلین غلط فہمی اسی لقب سے ہوتی ہے، اسی سے بہت سے اعتراضات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ دراصل یہ مدارس ''دینی مدارس'' ہیں ان میں دین سکھایا جاتا ہے اور وہ علوم وفنون جو دین کیلئے ضروری یا مفید ہیں۔ چونکہ وہ علوم عربی سے وابستہ ہیں اس لئے عربیہ بھی کہدیا جاتا ہے حالانکہ اصل میں دینی ہیں اور تابع ہو کر عربی مدرسے کہلاتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ دینی مدرسے ہیں اور خالص دینی۔ دین حاصل کرنے کرانے میں جتنی ضرورت عربی، فارسی، حساب اور اُقلیدس وغیرہ کی دین کے کاموں کیلئے ہوگی اسی قدر یہ علوم وفنون درکار ہونگے مگر فن کی حیثیت سے نہیں دین کیلئے مفید یا ضروری ہونے کی حیثیت سے اور اسی قدر کہ جس قدر کی ضرورت ہوگی کیونکہ زیادہ میں اصل مقصد کا وقت کم رہ جائیگا اور اس سے اصل مقصد کو ضرر پہنچے گا۔

## اقسامِ مدراس ومقاصدِ مدارس

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ علم کیا چیز ہے کیونکہ ہر شخص اور ہر جماعت اپنے علم کو ضروری، کارآمد اور بہت افضل کہتی ہے۔ علم کے معنی جاننا ہے لیکن ہر شئے کا جاننا گو لغت میں علم کہلائے عرف میں علم نہیں ہے۔ جس کے جاننے سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ علم ہے یعنی مفید علم، علم ہے ورنہ لغو وعبث یا جرم۔ چنانچہ چوری، ڈاکہ، دغابازی، دھوکہ دہی، ظلم وزیادتی جیسی حرام باتوں کو کوئی صاحبِ عقل علم نہیں کہہ سکتا بلکہ ایسی باتوں کا سیکھنا سکھانا ہر صاحبِ عقل کے نزدیک جرم ہے اہلِ عقل تو صرف مفید کے جاننے کو ہی علم کہہ سکتے ہیں۔ پھر مفید بھی دو طرح کا ہے ضروری یا غیر ضروری،

ضروری علوم کو غیر ضروری سے ہر شخص جانتا ہے کہ ترجیح حاصل ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ علوم بے حد ہیں اور تھوڑی سی عمر تھوڑا اسا ذہن و حافظہ، تمام علوم کو تو کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا صرف بعض کو ہی حاصل کریگا۔ اب وہ بعض اگر غیر ضروری رہے اور ضروری علوم ترک کر دیئے گئے تو اس سے زیادہ احمق کون ہوگا پھر ضروری علم میں بھی دو درجے ہیں حیاتِ عارضی کیلئے ضروری یا حیاتِ دائمی کیلئے ضروری اول دنیوی دوم دینی اب عارضی ضرورت کو دائمی ضرورت پر ترجیح دینے والا بھی آپ سمجھ لیجئے کیسا ہوتا ہے لیکن ضروری دائمی کے ساتھ عارضی ضروری بھی جمع ہو سکتا ہے اگر اس عارضی سے دائمی میں قطعاً خلل نہ واقع ہو ورنہ پھر اس کا جمع کرنا بھی عقل کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا دنیوی علوم میں ایسی مشغولی کہ دین کے ضروری علوم و اعمال سے ناواقفی رہے بے عقلی ہے جو نہایت مضر اور تمام قوم کو تباہ کرنے والی بات ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ اسکول و کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں وہ موقوف کر دیئے جائیں اگر معاشی زندگی میں اُن کی ضرورت ہے تو ان کا پڑھانا درست تو ہے مگر اس طریقے سے کہ پڑھنے والے سچے پکے مسلمان رہ سکیں جس کیلئے پہلے ان علوم و فنون کو مسلمان بنایا جائے ان کی لامذہبیّت کی باتیں اور مضرِ دین واخلاق مضامین کو حذف کرایا جائے جیسے اسلاف نے منطق و فلسفہ کو مسلمان کیا تھا پھر دین کے ذوق و شوق اور درستی اخلاق کے مضامین کا اضافہ کیا جائے، عملہ اور خصوصاً اساتذہ دیندار رکھے جائیں، انکی اسلامیّت اور عملی و اقتصادی زندگی کو اجاگر کیا جائے تاکہ پڑھنے پڑھانے والے سبھی پکے مسلمان ہوں، احکامِ اسلام کی کتابیں داخلِ نصاب ہوں مگر ضروری اور مدار بنکر ہوں اُس وقت اُن (دنیوی علوم) کا حاصل کرنا روحانیت اور اسلامیت کو تباہ کرنے کے مرادف نہ ہوگا۔ ورنہ جو حشر آج ہو رہا ہے وہ کسی ہوشمند سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ موجودہ روش اولاد کے ساتھ خیانت ہے، خدائی جرم ہے اور قومی تباہی کا کام ہے۔ کاش محکمہ تعلیم یا اس تک دسترس رکھنے والے اِن باتوں پر غور کرلیں کہ اب تو اپنا ملک اور اپنا نظام ہے انگریزوں نے اسلام سے دور کرنا چاہا تھا ہم ہر ایک کو مسلمان اور پکا مسلمان بنادیں۔

دائمی ضروری علوم وہ دینی علوم ہیں جو نجات کا ذریعہ بنتے ہیں پھر اُن علوم کی بھی دو قسمیں ہیں فرضِ عین و فرضِ کفایہ یعنی بعض وہ علوم ہیں جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور وہ وہ ہیں جو عذاب سے نجات دینے کا ذریعہ ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ ہر قبیلہ سے بعض بھی اگر حاصل کرلیں تو انکے گروہ سے فرض ادا ہو جائے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلیٰ كُلِّ مُسْلِمٍ (علمِ دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) میں نوعِ اول کی فرضیت کا بیان ہے اور آیت فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الآیۃ (تو کیوں نہیں چلی ہر فرقہ و برادری سے ایک جماعت کہ دین کی پوری سمجھ حاصل کرتے اور جب واپس ہوتے تو اپنی برادری کو پہونچاتے) میں نوعِ دوم کی فرضیت علی الکفایہ ہے جس کی قدرے تفصیل آئندہ سطور میں پیش ہوگی انشاء اللہ۔

اس کے بعد یہ امر بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ علم خود مقصود نہیں ہے علم صرف اس لئے پسندیدہ ہے کہ وہ کسی اچھے عمل کا ذریعہ ہے، اچھے عمل کا ذریعہ نہ ہو برے عمل کا ہو یا ذریعہ ہی نہ ہو تو وہ پسندیدہ نہیں خود معیوب یا حرام ہے پھر ذریعۂ عمل ہونے کے بعد بھی اگر عمل نہ ہو تو علم بیکار اور اضاعتِ عمر ہے اگر آپ کو تجارت، زراعت کے علوم اور بہت کچھ صنعت و حرفت کے علوم حاصل ہیں لیکن خرید و فروخت کاشت و صنعت کا کوئی عمل نہیں تو علم بیکار رہا، اگر دوسرے کو ہدایات دیدی گئیں تو بھی کچھ نفع ہوا کہ یہ بھی ایک عمل تھا ورنہ اضاعتِ وقت رہا۔

اسی طرح علومِ دین میں بھی عمل مقصود ہے جو عقائد میں ربط القلب یعنی دل کو اس پر جمالینا ہے۔ عقیدوں کا صرف جان لینا بھی کافی نہیں ہے چنانچہ قرآن شریف میں یہودیوں کیلئے ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ (وہ نبی ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) مگر دل کو اس پر نہ جمانے کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہو سکے لہٰذا عقیدہ کا صرف جاننا مفید نہیں دل جمانا معتبر ہے جو دل کا عمل ہے۔ اور عبادات

ومعاملات میں اعضاء کا کام کرنا یہ خود مسائل کی حفاظت کا عمل ہے۔ سورہ وَالْعَصْرِ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیشک ہر انسان بہت خسارہ میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک نے دوسرے کو حق (صحیح عقائد) کی وصیت کی اور (عبادات کے کرنے اور گناہوں سے رکنے پر) صبر کی وصیت کی وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اس خسارۂ عظیم سے نجات کے تین عمل ہیں:

(۱) ایمان جو عملِ قلب ہے۔

(۲) اعمالِ صالحہ جو عملِ اعضاء ہے مگر لازمی کہ جسکا فائدہ اُسی تک ہے

(۳) تواصی بالحق وتواصی بالصبر عقیدہ وعمل کی نصیحت جو عملِ اعضاء ہے مگر متعدی کہ دوسروں کو عقائد واعمال کی دلسوزی سے تبلیغ، معلوم ہوا کہ ذریعۂ نجات اعمال ہیں علوم نہیں (اسی بناپر) کہیں عَلِمُوا الصّٰلِحٰتِ نہیں آیا یعنی نیک کاموں کا جاننا ذریعۂ نجات نہیں۔

لیکن ہر عمل خود اس کے اجزاء وشرائط وذرائع وغیرہ کے جاننے پر موقوف ہے اس لئے بحکم مقدمۃُ الواجبِ واجبٌ ان اعمالِ لازمہ واعمالِ متعدیہ کے علوم بھی فرض ہوئے کیونکہ انسان کے خسارہ سے بچنے کیلئے تین کام فرض ہیں۔

(۱) ایمان۔

(۲) نیک عمل۔ تو ان دونوں کا علم، صورتِ ادائیگی اور مسائل جن کے بغیر یہ نہیں ہوسکتے، فرض ہوئے یہی قسمِ اول علمِ دین کی فرضِ عین ہے۔

(۳) دوسروں کو عقائدِ اعمال کی تبلیغ بھی فرض ہے تو اسکا علم صورتِ ادائیگیِ مسائل وذرائع بھی فرض ہوئے جن کے بغیر یہ نہیں ہوسکتا، یہ علمِ دین کی قسمِ دوم ہے لہٰذا اعمالِ متعدیہ اور اُنکے علوم بھی فرضِ عین ہونے چاہئیں۔ یہ محض فضل ہے کہ انکو فرضِ کفایہ

قرار دیا ہے جو انشاء اللہ آگے عرض ہوگا ورنہ محض علم کہ علم بے عمل زہر ست بے نوش شیطان کو بھی حاصل ہے لہٰذا علوم محضہ جہاں عمل کا نام نہ ہو یا غلط عمل ہو شیطانی طریق ہے ایمانی وعرفانی طریق نہیں۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی

اب علوم دین کے مدرسے دو قسم کے ہونے چاہئیں۔

## مدارسِ قسمِ اوّل

اول وہ مدرسے جو ہر ہر مسلمان کو اس کے اعمالِ لازمہ کا علمِ دین، عقائد حقہ، عبادات، معاملات، معاشرات واخلاق وغیرہ کے وہ تمام علوم واحکام سکھائیں جو ہر ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہیں ان کے لئے تخصیص کسی زبان کی نہیں اپنی اپنی زبانوں میں سیکھ لینا کافی ہے بلکہ جاننے والوں سے خوب پوچھ پوچھ کر معلوم کر لینا بھی بعض دفعہ کافی ہو جاتا ہے۔

## مدارسِ قسمِ اول کی اہمیت

ہمارے ملک میں ابتک ایسے مدارس نہیں ہیں۔ تعلیمی کانفرنسوں کا فرض تھا کہ ایسے مدارس قائم کراتیں جن میں ہر ہر مسلمان کو فرضِ عین علم اس کی اپنی زبان میں حاصل ہوتا اور اس میں عمل کے اہتمام کے بھی انتظامات ہوتے جس سے وہ مسلمان جو فرضِ عین علم حاصل کر کے دوسرے دنیوی ضروری علوم یا ضروری مشاغل میں مصروف ہوتے اس علم وعمل سے مسلمان کامل ہوتے اور ہمیشہ مسلمان رہتے، کافروں کی عیاری کا شکار نہ بن سکتے اور اس اپنے فرض کے تارک ہونے کے گناہ سے بچتے۔ آج جو مسلمان دہریت ولا مذہبیت، بدعملی، بدکرداری، بداخلاقی، بدمعاملگی کا شکار ہو رہے ہیں اور اس کی نحوست سے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں بلکہ سزاؤں میں مبتلا ہو رہے ہیں

اس سے محفوظ رہتے۔

ہمارے یہاں ایسے مدرسوں کی بے انتہا ضرورت ہے۔آخر جیسے ہر آدمی اولاد، گھر والوں اور متعلقین کیلئے مکانات، جائداد، ملازمت یا کاروبار کے پورے انتظامات کرتا ہے اور خود ساری عمر مصیبت اٹھا اٹھا کر کرتا ہے ان سب کو سچا پکا مسلمان بنانے اور ان کو مسلمان رکھنے اور آخرت کے عذاب سے بچانے کے سامان فراہم کرنا بھی تو اپنا فریضہ قرار دینا ضروری ہے۔کیا یہ ضروری بات نہیں کہ اولاد اور متعلقین اس دوروزہ زندگی میں راحت اٹھائیں تو کل کو عذابات میں مبتلا نہ ہوں جو ہمیشہ کی زندگی ہے، کیا اولاد کا مستقبل سنوارنے والے صرف عارضی مستقبل کے انتظامات تو کریں اور دائمی سخت ضرورت کے مستقبل سے یوں غافل رہیں۔ذرا سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے۔اگر اِن مدارس کے انتظامات نہ کئے گئے تو گویا ہم اپنے ہاتھوں اولاد کو زندہ در گور بلکہ در دوزخ کررہے ہیں، اولاد خدائی امانت ہے اس کے متعلق سوال ہوگا جواب کی فکر بھی ضروری ہے۔

اگر اس غفلت سے اولاد نا خلف بنتی ہے تو قصور کس کا ہے؟

یہ مدرسے قسمِ دوم کے مدرسوں سے الگ ہونے چاہئیں، ہر محلّہ اور ہر مسجد کے تحت ہوں قوم سب کو مجبور کرے کہ دینی علوم حاصل کریں یہ کام ساری قومی کانفرنسوں اور رہنماؤں کا ہے۔بلا پوری کوشش کے یہ مدارس مشکل ہیں اور بغیر ایسے مدرسے بنے بچوں کا مسلمان رہنا، ماں باپ کے حقوق پہچاننا بھی دشوار ہے بلکہ صاحبِ حیثیت لوگوں کے لئے تو یہ کام نہایت ہی ضروری ہیں کہ جیسے وہ دنیوی تعلیم یا کاروبار کیلئے ٹیوشن سے تکمیل کراتے ہیں وہ کسی نیک صاحبِ علم کو معقول معاوضہ پر اتالیق مقرر کریں جو زمانہ کی مسموم فضاؤں سے اس کے دل ودماغ، ذہن وعقل کی حفاظت کریں اور سچا پکا مسلمان بنا سکیں۔معلوم نہیں لوگ ایسی سخت ضرورت سے کیوں پہلو تہی کرکے تربیت میں خائن بنتے ہیں۔

اب تک مسلمانوں نے والدین کی تعلیم کو اس کے لئے کافی سمجھا تھا اب چونکہ والدین خود بے بہرہ ہیں، خود اسکول کالج کے ماحول سے متأثر اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں بلکہ دوسرے عزیز بھی جو وقتاً فوقتاً بچے کو اسلامی تعلیم دے سکتے تھے ناواقف رہ گئے ہیں اب بچے بھی ان سے محروم ہو گئے کہ اب کوئی باتوں باتوں میں بھی اسلامی تعلیمات سکھانے والا نہ رہا۔ اس لئے ان مدرسوں کی ضرورت بہت شدید ہو گئی ہے۔ پھر چونکہ مقصود اعمال ہیں اور علوم اُن کا ذریعہ ہیں شریعت سے اعمال اور ان کے طریقے، ارکانِ وشرائط وکیفیات معلوم ہو کر ان پر عمل کرانے کا بھی اہتمام ہو لیکن عمل کی سہولت اور غالب جیسوں کی دشواری رفع کرنے کے لئے کہ۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد    پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ایسے مدرسوں کی بھی ضرورت ہے جو طریقتِ عمل سکھائیں، طبیعت کو اِدھر لائیں اور سہولت پیدا کریں جن کو خانقاہ کہا جاتا ہے وہ طریقت یعنی طریقۂ عمل پر شریعت کو سہل کر کے سکھائیں۔

لہٰذا ان مدارس کے دو شعبے ہیں اول کا وجود نہیں اور دوم میں اصل کام کے بجائے بہت جگہ تغویت ہے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے کہ جو ان کا کام تھا وہ اس کو انجام دیں۔ اگر فی الحال ایسے مدرسے قابلِ اعتماد میسّر نہیں آتے تو اتنا کام تو سہولت سے ہوسکتا ہے کہ گھر میں ایک وقت ۱۰۔۱۵ منٹ کا مقرر کر لیا جائے اور پوری پابندی سے حضرت (مولانا اشرف علی صاحب) تھانویؒ کا کوئی وعظ یا ملفوظ پڑھ پڑھ کر سنانے کا کام انکے متعلق ہو چند دن میں انشاء اللہ سارے گھر کی کایا پلٹ ہو جائیگی۔

یہ عجیب نسخہ ہے، بڑا آزمایا ہوا ہے چند ماہ کر کے دیکھ لیا جائے تو خود قدر معلوم ہو جائیگی پڑھنے والوں اور سننے والوں میں دین کا ذوق شوق اور سینکڑوں صحیح ترین مسائل ذہن نشین ہو جائینگے مگر پابندی کرانا آپ کا کام ہے۔

# مدارسِ قسمِ دوم

دوسری قسم کے وہ مدرسے ہونے چاہئیں جن میں عباداتِ متعدیہ یعنی دوسروں کو دیندار بنانے کا اہل بنانے والے علوم ہوں ان علوم کا حاصل کرنا ہر قبیلہ پر فرضِ کفایہ ہے یعنی ہر ہر شخص پر نہیں ایک گروہ پر (لازم) ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

(نہیں تھے مسلمان کہ (جہاد میں) چل پڑتے سب کے سب کیوں نہ چلی اُن کے ہر ہر فرقہ میں سے ایک ایک جماعت کہ وہ دین کی پوری پوری سمجھ حاصل کرتے اور اپنی قوم کو احکام پہنچاتے جب ان کی طرف لوٹتے تا کہ وہ برائی سے بچ سکتی)

تمام مسلمانوں کے غور کرنے کی بات ہے کہ کیسے رحیم وکریم لہجے میں فرمایا ہے کہ مسلمان ایسے نہ تھے کہ سب عام حکم نہ ہونے کے وقت نکل پڑتے پھر کیسی مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ہر فرقہ و برادری سے ایک ایک جماعت کیوں نہ چلی جو پورا دین سیکھتی پھر سکھاتی یعنی یہ تو بتانے کی ہی بات نہ تھی تم کو خود ایسا کرنا تھا۔

غرض حکم یہ ہے کہ ہر برادری میں سے ایسی جماعت نکلے اور ساری برادری کے ذکر سے معلوم ہوا کہ ساری برادری کا یہ کام ہے کہ وہ ایسی جماعت کے علم حاصل کرنے کے اور واپسی پر درس وتبلیغ کے مواقع فراہم کرے یہ کام سب کا ہے سب کے ذمہ ہے سب اس کے جوابدہ ہیں لہٰذا ہر ہر برادری کو ایسے مدرسے قائم کرنے یا دوسرے مدرسوں میں جماعت بھیج کر یہ علم دلانا فرض ہے غور کیجئے کہ ہم اس پر کیا عمل کر رہے ہیں اور کل کیا جواب دینگے؟

# مدارسِ قسمِ دوم کے کام

اِن مدرسوں کے یہ کام ہونگے:-

(۱) علومِ قسمِ اول فرضِ عین سکھانا کیونکہ وہ علوم قسمِ دوم والوں پر بھی فرض ہیں۔

(۲) اعمال کا اہتمامِ بلیغ رکھنا کہ یہ لوگ ہادی و پیشوا ہونگے اور اصل مقصود عمل ہی ہے۔

(۳) دین کی فقاہت یعنی ان تمام علوم اور اعمال میں مہارت جو دین کے پوری پوری طرح سمجھنے اور دل میں حق کے جمنے کیلئے ضروری یا مفید ہیں۔ان میں ردِ شبہات کے علوم اور تنویرِ قلب کے اعمال بھی آ گئے۔

(۴) انذار یعنی احکام پہونچانے کا اہل ہونے کے علوم وعمل اور وہ تمام علوم جن سے دوسروں کو دین پہونچایا جا سکے، اُن کو پوری طرح سمجھایا جاسکے، اُن کے شبہات دور کر کے تسلی کی جا سکے اور وہ اعمال جن کی وجہ سے وہ روحانی قوت پیدا ہو سکے جس سے ''از دل خیزد بر دل ریزد'' ہو سکے۔ ہر چیز انوارِ الٰہیہ سے منور ہو کے دوسرے تک پہنچے تا کہ ایک ایک لفظ دل میں گڑ گڑ جائے۔

# مدارسِ قسمِ دوم کے شعبے

یہ مدرسے تین شعبوں پر منقسم ہونے چاہئیں:

(۱) مدارسِ علمیہ جن میں مذکورہ مقصدِ اول و دوم و سوم حاصل ہوں اور پاکستان و ہندوستان کے دینی مدارس اسی کام کے لئے ہیں یعنی ان کا ایک اہم مقصد یہ ہے اور مقاصد انشاءاللہ آگے عرض ہونگے۔

(۲) ایسے مدرسے جن میں ضروریاتِ انذار سکھائی جائیں، دوسروں کو دین پہنچانے

کا اہل یعنی مبلغ بنانے کا کام کیا جائے اور اس کے کئی جز ہیں:

(الف) تدریس قسمِ اول کے مدرسوں کی اور قسمِ دوم کے شعبہ نمبر (۱) و (۲) کی اور یہ جز اہم ترین جز ہے کیونکہ اس کے فوائد کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے اور اس سے دین کی جڑ کو مضبوط بنانا ہے۔

(ب) تقریر و وعظ۔

(ج) فرداً فرداً مسلمانوں کو تبلیغِ احکام۔

(د) غیر مسلموں کو دین کی تبلیغ۔

(ہ) مناظرہ، اگر ضرورت واقع ہو کہ باطل مذہب والے کسی جگہ اپنا اثر قائم کرلیں تو مناظرہ کر کے اس کو دفع کیا جائے۔

(و) افتاء و تجوید۔

(ز) مذہبی مضامین و تصانیف اور ردّ باطل و مناظرۂ تحریری بوقتِ ضرورت۔

(ح) شکوک و شبہات اور باطل مذاہب کے ابطال کے واسطے بقدرِ ضرورت کتابوں کی تعلیم جن میں فلسفۂ جدید و سائنس بھی داخل ہے۔

(ط) جس شخص کو جس مقام کا کام سپرد کیا جائے اس کو وہاں کی زبان کی بقدرِ ضرورت تعلیم خواہ وہ ہندی، انگریزی ہو یا جاپانی، جرمنی وغیرہ۔

(ی) مدارسِ قسمِ دوم کے شعبہ نمبر (۳) کی تعلیم جو آگے آتی ہے۔ اس شعبہ کا نام درجۂ تکمیل ہو تو مناسب ہے۔

اس نمبر (۲) کا ہونا بھی مثل (۱) کے ضروری ہے گو نمبر (۱) اہم ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ اس پر بھی مشتمل ہے اور یہ اس پر مشتمل نہیں اور بغیر اس کے مفید بھی نہیں بلکہ بہت زیادہ مضر ہے کیونکہ معتبر عالم بنے بغیر تبلیغ کا کام خود اس میں غرور و بے راہی پیدا کرتا ہے

اور قوم میں گمراہی جیسے کہ آج طرح طرح کے فرقے اسی سے پیدا ہو گئے اور ہو رہے ہیں اور مسلمان کو دین کے نام سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اس شعبہ میں صرف وہ طلبہ لئے جائیں جو شعبہ (۱) سے فراغت حاصل کر چکیں۔

پھر اس درجہ کا ایک دار العمل ''انجمنِ تبلیغ'' ضروری ہے جو ان طلبہ کو کام میں لگا کر وہ فوائد جو ان سے حاصل ہو سکتے ہیں حاصل کرائے کہ گاؤں در گاؤں گلی در گلی زبانی تبلیغ اور پوسٹر، پمفلٹ، رسائل و تصنیف و تالیف کا کام لیا جائے۔ ملک میں اسلام کے خلاف جو تحریک اٹھے یا کوئی مضمون نکلے اس کی باقاعدہ تحقیق کر کے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا فرض ادا کیا جائے اور مسلم قوم میں از سرِ نو روحِ ایمانی پھونک دے۔

(۳) ایسے مدارس جو اعمالِ انذار سے عملی تبلیغ پیدا کریں یعنی کہ ان میں نسبت مع اللہ حاصل ہو، روح و قلب میں نورانیتِ عظیمہ پیدا ہو پھر اس نور کا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اتصال ہو، تمام اخلاقِ رذیلہ دور کئے جائیں، تمام اخلاقِ حسنہ پیدا کئے جائیں اس کا ہر عمل ہر حرکت و سکون شرعی ہو کر مجسم تبلیغ و انذار ہو اس کے ہر قول میں وہ نور و برکت ہو جس سے خود انتہا درجے کا تابعِ سنت، متبعِ شریعت ہو کر دوسروں کے دلوں میں جگہ کر جائے اور پھر دوسروں کو بھی ایسا بنانے والا بن جائے اس کو صحیح معنی میں ''خانقاہ'' کہتے ہیں آج کل کی نقلی یا دھوکہ کی خانقاہ نہیں اصلی مقاصد کے لئے اصلی خانقاہیں ہوں!

ضرورت اس کی ہے کہ قسمِ اول کے دونوں شعبے اور قسمِ دوم کے تینوں شعبے الگ الگ قائم ہوں تا کہ تقسیمِ عمل کی وجہ سے ہر کام مکمل اور عمدہ ہو۔ کوئی اصلاحی جماعت اگر اس پر توجہ کر کے ان کو الگ الگ اہتمام و انتظام کے ساتھ اہل لوگوں کے ہاتھ سے انجام دلانے کی سعی کرتی تو واقع میں اصلاح کی فکر کرتی خدا کرے ایسی کوئی جماعت بن جائے۔

# مدارس کا مقصدِ اوّل

یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دینی و دنیوی ہر کام میں مقصود عمل ہے اور علم اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے معین مقصد ہے پھر دینی اعمال اور علوم انتہا درجہ کے ضروری ہیں گو ہم کو ان سے غفلت ہے اور دنیوی علوم و اعمال بھی تا حدِ جواز ضروری ہیں اس لئے علوم قسمِ اول کے بعد دنیوی علوم یا مشاغل بھی ایک درجہ میں ضروری ہیں بلکہ جتنے علوم وفنون ایسے کاموں سے متعلق ہیں جن کے بغیر انسانی واقعی ضرورتیں اور بقائے عالم نہیں ہو سکتا ان کا حاصل کرنا بھی اسلامی احکام میں فرضِ کفایہ ہے کچھ نہ کچھ لوگوں کو اس میں لگنا لگانا فرض ہے مگر اسی شرط سے کہ وہ ان میں لگ کر اسلام سے بے بہرہ نہ ہو جائیں اس لئے یہ سب کام علومِ قسمِ اول کے بعد ہی ہونے ضروری ہیں ورنہ دین کھو کر دنیا حاصل کرنا دانائی نہیں۔ تمام دنیوی علوم وفنون، صنعتیں، حرفتیں، تجارتیں، ملازمتیں، زراعتیں فرضِ کفایہ ہیں مگر سچے پکے مسلمان رہ کر۔ مسلمانوں کی دنیا دین کے بغیر خطرناک اور دین بغیر دنیا کے جائز فائدوں کے مشکل ہے دونوں کاموں کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی اگر ایک سے بھی صَرفِ نظر کیا گیا تو ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گی اس لئے ایک ایسی جماعت کا وجود عقلی و نقلی دلائل سے بہت ہی ضروری ہے جو تصحیح دین کی خوب خوب ماہر ہو اب تقسیم کار کے قاعدہ سے علماءِ دین کا کام دین کی حفاظت اور دینی ترقی کے اسباب کی کوشش ہے اور زعماءِ قوم کا کام مسلمانوں کی قومی ضروریاتِ معاش اور انکے علوم و اعمال کا انتظام کرنا ہے علماءِ دین اپنے کام میں ان کی دنیوی امداد کے ضرورتمند ہیں اور زعماءِ قوم اپنے کام میں انکی دینی اعانت کے بے انتہا ضرورتمند ہیں تا کہ دین سے نکل کر دنیا میں منہمک ہو کر اسلامیت کو خیر باد نہ کہہ دیں اور پھر ہر طرح کے عذابوں میں مبتلا نہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی مبتلا نہ کر دیں۔ بقولِ سعدیؒ

مبادا دلِ آں فرومایہ شاد ۔۔۔ کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

لہٰذا دنیوی علوم و اعمال کا جائز انتظام زعماءِ قوم کے ذمہ ہے اور دینی کام علماءِ دین کے ذمہ ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے مدد لینی ضروری ہے جب تک دونوں اپنے اپنے فرائض کے پورے احساس اور ہمدردی سے کامل عمل نہ کرینگے یہ معاشرہ کی گاڑی لنگڑی لنجی رہیگی اور خطرہ میں پڑی رہیگی۔ پھر ان دینی علوم میں سے چونکہ قسمِ اول کے شعبۂ اوّل کیلئے مقامی بلکہ ہر محلہ بلکہ ہر مسجد کے تحت ایک مدرسہ ہونا چاہئے اس کی ضرورت علماءِ دین ہمیشہ بتاتے رہے اور وقتاً فوقتاً قائم بھی کرتے رہے ہیں مگر وہ مدارس قوم کے عدمِ احساس کی وجہ سے کم اور مقامی ہونے کی وجہ سے چھوٹے رہے ان میں مرکزی شان نہ ہوسکی نہ وہ معروف ہوسکے دوسرے ابتک اردو میں بہت سی تالیفات اور مواعظ وغیرہ کی کثرت سے ان کے کچھ فوائد ویسے بھی حاصل ہوتے رہے تیسرے والدین کی دینداری کی وجہ سے بھی یہ فوائد حاصل ہو جاتے تھے اس لئے اہلِ مدارس کی توجہ قسمِ دوم پر رہی جو خواص میں قسمِ اول پر بھی مشتمل رہی اور ایسے مدارس بنانے والوں پر بھی مشتمل رہی پھر قسمِ دوم کے شعبۂ اول کو جو بہت زیادہ اہم اور بہت ضروری تھا بلکہ بوجوہ آئندہ سب سے زیادہ ضروری تھا اصل قرار دیا پھر بھی قسمِ دوم کے شعبۂ دوم مع جمیع اجزاء و شعبۂ سوم و قسمِ اول کے شعبۂ دوم بھی کچھ کچھ اختیار کئے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ہر شعبہ کامل اور الگ بھی ہو اور بڑے اہتمام و شان سے ہو۔ امید ہے کہ اسلامی درد رکھنے والے ہوشمند حضرات اس طرف توجہ فرمائینگے اور پوری جان توڑ کوشش کر کے ایسے مدارس جگہ جگہ قائم کرائینگے تاکہ آئندہ نسلیں مسلمان اور سچی پکی مسلمان رہ سکیں وہ اپنے اسلاف کو اپنی محرومی کے رنج و احساس پر گالیاں نہ دے سکیں اور موجودہ حضرات اس خدائی امانت کے پورے حقوق ادا کرنے والے شمار ہوکر خائن ہونے سے بچ سکیں۔ لہٰذا

ان مدارسِ دینیہ کا پہلا مقصد اعمال و اخلاق کی نگرانی کے ساتھ ان علومِ دینیہ کی تعلیم ہے جن سے دین کی پوری پوری سمجھ حاصل ہو اور ایسی سمجھ حاصل ہو کہ ہر بات

نہایت تحقیق اور عمیق نظر سے یقینی معلوم ہو۔ انشاء اللہ نصاب کے درمیان میں عرض ہوگا کہ اس کے لئے کن کن علوم اور کن کن کتابوں کی اور کس مقدار میں ضرورت ہے اور اس کام کے لئے کس قدر بے نہایت قابلیت درکار ہے اور وہ ان مدرسوں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، خامی کے اسباب کیا ہیں، ان کا دفعیہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسلامیات میں ردوبدل اور تحریفات کرنے والوں کی روک تھام ان سے ہی ہو سکتی ہے اور اس کے طریقے وغیرہ۔ حق تعالی کی طرف سے جو فرض مسلمانوں پر عائد ہوا تھا کہ ہر ہر فرقہ و برادری سے ایک ایک جماعت ایسی بنے جو دین کو پوری طرح سمجھے اور دوسروں تک پہونچائے یہ مدرسے اس فرض سے سبکدوش کرنے کا ذریعہ ہیں اب مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ ہر برادری سے کچھ لوگ بھیجیں۔

## مدارس کا دوسرا مقصد

حضور اکرم ﷺ جو امانتِ الٰہیہ لیکر تشریف لائے تھے یعنی دینِ الٰہی اور اسکو امتِ مسلمہ کے سپرد فرما کر اور پوری طرح سمجھا کر عمل کرا کر، دلوں میں جما کر کائناتِ عالم کی کایا پلٹ کر کے اس کو امت کے ہاتھوں میں دے کر تشریف لے گئے اب اس کی پوری پوری حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے اور دین کے خزانوں کی حفاظت ہے جو قرآن مجید اور حضور کے ارشادات ہیں ان کے الفاظ بھی، معانی بھی، مدلولات بھی، اشارات بھی اس حفاظت کیلئے ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو اسے مخالفین یا نادان لوگوں کی کتر بیونت سے محفوظ رکھیں، اصل کو پرکھ پرکھ کر غیر سے ممتاز کر دیں جو غلط مفہومات بدنیتی یا بدفہمی سے لوگ سمجھنے لگیں ان کو رد کریں، دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کریں، حق کو حق باطل کو باطل کر کے دکھائیں اور ظاہر ہے کہ ایسے درجہ کے قابل ترین و ماہرین بغیر اس کے نہیں ہو سکتے کہ ان کی عمریں انہی علوم کی چھان بین اور تحقیقات میں صرف ہوں اور دوسری تمام فکروں سے ان کو سبکدوش کر دیا جائے ان کو صرف یہی ایک فکر یہی ایک دھن ہو کیونکہ چند کاموں یا فکروں میں پھنس کر آدمی

کسی ایک میں بھی کمال پیدا نہیں کرسکتا جیسے کہ ہر شخص کا مشاہدہ ہے پہلے حکومتِ اسلامی یہ کام کرتی تھی عوام سبکدوش تھے لیکن اب تو اس کا انتظام اسی صورت سے ہوسکتا ہے کہ عوام کی طرف سے بڑے بڑے مدرسے، بڑے کتب خانے فراہم کئے جائیں اور بہت کثرت سے کتب بینی کے محرکات پیدا کئے جائیں تب کہیں ایسے زبردست عالم پیدا ہونگے جو اس طرح دین اور دینیات کی حفاظت کرسکینگے اس کیلئے مرکزی صورت کے بڑے مدرسوں کی ضرورت ہے اور مرکزی مدرسہ ایکدم قائم ہو جانا بہت بعید ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب لوگوں کو دین کی طرف توجہ بھی کم ہو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کثرت سے چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم کئے جائیں جو ترقی پا جائے وہ مرکزی شان حاصل کرلے۔ چونکہ دین کی حفاظت کا حسبِ عادتِ جاریہ یہی ایک طریق ہے اور حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے، امانتِ الٰہیہ سب کے سپرد ہے اس لئے اس میں بقدر اپنی طاقت کے سب کو شرکت کرنا ضروری ہے جو علمی کام کرسکتا ہے وہ علمی کرے جو علمی نہیں کرسکتا وہ ہر طرح کی امداد کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہے ورنہ سوچئے کہ ہم اس امانت کی سپردگی و حفاظت سے کیسے عہدہ برآ ہوسکینگے۔ پھر چونکہ یہ ہماری اسلامی زندگی کا مدار ہے اس لئے دوسری ضرورتوں کی طرح ہر شخص کو لازم ہے کہ اس فرض کی سبکدوشی کا احساس نہایت شدّت سے ضروری سمجھے بلکہ تمام دنیوی ضرورتوں سے مقدم رکھنے کی فکر ہونی چاہئے۔

## مدارس کا تیسرا مقصد

دین سے تعلق رکھنے والے ہر فن اور ہر علم میں ایسے ماہر و معتبر علماء کی ضرورت اور کافی تعداد میں ضرورت ہے جو اپنے علم و فن میں دوسرے اہلِ علم کی مشکلات کو حل کرسکیں، ان کو جو شبہات پیش آئیں تسلی بخش جوابات سے ان کی تسکین کرسکیں، لغزش کرنے والے اہلِ علم کو سنبھال سکیں گو ان حضرات کا علمی درجہ اوپر والوں سے کم ہوگا مگر پھر بھی وسیع ترین معلومات، بہت زیادہ مطالعہ اور زبردست قابلیت کی ضرورت

ہے۔ظاہر بات ہے کہ کسی مدرسہ میں صرف تعلیم حاصل کر کے کوئی شخص کسی فن کا ماہر نہیں ہوسکتا جیسے کہ آج ہر کالج ہر یونیورسٹی پر اس کا تجربہ ہے ڈاکٹری، انجینیر ی، طبی کالجوں اور بڑی یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کرنے والے بھی فوری طور پر کوئی کام مہارت کے ساتھ نہیں کر سکتے جب تک کہ تجربہ کاروں سے مدد لے کر کچھ عرصہ نشیب وفراز سے واقفیت نہ حاصل کر لیں۔ طبیب کو نبض وقارورہ اور نسخہ نویسی، ڈاکٹر کو امراض کی تشخیص وتجویز، انجینیر کو عمارتوں کے حالات مدتوں کے تجربات سے ہی حاصل اور پختہ ہوتے ہیں اسی طرح علماءِ دین بھی فراغت کے بعد مدتوں کام میں لگنے سے ہی پختہ تجربہ کار بن سکتے ہیں۔ کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس سے صرف وہ استعداد حاصل ہوتی ہے کہ اب جس فن میں محنت کریگا خود بلا کسی کی امداد کے کمال حاصل کر لیگا اس لئے ایسے باکمال علماءِ دین کی ضرورت اسی طرح پوری ہوسکتی ہے کہ جگہ جگہ مدارس قائم ہوں یہ لوگ اپنی عمریں انہیں میں صرف کریں دن رات ایک کر کے ہفتوں بلکہ مہینوں مسلسل جاگ جاگ کے برسوں میں یہ کمال پیدا کریں۔ یہ سب کام مدارس کے کثرت کے ساتھ قیام، بڑے بڑے کتب خانوں، اجتماع اور مجمعِ اہلِ علم کے ہر وقت اختلاط اور علمی مذاکرات کی کثرت سے ہوسکتا ہے جو عالم اتنا تجربہ کار منجھا ہوا نہ ہو اور عمل کا پختہ کار نہ ہو در حقیقت وہ عالم معتبر ہی نہیں۔ آج سارے عالم میں جو بعض اہلِ علم گمراہیوں کا ذریعہ بنے ہیں وہ ایسے ہی ناقص لوگ بنے ہیں گو انکو انشاء پردازی کی وجہ سے لوگوں نے غلطی سے عالمِ دین سمجھ لیا ہے اور ان کے اتباع سے گمراہ ہو گئے پھر یہ ایسے تجربہ کار ماہر ہی علم کے صحیح وغلط اور ناقص وکامل ہونے کا معیار ثابت ہوسکتے ہیں جس مدّعی علم کی بات کو یہ ناقص بتائیں اسکو ناقص اور جس کو کامل کہیں اسکو کامل ماننا چاہئے جیسے تجربہ کار ماہر سنار ہے کہ جس سونے کو وہ کھرا بتائیگا وہ کھرا جس کو کھوٹا بتائیگا وہ کھوٹا ماننا ہوگا چاہے گریجویٹ، انجینیر، ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر کیسا ہی قابل پوچھنے والا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ سونے سے ناواقف ہیں ایسے ہی یہ سب ڈگری دار دین سے ناواقف ہیں۔

# مدارس کا چوتھا مقصد

علوم دینیہ کے خزانے یعنی کتابیں محفوظ کرنا ہے۔ یہ تو سبکو معلوم ہے کہ علوم دینیہ کی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور علمی کمالات پیدا کرنا بغیر ان علمی خزانوں کے ناممکن سا ہے اور بہت کتابیں ابتک بھی ایسی ہیں جو چھپ نہیں سکیں مگر ابھی دنیا میں ان کا وجود ہے اگر ان کو طبع کر کے محفوظ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو ان کے ہی نیست ونابود ہونے کا خطرہ ہے۔ پھر مطبوعہ بھی بہت زیادہ ہیں ان کو محفوظ کرنا اور جمع کرنا بھی ضروری ہے کہ موجودہ وآئندہ زمانوں میں دین کی ادنیٰ واعلیٰ تمام ضرورتوں میں ان سے کام لیا جاسکے اس کے لئے کروڑوں روپے کی ضرورت ہے مگر غریب طبقۂ اہلِ علم کے پاس اس قدر روپیہ نہیں ہے سہل صورت یہی ہے کہ مدارس قائم ہوں مخلصین دودو چار چار کر کے امداد کریں تھوڑی تھوڑی کتابیں جمع کر کے ایک ذخیرۂ عظیم حاصل ہو جائے چنانچہ بحمد اللہ مرکزی مدارس میں ایسے کتب خانے ہوگئے ہیں گو ابھی اور بھی ضرورت ہے اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ اہلِ خلوص کی اعانت سے پوری ہوتی رہیگی اسی طرح امید ہے کہ آپ کی دینیات کا یہ خزانہ کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی جگہ انشاء اللہ پورا ہوگا یا متعدد جگہوں سے مِلکر پورا ہو جائیگا۔ اگر کتابوں کا ایسا ذخیرہ کہیں جمع نہ ہو تو آئندہ نسلوں کے لئے دین کی صحیح معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا۔

دین کی حفاظت واشاعت کیلئے جن ماہرین اور چوٹی کے علماء کی سخت ضرورت تھی وہ بغیر ان خزائنِ دینیہ کے یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتے (اِلا ماشاء اللہ) اور خود ان کے پاس اس قدر روپیہ کہ وہ ایسے زبردست کتب خانے جمع کر کے ان میں مصروف رہیں بہت بعید تھا۔ یہ صورت ان مدارس سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کتابوں کی حفاظت دین کی ہی حفاظت ہے اور وہ سب کا دینی وقومی فریضہ ہے جو اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے تو ایسے مدرسوں کا قائم کرنا قومی ودینی اس طرح کا فریضہ بھی ہے

اور ہمیشہ کے روز افزوں ثواب کا ذریعہ بھی۔

کتابوں کا فقط جمع کر لینا اور ان سے کام نہ لینا تو زیادہ مفید نہ تھا صرف یہ حفاظت اور فائدہ ہو سکتا تھا کہ کبھی کبھی کوئی شخص ایک دو مستفید ہو سکے۔ موجودہ مدارس کی شکل میں ان سے ہر وقت کام لیا جا سکتا ہے اور لیا جا رہا ہے اور بحمد اللہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں انہی کی بدولت درس و تدریس، تصانیف، مضمون نگاری، مواعظ وغیرہ جملہ امور انجام پا سکتے ہیں اور مسلسل انشاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے یعنی چونکہ یہ فریضہ صرف کتب خانہ قائم کر لینے سے پورا نہیں ہو سکتا جب تک ان سے کام لینے والے نہ ہوں اور جب تک کام لینے کے محرّکات نہ ہوں ان سے استفادہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی طبیعت آرام پسند ہے بے وجہ کوئی ہر وقت کی کتب بینی میں نہیں لگ سکتا ہے اس لئے اس کیلئے ایسے کام تجویز کرنے ضروری ہیں جن کی وجہ سے ذوق وشوق پیدا ہو، کتب بینی کی مجبوری لاحق ہو، اس کا ایک محرّک مسلط ہو، مدرسوں میں انہی چیزوں کو جمع کیا جاتا ہے درس و تدریس، بحث و تذکرہ، تقریر و وعظ، تالیف و تصنیف وغیرہ اس طرح یہ خزانہ کارآمد ہو کر جمع ہوتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے

## مدارس کا پانچواں مقصد

ان خزائنِ دین کی تدوین و ترتیب، تشریح وتحشیہ، تسہیل اور پھر طباعت واشاعت اور نایاب کتابوں کی تلاش کا بھی کام ہے جو کتابیں فتنۂ تاتار وغیرہ یا دوسرے فتنوں میں جلا دی گئی ہیں ان کی تلافی ہونی بھی ضروری ہے ایسی کتابیں طبع کی جائیں تو ان کو طبع کرنے کے واسطے بہت روپے کی ضرورت ہے پھر طبع کر کے جو کم از کم ہزار کی تعداد میں ہوں اگر ان کو ایسے چند کتب خانوں میں تقسیم کر دیں یا چند اہلِ علم کو دیدیں تو بقیہ بیکار رہیں گے اور طباعت کے واسطے کروڑوں روپیے کی ضرورت الگ رہی نہ روپیہ ہوگا نہ طباعت ہو سکے گی۔ اسلاف کے زمانہ میں اسلامی حکومتیں اس کو اپنے فرائض میں

سمجھتی تھیں اور انہوں نے بہت کچھ خدمات کی ہیں لیکن یوروپی اثرات دل ودماغ پر مسلط ہو جانے کے بعد اب اسلامی حکومتیں بھی اپنے اس فرض سے غافل ہو رہی ہیں۔

اس یوروپی وبائی دور میں نواب صاحب حیدرآباد دکن جیسی ایک ایسی ہستی نظر آسکی جس نے ادارہ ''دائرۃ المعارف'' قائم کر کے بہت ہی نایاب کتابوں کو نئی زندگی بخشی اللہ تعالی ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائیں اور دوسرے حضرات کو بھی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمدللہ ہمارے ملک میں اہلِ ثروت، اہلِ حوصلہ اور ہوشمندوں کی کمی نہیں ہے اگر وہ احساس کریں تو صرف چند مل کر ہی ایسا ادارہ قائم کر سکتے ہیں، اللہ تعالی ان کو نیک توفیق دیں۔آمین

بہت سے تاجروں نے بھی اپنی تجارت کو دین بنایا کہ پیسے بھی ملیں اور دین کی بقا واشاعت کا ثواب بھی ملے دینی کتب کی دوہری تجارت ہو، دنیا کی بھی ہو آخرت کی بھی۔

لیکن اشکال یہ ہے کہ وہ ہزاروں کی رقم لگا کر کتابیں تیار کرلیں تو خریدار کہاں سے لائیں اور لاگت بھی وصول نہ ہو سکے تو آگے کیسے طبع کریں۔البتہ جب مدارس کی کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جوان کتابوں کا شوق رکھیں گے اور باوجود کم مایہ بلکہ بے مایہ ہونے کے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر کتابیں خرید کر علمی ذوق کو ترقی دینگے ایسی تعداد ہزاروں لاکھوں پر پہونچنے سے خریدار پیدا ہونگے ان کتابوں کی طباعت واشاعت کی سبیل سہل ہو جائیگی چنانچہ بحمد اللہ اس کے آثار نمودار ہو چکے ہیں اور ہندوستان و پاکستان میں تصانیف وطباعت کا کافی ذخیرہ حاصل ہو چکا ہے جس کا اعتراف ممالکِ اسلامیہ کو بھی ہے، اسی طرح یہ دین کے خزانے محفوظ اور روز بروز سہولت سے زیادہ ہو رہے ہیں اور ان سے سب فوائد حاصل کئے جا رہے ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت حاصل کئے جائینگے۔

# مدارس کا چھٹا مقصد

کثرت سے مسلمانوں کے دلوں میں صحیح اسلام اور صحیح دین کا جما دینا ہے کچھ آگے چل کر انشاء اللہ عرض کیا جائیگا کہ مدارس کو چلانے اور ان کے مقصدوں کو حاصل کرنے میں بے انتہا مشکلات پیش آتی ہیں جن کا مقابلہ اور انتظام بڑی جانکاہی سے کرنا ہوتا ہے۔ منجملہ ان مشکلات کے وہ عوائق ہیں جو طلبہ کو پیش آتے ہیں اور بہت سے طلبہ اثناءِ تعلیم میں تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے ہر مدرسہ کی ابتدائی جماعتیں بڑی تعداد میں ہوتی ہیں آخر تک کم پہونچتی ہیں۔

اول تو ملک میں ہر شخص پیسوں کی دوڑ میں مبتلا ہے کہ ہر ایک چاہے کتنا ہی مال رکھتا ہو دوسروں سے بڑھنے کی کوشش میں لگا ہے، عمر بھر پریشان اور افکار کا شکار رہتا ہے اولاد کو بھی اسی لائن پر ڈالتا ہے نہ خود کو دین کا اہتمام تھا نہ اولاد کے لئے ہوا نہ قوم و ملک کے لئے پھر اگر کسی نیک خیال نے اولاد کا حقیقی مستقبل درست کرنے کے لئے یا اپنا فریضہ بے خیانت ادا کرنے کیلئے دین کے علم میں بچے کو لگا دیا، مگر آجکل ہزاروں لاکھوں میں ایک دو ہی اس خیال کا ہوتا ہے، تو بچہ کے ساتھ بھی نفس و شیطان لگے ہوئے ہیں جو ہر وقت دین کے علم کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، ادھر اسکول و کالج سے متأثر لوگ ہر وقت ورغلانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

پھر بچے کو بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ چچا، تائے، ماموں، خالہ کے بیٹے مالدار اونچے طبقہ کے ہو جائینگے میں رہ جاؤنگا۔ عمدہ کھانے، عمدہ لباس، عمدہ مکان، عمدہ سواری اور حشم خدم پر بھی رال ٹپکتی ہے۔

اب ان کو دین کے لئے ان تمام آرام و راحتوں کو چھوڑنے پر آمادہ کرنا، عمر بھر فقر و فاقہ سے رہکر اپنا دین اور حسبِ مقدرت دوسروں کا دین محفوظ کرنے کے لئے تمام خواہشات کو پامال اور تمام مصائب کو لبیک کہنے پر تیار کرنا کوئی کھیل نہیں بے انتہا کٹھن

کام ہے۔

اب ان سب کو اس طرح علوم و اعمال کی نگرانی میں تربیت کرنا ہے کہ صحیح دین ان میں اگر کُل نہ ہو سکے تو کچھ کچھ ضرور پیوست ہو جائے۔ اس طرح ایک بہت بڑی مقدار لامذہبیت و دہریت و نیچریت وغیرہ وغیرہ خرافات سے بچ جاتی ہے یعنی جو لوگ پوری تعلیم حاصل نہ کر سکیں اور مدارس کے تمام مقاصد کو موانع کی وجہ سے پورا کرنے کے اہل نہ بھی ہو سکیں تو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کم از کم وہ ان زہریلی باتوں سے تو بچ جائینگے آج اس کے آثار بھی بہت لوگوں میں ملینگے۔

اس طرح ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی لامذہبی دور میں اسلام پر باقی رہ سکتی ہے یہ بھی ایک زبردست فائدہ ہے اگر دین کی قدر ہو گو بعض کو بعد میں دوسرے مشاغل میں لگ کر، بری صحبتوں میں پڑ کر اخلاق و اعمال کی خرابی لاحق ہوتی ہے لیکن عقائد اکثر کے بالکل محفوظ رہ جاتے ہیں اور جو لوگ مکمل تعلیم اور مکمل تربیت حاصل کر لیتے ہیں وہ تو ملک کی مایۂ ناز ہستی بن جاتے ہیں اور جن میں کچھ نقص رہ جاتا ہے وہ گو صاحبِ نقص ہو مگر دوسرے لوگوں سے جب مقابلہ کر کے دیکھا جاتا ہے تو بہت لوگوں سے بہت درجہ میں بہتر رہتے ہیں یہ سب مشاہدات ہیں جنکا انکار نہیں ہو سکتا۔

# مدارس کا ساتواں مقصد

ایک مجمع علماء و صلحاء کا جمع رہتا ہے وہ وقتاً فوقتاً عوام سے ملتا رہتا ہے عوام پر انکی صحبت کا اثر ہوتا ہے، باہم مسائل و علوم کا چرچا ہوتا ہے۔ عوام کو بھی مفت میں بے محنت بہت سے مسائل معلوم ہوتے رہتے ہیں، اچھے اثرات پڑتے رہتے ہیں ان کی علمی و عملی حالت بغیر کچھ کئے بھی بہت کچھ سنبھل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں ایسے مدارس قائم ہیں وہاں کے عوام جاہل لوگ بھی جب دوسرے شہروں میں یا دیہات و قصبات میں جاتے ہیں وہاں کی بہ نسبت ایک عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ بھی قریب قریب

اب ہر شخص کو حاصل ہے اور انہی مدارس کی برکت ہے کہ آج سب کی زبانوں پر یہ آتا ہے کہ دنیا بھر میں جس قدر دینداری سہارنپور، مظفر نگر، میرٹھ اور دہلی وغیرہ کے اضلاع میں ہے اور کہیں نظر نہیں آتی۔ منصف مزاج سیاح لوگوں سے آپ اس کی تحقیق کر سکتے ہیں۔

مگر بعض ایسے لوگ، جن کی نظر میں دین، تقویٰ، طہارت اور علوم دین کی کوئی عزت نہیں ہے اور وہ تمام کمالات کو یوروپ کی تقلید میں منحصر سمجھتے ہیں یا کل کمالات ان کی نظر میں چند پیسوں کا مالک ہونا ہے نہ ان کو مرنا یاد آتا ہے نہ اس کے بعد کے عیش و آرام اور تکالیف و عذابات پر نظر ہے گو آجکل ہارٹ فیل اور ایکسیڈنٹ وغیرہ کی وجہ سے موت بالکل سامنے کھڑی رہتی ہے، وہ بیشک آپ کو اس کے خلاف نظر آئینگے لیکن آپ ان کو معذور سمجھئے جیسے بچے کا معیار چند پیسے، چند کھیل یا غرباء کا معیار چند سو پر دنیوی امور میں ختم ہو جاتا ہے وہ لکھ پتی، کروڑ پتی لوگوں کی نظر میں مضحکہ کے قابل ہیں اسی طرح ان کی نظر بھی قاصر ہے کہ دنیا کے چند کھلونوں پر جم کر رہ گئی ہے وہ دین کے ان کمالات کے دیکھنے سے معذور ہیں، کافروں کے میل جول اور ان کی شان وشوکت سے مرعوب ہو رہے ہیں جیسے ان کو دور کی بینائی حاصل نہیں یہ بھی اپنی حاصل شدہ دور کی بینائی جو آسمانوں کو چیر کر اوپر پہونچنے والی تھی کھو بیٹھے ہیں مگر مسلمان کافروں کی طرح کم نظر نہیں ہوتا وہ کنوئیں کا مینڈک یا گوہ کا بھنگا نہیں اس کی نظر کی جولان گاہ ایسی پست ومحدود نہیں مگر افسوس کہ ہم نے بھی اپنی نظر پست کر کے اسی کو مقصودِ نظر بنالیا۔

حالانکہ مسلمانوں کو اسلامیت ہی سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے جیسے تاجر کا کمال تجارت کو کمال پر پہونچانا ہے، مزارع کا کمال زراعت کو کمال پر پہونچانا ہے، پہلوان کا کمال پہلوانی کو کمال پر پہونچانا ہے ایسے ہی ہر مسلمان کا کمال اپنی اسلامیت کو کمال پر پہنچانا ہے۔ جب تک مسلمان اس تگ ودَو میں لگے رہے اس کی وجہ سے سارے عالم سے ممتاز اور سب پر حاوی رہے (اور) جب یوروپ کی یا دوسری مسموم فضاؤں سے

متأثر ہوکر اپنی اسلامیت کی تکمیل سے غفلت برتنے لگے گو مالی حالت سے بہتر نظر آتے ہوں لیکن اور سب حالات میں وقعت واطمینان کے رتبہ سے گر گئے، عام پریشانیوں میں مبتلا اور طرح طرح کے فتنوں کا شکار ہونے لگے۔

راحت جس کو انسان دنیا میں ڈھونڈھتا ہے وہ مال، دولت، ثروت، جاہ وحشم اور بڑے شمار ہونے سے حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خود اپنے گذشتہ وموجودہ حالات پر غور اور دوسرے بڑوں کی جستجو سے آپ اس کو معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ تو صرف آپ کی اسلامیت کے مستحکم ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ تحقیق کر کے دیکھ لیجئے جس میں جس قدر اسلامیت زیادہ ہوگی وہ باوجود دولت وثروت، جاہ وحشمت نہ ہونے کے ان سے کہیں زیادہ راحت میں ہے جن کی اسلامیت کمزور یا فنا ہو چکی ہے۔ ان مدارس کی برکت سے ان کے یہاں کے عام لوگوں کی اسلامیت باوجود انقلابِ زمانہ اور خراب حالات کے اور جگہوں سے نسبتاً بہتر ہے اور بغیر کچھ کوشش کئے بہتر ہے اگر تھوڑی سی کوشش کر لی جائے چنانچہ بعض بعض کرتے بھی ہیں تو بہت جلد کمالِ اسلامیت تک پہنچ جاتے ہیں۔

عام تبلیغ ووعظ وتلقین سے وہ فوائد نہ حاصل ہوتے جو عام مسلمانوں کو ان مدرسوں کے وجود سے حاصل ہیں کیونکہ وعظ وغیرہ وقتی چیزیں ہیں، کثیر تعداد میں مسائل ایک دم ذہن پر وارد ہوتے ہیں جو تحمل سے خارج ہوکر ذہن سے نکل جاتے ہیں اور اس اختلاط سے آہستہ آہستہ ایک ایک دو دو مسئلہ ہوکر آتا ہے اور دل میں دین ایسے جمتا رہتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہاں کے عوام اپنے کو جاہلِ مطلق سمجھتے ہیں مگر جب دوسری جگہ جا کر دیکھتے ہیں تو انکی نسبت اپنے اندر بڑا ذخیرہ علوم ومسائل کا پاتے ہیں ان کو اس وقت اپنی قدر ہوتی ہے۔

# مدارس کا آٹھواں مقصد

وعظ وغیرہ دل میں دفعتاً سننے سے جمتے نہیں اور بعض دفعہ سننے میں دل نہیں لگتا اگر پہلے سے بھی بہت کچھ علوم ومسائل کانوں میں پڑے ہوتے ہیں تو اب ذہن میں مواعظ جمتے چلے جاتے ہیں، دل بھی لگتا ہے۔ اس لئے عام لوگ مواعظ سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل بھی انہی مدارس کے طفیل بن جاتے ہیں۔ توقع ہے کہ ہر دیندار مسلمان جو اپنے اندر مدرسوں کے ان فوائد کو محسوس کر رہا ہے وہ اعتراف ضرور کریگا کہ یہ فائدہ اس کو انہی مدارس سے حاصل ہوتا ہے۔

# مدارس کا نواں مقصد

قسمِ دوم کے شعبۂ دوم کا بھی کچھ کچھ کام انجام دینا ہے مگر تابع بنا کر اصل بنا کر نہیں۔ کیونکہ شعبۂ دوم کا زیادہ تعلق مشق سے ہے اور عوام سے بھی رابطہ ہوتا ہے تو واہ واہ سے کبر وغرور پیدا ہو کر علمی کام شعبۂ اول کا ہے اور وہ اصل اور جڑ تھا کمزور پڑ جاتا ہے۔

ہاں یہ کام الگ اور فراغت کے بعد ہوں تو حرج پیدا نہ کرینگے بلکہ مفید ہونگے۔ اور آجکل تو الگ مستقل بننا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بے دینی اور لامذہبیت کا جو سیلاب امڈا آرہا ہے یہی چیز اس کے لئے بند بن سکتی ہے۔ پھر اس کے دونوں درجے علمی بھی عملی بھی یعنی تصوف، تقریر و وعظ، تبلیغ مسلمین وغیر مسلمین، مناظرہ وافتاء، مضامین نگاری، تصنیف وتالیف، ردّ باطل وغیرہ کی تعلیم اور وقتاً فوقتاً ان کی عملی سعی۔

چنانچہ مدارس سے ان فوائد کو بھی کچھ کچھ حاصل ہوتے ہوئے آپ دیکھیں گے بلکہ دیکھ رہے ہیں کہ تمام ملک میں اسی کے اثرات پہنچ رہے ہیں۔

# مدارس کا دسواں مقصد

مذکورہ بالا فوائد ومقاصد تو خاص خاص دیندار لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں مگر مدرسوں سے سب کے لئے عام فائدے بھی بہت ہیں مثلاً:۔

(۱) اگران دینی مدرسوں کا وجود نہ ہوتا، علماء نہ ہوتے تو آج کوئی یہ بتانے والا نہ ملتا کہ مسلمان کیسے بنتے ہیں اور مسلمان پر کیا کیا فرض ہے، ان کو کیا کیا کرنا ہے اور کس کس چیز سے بچنا ہے۔ سب لا مذہب ہوتے۔

(۲) مسلمان بھی دوسروں کی طرح درختوں، بتوں اور پتھروں کو پوجتے پھرتے کہ کسی پتھر سے استنجاء کیا کبھی اسی کو پوج لیا، اِدھر بت کو پوجا اُدھر کتے نے اس پر پیشاب کر مارا۔

(۳) گیدڑ لومڑی اور وحشی درندوں تک کو کھاتے پھرتے یا پھر جانوروں کی طرح گھاس پھوس پر گذر کرتے۔

(۴) کافروں کی طرح مرغی، بکری کی گردن مروڑ کر کھا جاتے یا پھر جیسے بعض دیہات میں سنا تھا ملا جی سے چھری پڑھوا کر رکھ لیتے تھے پھر اسی سے ذبح کرتے تھے اور اس طرح مردار کھایا کرتے تھے اب بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ہر مرد، عورت، بچہ، بڑا حلال کر لیتا ہے۔

(۵) پہلے زمانہ میں بہت سی قومیں اور مذہب دوسری قوموں میں منضم ہو کر فنا ہو چکی ہیں یہی حال ہمارا ہوتا۔ نہ کوئی دین کو بتانے والا ہوتا نہ بچانے والا۔ پھر نہ معلوم ہم کیا ہوتے۔

(٦) آج جو نام عبداللہ، عبدالرحمٰن، محمد یوسف، محمد علی وغیرہ ہیں ہری سنگھ، رام لال یا کچھ اور (مرچ مل، مٹھائی لال، کھٹائی لال وغیرہ) ہوتے۔

(۷) نکاح پڑھنا (پڑھانا) کوئی نہ جانتا اور آخر سب بے نکاح کے حرامی ہوتے۔

(۸) بجائے خدا اور سولوں کے ناموں کے نہ معلوم کیا کیا نام لئے جاتے، بجائے قرآن وحدیث، نماز وروزہ کے نہ جانے کیا ہوتا، شراب وسور کھانا پینا بنتا۔

(۹) بجائے غسل، کفن، نمازِ جنازہ ودفن کے چیل کوّے کھاتے یا دنیا ہی میں دوزخ رسید آگ میں جلتے۔

(۱۰) بجائے زمزم کے گائے کا پیشاب پیا کرتے وغیرہ وغیرہ۔ اگر مدرسے اور علماء دین نہ ہوتے تو مسلمانوں کا یہ عام حشر ہوتا۔ (نعوذ باللہ من ذالك)

## مدارس کا گیارہواں مقصد

جو عوام بلکہ تمام ملک وقوم کو فائدہ دینے والا ہے کہ جب کوئی وقار کا بھوکا پیسے بٹورنے والا عام مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنی جیب گرم اور الو سیدھا کرنے کے لئے اسلام میں کوئی نئی اُپج کھڑی کرتا ہے، احکامِ خدا ورسول کو پسِ پشت ڈلوانے لگتا یا ان میں اپنی من مانی باتوں کی تائید میں تحریف اور ردو بدل کرنے لگتا ہے اور قرآن وحدیث پڑھ پڑھ کر غلط مفہوم بتا کر مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے تو اس وقت اس کی قلعی کھولنے کے واسطے زبردست علم وفضل والے علماء کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ آپ کو کہاں سے مل سکتے ہیں۔ چراغ لیکر ڈھونڈھیے تو سوائے ان دینی مدرسوں کے ماہرانِ علم وتقویٰ کے اور کوئی متنفس اطمینان کا میسر نہ ہوگا۔ یہی ان کی باتوں کی حقیقت واشگاف کر کے سامنے رکھتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے ہوش وحواس بالکل اس کے حوالہ نہیں کر دیئے ہیں وہ حقیقت آشنا ہو ہی جاتے ہیں، ایسے خطرناک بھنور سے آپکی کشتی کو پار لگانے والے کہاں سے ملتے ہیں خود اس کو سوچ کر دیکھ لیں۔

# مدارس کا بارہواں مقصد

انگریزوں نے مسلمانوں کو لامذہب بنانے کیلئے جو اسکولوں وکالجوں میں بے دینی کا ماحول اور بے دینی کا نصاب جاری کیا اس کے اثرات سے بچانے والے گھرانے کے لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمان ہوتے تھے۔ ماں، باپ، چچا، تایا، ماموں، خالہ، پھوپھی، دادا، دادی، نانا، نانی اور سب عزیز لیکن ان کے بچاؤ کا قصہ عارضی تھا کہ جب یہ عزیز بھی نصاب کے پروردہ ہو جائینگے یہ قصہ خود بخود ختم ہو جائیگا اس لئے انگریزوں نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ چنانچہ آپ اس کا مشاہدہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ جو بوڑھے بوڑھے گریجویٹ آپ کو ملینگے ان میں وہ لامذہبیت و بے دینی نہ ہوگی جو آجکل کی نئی پود میں رونما ہو رہی ہے گو ان کو ابھی گھرانے سے کم از کم سابقہ رہنے سے اسلامی خو بو پوری نہیں ملی، معلومات کافی نہیں ہوئیں مگر وہ اس وقت کے تعلیم یافتہ طبقہ سے بسا غنیمت ثابت ہوتے ہیں۔

دوسری جماعت جو انکی اسلامیت کو انگریزوں کی خرد برد سے بچا سکتی تھی وہ ان مدرسوں کے فیض یافتہ لوگ تھے، مولوی تھے۔ انگریزوں نے ہر اسکول وکالج میں منظم سازش اس کی جاری کی کہ نئی پود کو مولویوں سے نفرت دلا دے تاکہ نہ یہ انکی سن سکیں نہ اسلامیت بحال کر سکیں۔ مجھ سے زیادہ اس نفرت دلانے کا تجربہ آپکو ہوگا۔ چنانچہ جن بچوں، نوجوانوں پر یہ اثر کارگر ہو گیا ان پر لامذہبیت کا رنگ خوب ہی چڑھ گیا۔ لیکن کوئی پوچھے کہ آخر مولوی ہے کیا چیز؟ ایک ماں باپ کے دو بیٹے ایک نے علمِ دین حاصل کیا، ایک گریجویٹ ہو گیا تو پہلا خطرناک کیوں قرار دیا گیا؟ محض اسلئے کہ اسنے اللہ ورسول کے احکام معلوم کر لئے تو خیال کیجئے یہ نفرت، حقیقت میں خدا ورسول سے نفرت دلانے کا پیش خیمہ بنی اور آپ نے اسکو بسر وچشم قبول کر کے اپنے اسلام واسلامیت کو خیر باد کہنے کا کام کر لیا اور یوروپ والوں کی یہ چال سو فیصد کامیاب بن گئی۔

اگر کبھی عقل و ہوش کی صحت کا دور دورہ ہو تو اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ یہ نفرت آخر کیوں دلائی گئی تھی، اس میں کیا راز تھا، اور وہ بے دینی ولا مذہبیت سے بچا بچا کر اسلام کی آغوشِ رحمت میں لے آنیوالا کون تھا، کیسے بنا تھا، کہاں سے آتا ہے، کیسے اس کے ذریعہ اس گڑھے سے نکلا جا سکتا ہے؟ یہ سب آپ کے غور کرنے کی، سوچنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی بات ہے۔ کیا مدرسوں کے سوا اور بھی کوئی ذریعہ ہے؟

## مدارس کا تیرہواں مقصد

ایک عام خیال زبان زد ہونے لگا ہے کہ فرقہ بندی مولویوں نے کی اور دنیا کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔

مگر صحیح غور وخوض سے کام لیا جائے تو یہ حربہ بھی انگریزوں کا پیش کیا ہوا ہے۔ یہ نفرت دلانے اور اسلامیت کی حفاظت کے قلعہ کو گروانے کیلئے ہے۔ سادہ دل لوگ اس فریب میں آ جاتے ہیں۔

سنئے اول تو اختلاف جھگڑوں کی چیز ہی نہیں۔ ہر آدمی کی صورت دوسرے سے مختلف، آواز مختلف، عادات مختلف، طور طریق مختلف، تحریر مختلف، وضع قطع مختلف، خیالات ونظریات مختلف، پسند وناپسند مختلف، لباس مختلف، نشست وبرخاست مختلف، زبان بھی بعض بعض کی مختلف، مکان مختلف، محلے شہر صوبے مختلف مگر کسی کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہاں جھگڑا ہوتا ہے تو دوسرے کو یا دوسرے کی بات کو برا کہنے اور گالیاں دینے سے۔ روک تھام اسکی ضروری ہے خواہ قانون سے، جبر وتشدد سے، شرافت کے حوالہ سے یا کسی ذریعہ سے بھی ہو جائے تو کوئی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ اصل بات جو جھگڑے فساد کی ہے اس کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے کہ جس طرح ہو سکے زبانوں کو لگام دِلوائیں۔ اختلاف اختلاف کی رٹ لگائے رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود اختلاف کے بارے میں لوگوں نے ایک غلط تصور

قائم کر رکھا ہے کہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے مگر غور کیا جاوے تو دوسرے ہاتھ کا صرف وجود بھی کافی ہوتا ہے حرکت ضروری نہیں تو جرم حرکت والے کا ہوتا ہے نہ کہ وجود والے کا۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ نئی بات اسلام میں پیدا کس نے کی ہے؟ مجرم وہ ہے نہ کہ صحیح بتانے والا دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا انصاف نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ حق و باطل میں اختلاف ہوتا ہے تو دونوں کو غلط قرار دینا خود غلطی ہے دیکھنا یہ ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ پھر حق کو باطل سے امتیاز دینا ہر ایک کا فرض ہے۔ حق کی مخالفت اور جھگڑے جو کریگا وہ مجرم ہے۔ سب کو مل کر ناحق کو دبانا چاہئے نہ یہ کہ دونوں کو مجرم بنا دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور حضور کے لائے ہوئے اسلام سے جو لوگ ہٹ ہٹ کر نئی باتیں بناتے ہوں سب کا فرض انکو روکنے کا ہے نہ کہ روکنے والوں کو بند کرنا۔ غور تو کیجئے یہ کیسے درست ہوسکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ فرقہ کبھی عالمِ دین نہیں بناتا بلکہ فرقہ تو ناقص العلم، ناقص العمل، تقویٰ سے بے بہرہ بناتا ہے جس کو علماءِ دین کے خلاف وقار قائم کرنے یا پیسے بٹورنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ تحقیق کر کے دیکھ لیجئے ہر نئے فرقہ کی بنیاد کم علم، کم مایہ، کم عزت سے ہوگی اور عالمِ دین، صاحبِ تقویٰ تو صرف قدیم علم و عمل پر قائم رہنے کا داعی ہوگا جیسے حضراتِ انبیاء علیہم السلام حق کے داعی رہے اور جو لوگ حق سے ہٹ گئے انہوں نے خلاف کیا انکو ہدایت کی راہ بتائی تو کیا العیاذ باللہ انبیاءؑ نے تفریق پیدا کی ہے یا ورغلانے والوں نے؟ انہوں نے جو حق سے ہٹا دیا تھا انبیاءؑ تو اسپر لائے تھے گو کافر لوگ انکو بھی یہی کہدیتے تھے کہ آپ نے تفریق ڈالدی ہے اسلئے یہ آجکل کی بات بھی اسکے قریب قریب ہے کہ علماءِ دین، صاحبِ تقویٰ تو اصل دین سے ہٹ ہٹ جانیوالوں کو اصل دین کی دعوت دیتے ہیں، ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو نفس و شیطان اور انسی شیطان نے گھڑ کر پیش کردی ہیں۔ علماءِ دین کو تفریق کرنیوالا کہنا

ایسا ہی کافروں کا سا کام ہے جیسے وہ انبیاء کو تفریق کرنیوالا کہتے تھے۔ جیسے انبیاء ہادی اور حق پر لانیوالے تھے غلط راستوں سے ہٹا کر حق پر لاتے تھے ایسے ہی یہ علماءِ حق کرتے ہیں جو ان مدرسوں سے حاصل ہو رہے ہیں، یہ تو فرقہ بند نہیں، فرقہ بندی کو توڑنیوالے ہیں مگر لوگ الٹا الزام قائم کرنے لگے۔

## مدارس کا چودہواں مقصد

ہر ملک میں آئے دن کوئی نہ کوئی تحریک سیاسی، غیر سیاسی اُٹھتی رہتی ہے لوگ ہوا کے رخ پر ہو لیتے ہیں مگر ایک ایسی جماعت کی سخت ضرورت رہتی ہے گو وہ مختصر ہی ہو جو ہوا کے رخ سے الگ رہکر صرف دین اور خدا ورسول کے احکام سے اسکو پرکھ کر بتائے کہ یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ یا اسمیں کیا کیا بات درست ہے کیا غلط۔ اگر ایسی جماعت ملک میں نہ ہو تو سارا ملک ہوا کے رخ پر چل نکلے۔ اسی طرح اس کے برخلاف بعض صاحبِ اثر لوگ عوام کو کچلنے اور دبانے کیلئے کوئی شکل اختیار کرتے ہیں اگر ایسی جماعت نہ ہو تو حق ناحق کی تمیز ختم ہو جائے۔ یہ جماعت علم وتقویٰ والی، خدا رسیدہ آپ کو ان مدرسوں سے ہی دستیاب ہوگی۔ کوئی ملک کوئی معاشرہ بغیر اسکے صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسکے دین کو علماءِ دین سنبھالیں اور اسکی دنیا کو زعماءِ قوم!

## مدارس کا پندرہواں مقصد

نفس وشیطان اور خراب آدمیوں کے میل جول سے ملک میں بہت سی باتیں مثلاً حرام خوری، حرام نوشی، حرام کاری، حرام پوشی، حرام کوشی، بے حیائی، گندگی، بے غیرتی، بے شرمی، خلافِ شرافت، خلافِ انسانیت جاری ہوئی جاتی ہیں۔ اگر کوئی ایسی جماعت نہ ہوگی جو ان خرافات کی حقیقت سے عوام کو آگاہ کرتی رہے تو سارے ملک وقوم کی تباہی کے اسباب پیدا ہو جائینگے۔ گو بعض لوگ ایسے بے تعلق یا کم تعلق رہنے کی وجہ سے انکی برائیوں سے واقف نہ ہوں یا عمل سے پرہیز نہ کریں مگر ایسی جماعت کا وجود سب کے

نزدیک اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی۔ یہ مدرسوں سے ملیگی گو بعض مخالفت ہی کریں مگر دل اُنکا بھی مانتا ہے۔

بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے　　　تمہیں داغ دل جانتا ہے کسی کا

## مدارس کا سولہواں مقصد

حضور ﷺ کے زمانہ میں دو بھائی تھے ایک کھیت کیاری کا کام کیا کرتا تھا دوسرا خدمتِ مبارک میں حاضر رہتا اور دین سیکھتا تھا۔ اُس بھائی نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ کوئی کام نہیں کرتا ہر وقت یہیں رہتا ہے تو اسپر حضور ﷺ نے فرمایا تھا "لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ" کہ شاید تم بھی اسکی وجہ سے رزق دیے جاتے ہو۔
(جمع الفوائد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برادری میں ایک دو آدمی بھی دین کا علم حاصل کر لینگے تو دوسروں کو بھی انکی برکت سے رزق دیا جائیگا۔ لہٰذا ان مدرسوں میں جو طلبہ علومِ دین حاصل کرینگے انکے خاندان اور برادری کے لوگ بھی اُنکی وجہ سے رزق دیئے جائینگے، اُنکی تنگیاں دور ہونگی، برکت حاصل ہوگی تو مدرسوں سے رزق کی افزونی ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ طلبۂ علمِ دین کی خدمت رزق کی ترقی کا سبب ہے!

## مدارس کا سترہواں مقصد

جو نابالغ بچہ عبادات ادا کرتا ہے اسکا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے قرآن مجید کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملنا حدیث شریف میں آتا ہے لہٰذا ماں باپ اپنے اپنے کام میں لگے رہینگے اور بچہ کا مدرسہ میں پڑھنا انکے نامۂ اعمال میں دس دس نیکیاں فی حرف جمع کراتا رہیگا اور اسی طرح جب وہ سیکھ کر اور عبادتیں کریگا انکو ثوابات ملتے رہا کرینگے تو پھر مدرسہ آپکے لئے ثوابات کا کارخانہ ہے جو بے مشقت بے کام کئے بھی

بہت سے ثوابوں کا ذخیرہ جمع کر دیگا اور حافظ کے باپ کیلئے تاج ملنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔

## مدارس کا اٹھارہواں مقصد

جو بچے بالغ ہو چکے ہیں اگر چہ انکے کاموں کا ثواب خود انہیں کو ملیگا مگر ان کاموں پر لگانیوالے انکے ماں باپ، عزیز اقرباء ہونگے اور حدیث میں ہے کہ "اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ" نیکی کی راہ پر لگانیوالا بھی مثل (نیکی کا) کام کرنیوالے کے ہے۔ انکو بھی انکی تلاوت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تعلیم و تدریس، وعظ و اصلاح اور تمام نیکیوں کے برابر ثواب ملا کرینگے تو یہ مدرسے ثواب کے کھیت بن گئے جن سے خود بخود ثوابات ملا کرینگے اور جب تک انکے شاگرد در شاگرد کا سلسلہ رہیگا ثواب ملا کریگا۔

## مدارس کا انیسواں مقصد

آیت "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ" سے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے ہر خاندان و برادری کا فرض معلوم ہوا کہ وہ اپنے یہاں سے ایک جماعت علمِ دین کیلئے بھیجے۔ آپ یہ فرض کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ اِن مدرسوں نے اسکو اتنا سہل بنا دیا کہ قریب سے قریب مدرسہ میں بچوں کو دین سیکھنے اور سکھانے کے لائق بنا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکینگے ورنہ دور دراز بھیجنے سے فرض ادا ہوتا تب گناہ سے بچتے۔

## مدارس کا بیسواں مقصد

ہر شخص جانتا ہے کہ بری صحبت زہرِ قاتل ہے اور نیک صحبت انتہا درجہ مفید جس سے دین و دنیا کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان مدرسوں کی وجہ سے آپ کو نیک صحبت، آپ کے بچوں، عزیزوں، خاندان اور برادری کو نیک صحبت حاصل ہو سکتی ہے

جس سے آپ دین و دنیا کے منافع حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن شہروں میں اِنکی کثرت ہے تو وہاں کے لوگوں کی دینی حالت دوسرے شہروں سے بہتر ہے اور اگر اسکا انتظام کر لیا جائے کہ کم سے کم چھٹیوں کے دنوں میں اپنے بچوں کا قیام وہاں کرا دیا جائے تو مفت میں ان پر اسلامی رنگ چڑھ جائے۔

## مدارس کا اکیسواں مقصد

قرآن شریف میں "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (تم میں ایک جماعت ضرور ہو جو نیک دعوت دے اور بھلائیوں کا حکم کیا کرے اور برائیوں سے روکا کرے) اگر ایسی کوئی جماعت نہ ہوگی تو سب لوگ گنہگار ہونگے۔ مدرسوں نے درس وتدریس، تقریری وتحریری تبلیغ کا کام کرکے آپ سبکو اس فرض کے ترک کے گناہ سے بچالیا ہے یہ نہ ہوتے تو سب گناہگار بنتے۔

## مدارس کا بائیسواں مقصد

کئی آیات واحادیث میں آیا ہے کہ اگر گناہ گاروں کو گناہ سے نہ روکا تو عذابِ عام آجائیگا۔ یہ مدرسے قائم ہونگے تو کچھ نہ کچھ گناہوں سے روکنے کا کام بھی انجام پائیگا اور سارے مسلمانوں سے عذابِ عام ٹل جائیگا۔

## مدارس کا تیئیسواں مقصد

حدیث وقرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظِ قرآن کو اپنے دس عزیزوں کی شفاعت کی اجازت ہوگی اور ایسے ہی اور اہلِ علم اور تقویٰ وطہارت والے بزرگوں کو اجازتیں ملینگی تو ان مدرسوں میں اپنی اولادوں کو داخل کرنے سے خاندان کے بہت لوگوں کی نجات ہوگی۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

## مدارس کا چوبیسواں مقصد

حدیث وقرآن سے علماءِ دین اور نیک لوگوں پر رحمت و برکت کا نزول معلوم ہوااور انکی عبادتوں دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہواتو جس شہر میں یہ موجود ہونگے سب کیلئے رحمت و برکت نازل ہوگی۔ مدرسوں کے طفیل سب رحمتوں میں ڈھانپ دیئے جائینگے۔

## مدارس کا پچیسواں مقصد

ہر آدمی کی تمنا ہوتی ہے کہ اسکی اولاد اسکی فرمانبردار ہو، خدمت گزار ہو، بڑھاپے میں اسکی زندگی کا سہارا بنے مگر یہ جب ہوسکتا ہے کہ اولاد کو ماں باپ کے حقوق اور عزت وعظمت معلوم ہوں، دل میں جمے ہوں، عمل میں آتے ہوں۔ جو اولاد خود اللہ ورسول کے حق ادا نہیں کرتی وہ ماں باپ کو کیا سمجھ سکتی ہے، ان مدرسوں کی تعلیم وتربیت سے حق شناسی وخدمت کا جذبہ حاصل ہوکر اولاد آپکی زندگی کا سہارا بنے گی۔

ادھر یہی ہر ایک کی ضرورت ہے کہ زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اسکو ایصالِ ثواب سے فائدہ پہنچایا کرے، یہ بات بھی ان مدرسوں کی تعلیم دلانے سے میسر آسکتی ہے۔ دوسری تعلیمات میں آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ انکا زندگی میں کیا معاملہ ہوتا ہے اور بعد کا تو وہاں سوال ہی مشکل ہوجاتا ہے۔

## مدارس کا چھبیسواں مقصد

علماء کی دو قسمیں ہیں، علماءِ خیر اور علماءِ سوء۔ اول (اچھے علماء) کامل علم وعمل نیک صورت، نیک سیرت، ظاہر وباطن میں خدارسیدہ، اور دوسرے (برے علماء) علم اور دینداری میں ناقص، عقیدوں میں حق سے ہٹے ہوئے یا عملِ ظاہری وباطنی میں ناقص وکمزور جن کی بدعقیدگی اور بدعملی سے ساری مخلوق اور بیہودہ زندگی میں مبتلا ہوجاتی ہے۔

یہ آج طرح طرح کے فرقے، طرح طرح کی بدافعالیاں، بدعقیدگیاں، بداخلاقیاں انہی سے نشو ونما پاتی ہیں۔ ان سے زیادہ خطرناک کوئی انسان دوسرے انسان کیلئے نہ ہوگا۔ نااہل غلط علم وعمل والے مگر بڑھ چڑھ کر دعویدار کہ آخر اسلام اور مسلمانوں کو تباہی پر لا کھڑا کیا۔

ان مدرسوں کے وجود نے ان کے تاروپود بکھیر دیئے، دکھلا دیا کہ علمِ صحیح و عملِ صحیح یہ ہے، انکی جعلسازیوں کی قلعی کھول دی، ہر بات میں صحیح وغلط الگ الگ کر دکھایا ہے مگر افسوس کہ لوگ ان جعلی ونقلی عالموں کو عالمِ دین سمجھ کر انکے پیچھے ہو کر اپنے ایمان پر ان سے ڈاکہ ڈلواتے ہیں اور چودہ سو سالہ اسلام کے علمبرداروں، سنت کے تابع علماء کو پرانا کہکر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ کھلی بات ہے کہ دین تو وہی ہے جو حضور علیہ السلام لائے اور صحابہؓ و تابعینؒ سے علم وعمل کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے جس قدر اس سے دوری ہوگی اسی قدر غلطی اور گمراہی ہوگی سب لوگوں کو اصلی ونقلی، حقیقی وبناوٹی کی شناخت کرنی ضروری ہے۔ یہ مدرسے اسکی شناخت کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہیں!

## مدارس کا ستائیسواں مقصد

بعض لوگ یہ سمجھتے یا خوئے بدرا بہانہ بسیار یہ کہہ دیتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنا ناممکن ہے، کیسے ہوسکتا ہے اور کبھی اسپر غور نہیں کرتے کہ جب لکھنا نہ آتا تھا تو نام تک لکھنا ناممکن معلوم ہوتا تھا جب لکھنے لگے تو ہزاروں صفحے بھی سہولت سے لکھے جانے لگے، جب تک بچے کو بولنا اور چلنا نہ آتا تھا ایک بات اور ایک قدم بھی محال نظر آتا تھا پھر جب تُتلا تُتلا کر بولنا، گر پڑ کر چلنا آیا تو دن رات بولنے میں زبان نہ تھکی، میلوں چلنا بار نہ ہوا اسی طرح یہ اس وقت تک بار معلوم ہوتا ہے جب تک پختہ ارادہ شریعت پر چلنے کا نہیں کیا پھر گر پڑ کر ایسا چلنا آجائیگا کہ بے چلے چین نہ پڑیگا۔ ان مدرسوں کے پروردہ لوگ ایک نمونہ کی شکل میں سامنے آتے ہیں کہ آخر وہ بھی اسی دنیا میں اسی آسمان کے نیچے

اسی زمین کے اوپر رہتے ہیں اور ناقصوں کو چھوڑ کر دیکھئے کہ تمام عمر ہر وقت کس قدر شریعت کے مطابق رہتے ہیں تو ہم آپ کیوں نہیں رہ سکتے۔

آجکل علماءِ دین سے نفرت کا پروپیگنڈہ انگریزی راج کی وجہ سے بہت ہو رہا ہے تو یہ خیال فوراً دماغ میں آجائیگا کہ ہم تو بہت سے علماء کو خلافِ شرع کرتے دیکھ رہے ہیں تو بات یہ بھی ایک طرح واقعی سی ہے مگر مدار اکثریت وکمال پر ہوتا ہے آپکو اس پروپیگنڈہ سے عیوب تو نظر آ گئے بھلائیاں نظر نہیں آئیں؟ ساری زندگی کا جائزہ لیکر دیکھئے، دوسروں کی زندگی سے مقابلہ کر کے دیکھئے، گو یہ بات بھی ہوگی کہ سفید کپڑے کا داغ جلد نظر آتا ہے میلے اور سیاہ کا جلد نظر نہیں آتا اس وجہ سے علماء کی ہر لغزش نظروں میں کھٹک جاتی ہے اور دوسروں کی نظر میں نہیں آتی

## لیکن

اکثر حالات کا مقابلہ جب آپ دوسروں کے اکثر حالا.ت سے کر کے دیکھیں گے تو زمین آسمان کا فرق پائینگے مگر پروپیگنڈہ سے یکسو ہو کر دیکھئے اور انسان آخر انسان ہے لغزش بھی کرتا ہے مگر کم کم اور زیادہ زیادہ سے فرق معلوم ہوا کرتا ہے اور یہ بھی چودھویں صدی کے اثرات ہیں۔ بہت سے اسلاف میں جو بزرگ گذرے ہیں بالکل تابعِ سنت اور اب بھی اس گئے گذرے زمانہ میں کچھ نہ کچھ بالکل تابعِ سنت وشریعت مل سکتے ہیں اور انہی مدرسوں کے طفیل ملتے ہیں۔ بات اچھی قبول کرنی چاہئے بہانے نہ تلاش کرنے چاہئیں۔ مدرسوں سے زندگی کی جو کایا پلٹ ہوئی ہے اس پر ذہن خالی کر کے غور کرنا مناسب ہے پھر اسکو مشعلِ راہ بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ طریقہ نہایت خطرناک ہے کہ عالم ہو یا عاصی اس کی ایک غلطی یا لغزش کو اچھالے اور نیکیوں اور بھلائیوں پر خاک ڈالے اور دیندار کیلئے یہ کرنا تو دین سے نفرت دلانا ہے ہاں تنہائی میں نرمی سے سمجھانا مفید ہے۔

# مدارس کا اٹھائیسواں مقصد

زندگی میں انسان جس بات کو ڈھونڈتا پھرتا ہے اور وہ ساری عمر بھی اس کو نہیں ملتی وہ دل کا سکون دنیا میں بیفکری پریشانی سے بچاؤ اور دل ودماغ کی راحت ہے۔ دولت، ثروت، جائیداد، کارخانے، عہدے، حکومت، کوٹھیاں، بنگلے، کار، جہاز مطلوب نہیں۔ ان کے ذریعہ راحت وسکون دل اور راحت ذہن ودماغ حاصل نہو پائے تو یہ خود وبال جان معلوم ہونے لگتے ہیں اور کسی قیمت پر سکون و بے فکری میسر نہیں آتی اسی کشمکش میں ساری عمر بسر ہو جاتی ہے اور پھر اگلے جہاں کا سفر اور وہاں کی پریشانیاں سامنے آتی ہیں

آیئے ہم آپ کو ایک ایسی دنیا میں لے چلیں جہاں غم، فکر، پریشانی پر بھی نہیں مارتی۔ سکون وراحت کے ڈیرے جمے ہوئے ہیں ہر شخص پُر امن، بشاش، خوش، مگن

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو

کہ بینی خندہ برلب ہا و آتش پارہ دردلہا

یہ بستی دو نمبر کی ہے نمبر اول تو صحیح وحقیقی بزرگ پیروں کی خانقاہ ہوتی ہے جس کا وجود آجکل پوری طرح شاذ ونادر ملتا ہے اور نمبر دوم پر یہ مدارس دینیہ ہیں جہاں سکون و بےفکری کا دور دورہ ہے۔ کسی قسم کا کوئی خرخشہ نہیں صرف ایک ہی مقصود ہے کہ خدا ورسول کے طریقہ کو خوب حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوں نہ کوئی فکر نہ غم نہ تشویش نہ پریشانی نہ کھانے کی پرواہ نہ لباس کی پرواہ نہ مکان کی پرواہ نہ سواری، حشم، خدم، جاہ وجلال کی پرواہ جو حال ہے اسی میں خوش اور اپنی دھن میں محو۔ اس رنگ میں جو خود کو رنگ لے بیفکری کی زندگی پالے!

# مدارس کا انتیسواں مقصد

کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ سیکڑوں ہزاروں لاکھوں روپیہ کمانے والے بھی پریشان رہتے ہیں اور کسی طرح ان کی آمدنی ان کے لئے کافی نہیں ہوتی تو اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اصل وجہ ایک تو باطنی وجہ ہے کہ دل خدائی تعلق سے بالکل یا کچھ خالی ہوتا ہے اور اطمینانِ قلب کا ذریعہ اس تعلق کا ہی قوی ہونا ہوتا ہے پھر کوئی فکر و غم پریشانی انسان کو نہیں ستا سکتی۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ!

گو غالب کہتا ہے۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

مگر اس کا جواب یہ ہے۔

مومنِ دیندار کو رنج والم سے واسطہ
جس کی نظر خدا پہ ہو فکر اسے ستائے کیوں!

ایک وجہ ظاہری بھی ہے کہ ہم نے اپنے کو بہت سی چیزوں اور باتوں کا عادی بنالیا ہے جو ضروری نہ تھیں مگر عادت کے بعد ضروری معلوم ہونے لگیں اور ان سے خرچ بہت بڑھ گیا یا صرف لطف مزہ رنگینی عیش کی تھیں ان کو اختیار کر کے عادت بنالیا یا جرم و گناہ کی تھیں ان کو معمول بنالیا۔ اس لئے خرچ پہ خرچ کھڑا ہو گیا اور آمدنی کے بڑھنے سے پہلے ان کا داعیہ سامنے آجاتا ہے پھر اس طرح کتنی ہی آمدنی کیوں نہ ہو جائے پریشانی ہی رہتی ہے خرچ پورا ہی نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس سے گھبرا کر خودکشی تک کر گذرتے ہیں یہ ایک ایسا مرض لگا ہے کہ ساری قوم کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے اور قوم پنپنے میں نہیں آتی۔

مگر اس کا علاج اسلامی احکام اور طور طریق پر عمل ہے اس سے تو سب ناجائز

خرچ ختم ہو جائیں گے اور جائز کے لئے یہ غور کرنا ہے کہ یہ خرچ ضرورت کے لئے کیا جاتا ہے یا عیش ورنگینی فضولیات ہے ان کو ترک کر کے سادگی اختیار کرنا سیدھا راستہ ہے اور ہر خرچ سے پہلے دو باتوں کو سوچ سمجھ لیا جائے کہ یہ ضرورت کم سے کم کس طرح پوری کی جاسکتی ہے اور جو جو اس کے طریقے ہوں ان میں سے ہلکے سے ہلکا کیا طریقہ ہوسکتا ہے بس وہ اختیار کیا جائے چندروز میں خرچ بالکل قابو میں آجائے گا بلکہ آمدنی سے کم بھی ہو سکے گا، عاقبت درست کرنے کے لئے بھی رقم بچ سکے گی اسراف کا گنا نہ ہوگا۔

دینی مدرسوں میں ناجائز صورتوں کی بندش ہوتی ہے اور جائز میں علوی بننے سے احتیاط کرائی جاتی ہے نہ عمدہ کھانے فکر رہتی نہ عمدہ لباس نہ بستر، تکیہ، چارپائی نہ نوکر چاکر عیش وطرب سے بے تعلقی سادہ زندگی تو خرچ بالکل قابو میں رہتا ہے اگر یہ آرام وراحت بعد میں ملا تو شکر ادا کیا نہ ملا تو تکلیف نہیں ہوتی کم سے کم میں بھی گزارہ اور زیادہ میں شکر سے گزرے اسی لئے آپنے مدرسوں سے نکلے ہوئے کسی شخص کو آج تک خودکشی کرتے نہ سنا ہوگا مدارس سے عمر بھر کی راحت ملتی ہے۔

اس طرح منجھ کر زندگی گذارنے کے بعد خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوطی پر عمر بھر کے لئے بیفکری و بے غمی کی زندگی میسر آجاتی ہے، جو لوگ ان سے میل جول رکھتے ہیں وہ ان سے یہ سبق لے کر اپنی زندگیاں بیفکری کی بنا لیتے ہیں۔ جو دنیا میں دوسرے کسی کو میسر نہیں آتی مدرسوں سے یہ فائدہ عام ہو جاتا ہے دنیا بھی سنورتی ہے آخرت بھی!

## مدارس کا تیسواں مقصد

انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جس بدی کو بار بار سنتا یا دیکھتا رہتا ہے۔ دل سے اس کی برائی کم ہو جاتی ہے اب بشریت کے تقاضہ سے ہونیوالی باتیں کمزور ہو جاتی ہیں کوئی ناول، افسانہ، کھیل، تماشا، بہیمی قوت کو برانگیختہ کرنے والی چیز قریب بھی نہیں آتی، اب ان سے ملنے والوں پر بھی یہ اثر عام ہوتا ہے۔

# مدارس میں ذرائع تبلیغ کم کیوں ہیں؟

پہلے سے بزرگوں کا معمول مدارس میں یہی ہے کہ یہ چیزیں تعلیم مدارس کا جز بنا کر نہیں سکھائی جاتیں بلکہ آخر میں تبعاً کچھ کچھ سکھاتے ہیں یا بغیر سکھائے ہی آجاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ آئندہ سطور میں انشاء اللہ عرض ہوگا کہ یہ تَفَقُّہ فِی الدِّین یعنی مہارتِ علومِ دینیہ اس قدر مشکل اور محنت و یکسوئی کا کام ہے کہ اس کے درمیان کسی اور طرف توجہ کا ہونا سخت مضر ہے اور اس کی وجہ سے اصل تفقہ ناقص رہ جاتا ہے بلکہ حاصل نہیں ہوتا یعنی علوم میں نقص رہ کر مہارت و تفقہ میسر نہیں آتا اور تبلیغ و انذار کے لئے کامل تفقہ کی ضرورت ہے ورنہ بغیر مہارت و تدینِ کامل کے مبلغ گمراہی پھیلانے والا ہوتا ہے گو عوام کو اس کا احساس بھی نہ ہو بلکہ بغیر مہارتِ تامہ کے یہ کام جائز بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کا سننا جائز ہوتا ہے، یعنی عام مسائل و احکام و دلائل سے تبلیغ کا ایسے ناقص سے سننا درست نہیں گو ایک دو مسئلہ جو اس کو خوب یقینی طور سے معلوم ہو اس کی تبلیغ تو تواصی بالحق و تواصی بالصبر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہو کر ضروری ہے۔ یعنی اول قسم کے علوم جو فرض عین ہیں اور ہر مسلمان مرد، عورت، بچے، بڑے کو ان کا سیکھنا بالکل فرض ہے ان کو سیکھنے اور ان کو لینے کے بعد دوسروں کو بتایا تو سب کو درست ہے مگر دلائلِ رفعِ شبہات اور مسائل وغیرہ کی تقریریں تحریریں نہ غیر معتبر علم والے کو کرنی جائز نہ سننے والے کو سننی جائز۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے غیر ماہرین ناقص العلم ہمارے ملک میں مقرر و واعظ، مبلغ و مناظر بنے پھرتے ہیں اور وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں ان کے پاس اشکالات کا حل علمی نہیں ہوتا خود گھڑتے ہیں، لغزش کرتے ہیں اور پھر دنیا کو اس دھوکہ میں مبتلا کرتے ہیں خالی ذہن عوام لفاظی کے چکر میں آکر گمراہ ہو جاتے ہیں تمام باطل فرقے اور مدعیانِ علم اسی قسم سے متعلق ہیں۔

ظالم آن قومے کہ چشما دوختند — در سخنہا عالمے را سوختند

اسلئے اول تفقہ کامل کی ضرورت ہے پھر اس کے پختہ ہو جانے کے بعد یہ کام سکھانا مفید ہو سکتا ہے ورنہ چونکہ اس میں عوام کی واہ واہ بھی ملتی ہے اور دینداری پختہ ہو نہیں پاتی آدمی غرور و کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عجب و کبر میں ترقیِ علم سے رہ جاتا ہے اور بعض دفعہ ملازمت یا اور آمدنی کے ذرائع ہو جاتے ہیں تو علم سے رہ گیا۔ اس نقصان کے خطرہ سے تعلیم میں یہ کام مضر ہے اس کا تعلق تجربہ سے بھی ہے جن کو تجربہ نہیں ان کی کوئی بات اس معاملہ میں وزن دار نہیں ہو سکتی، ہاں بعد تکمیل کے اس کام کا مضائقہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے لئے الگ کوئی نیا ادارہ بنایا جائے یا الگ شعبہ۔ دیکھئے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی اول تکمیل فرمائی جاتی ہے پھر نبوت عطا فرمائی جاتی ہے بغیر وحی کے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی جاتی پھر حضراتِ انبیاء صلوات اللہ علیہم نے بھی جن کی تکمیل ہو گئی ان کو اس کام پر لگایا ہے جن کی تکمیل نہیں ہوتی اس وقت تک نہیں لگایا۔ دوسرے تفقہِ کامل کے بعد ان چیزوں کو زیادہ سکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے یہ سب تجربات ہیں اور اہلِ مدارس کو ان کا تجربہ حاصل ہے بلکہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ''وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ'' (اور تاکہ اپنی قوم کو احکام پہنچائیں جب ان کی طرف لوٹ کر جائیں) احکام کا پہنچانا تفقہ فی الدین کے بعد لوٹ کر قوم کے پاس جانے کے وقت فرمایا ہے جس سے اشارۃً یہ نکلتا ہے کہ اثنائے تفقہ میں یہ کام نہ کریں اور تفقہ فی الدین کے بعد لوٹنے ہی میں یہ کام کریں۔ معلوم ہوا کہ صرف تفقہ فی الدین سے ہی یہ کام آجائے گا اور رجوع کے وقت ہی سے خود بخود یہ کام شروع کر سکیں گے۔ یعنی یہ چیزیں سیکھنے سکھانے کی نہیں ہیں مشقی ہیں خود بخود آجاتی ہیں بشرطیکہ قابلیت بہت اچھی ہو جائے۔ بار بار کرنے سے خود مشق ہو جائے گی اس لئے زور صرف عمدہ قابلیت پر رہنا چاہئے کیونکہ اصل چیز تفقہ فی الدین اور علوم دین کی مہارت ہے۔ مدارس دینیہ نے اسی کو اصل مقصود قرار دیا ہے استعداد، قابلیت عمدہ و پختہ ہو جانے کے بعد اگر یہ کام ہوں گے تو جلد اور بہت عمدہ معتبر و بھروسہ کے ہوں گے اس کے بغیر دیر میں ہونگے خراب، ناقص، غیر معتبر اور گمراہ کن

بن جائیں گے۔تحریر،تقریر،افتاء،تجوید سب مشق کے کام ہیں کم استعداد والا مشق زیادہ
کر کے عمدہ کر لیتا ہے مگر غلطیوں کا خطرہ رہتا ہے زیادہ قابلیت والا مشق نہ کرے گا تو نہ
کر سکے گا اور اگر زیادہ قابلیت والا مشق بھی کر لیتا ہے تو سونے پر سہاگہ،نور علی نور ہو جاتا ہے
اس لئے اصل نظر علمی استعداد پر ضروری ہے تا کہ گمراہی کا سبب نہ بن سکے لیکن زمانہ کی
حالت سے بعض ایسی کیفیتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ اب وہ مہارتِ کاملہ ناقص رہ جاتی ہے
اور خود بخود یہ علوم انذار بغیر مشق کرائے نہیں آتے اسلئے مدارسِ مرکزیّہ نے کچھ کچھ توجہ
اس طرف بھی مبذول کر دی ہے کہ بالکل آخر میں جبکہ ان کی استعداد جس قدر بھی وہ پیدا
کر سکتے ہیں ہو جائے تب ان چیزوں کی ذراسی مشق کرا دی جائے اور باقی مشق بعد میں
بڑھائیں۔

اس کے بعد اس کو عملی صورت دینے کے لئے مستقل شعبہ نہیں رکھا گیا ہے کہ
تقسیمِ عمل کے قاعدہ سے انکے یہاں علمی شعبہ ہے عملی نہیں ہے۔عملی شعبہ یا ادارہ
دوسرے لوگ الگ قائم کریں تا کہ اہتمام سے الگ کام ہو کر عمدہ کام بن جائے ورنہ تابع
ہو کر جو کام ہو گا وہ ایسا نہیں ہو گا جیسا کہ مستقل ہوتا ہے۔لیکن اب کہ انحطاط بڑھ رہا ہے
تفقہِ کامل کے اسباب کم ہو رہے ہیں ضرورت ہے کہ مدارسِ مرکزیہ میں ایسے دونوں شعبے
مستقل قائم کئے جائیں اور قوم کو ضرورت ہے کہ وہ بھی اس طرف توجہ کرے اور فراغتِ
علوم کے بعد تکمیل کا درجہ قائم ہو پھر اس کا عملی شعبہ یعنی تقریری و تحریری
تبلیغ،تالیف،تصنیف مدرسوں کے ماتحت یا قریب الگ قائم ہو۔

# باطنی تربیت

اسی طرح ان حضرات کی باطنی تربیت کا بھی اس قدر اہتمام تو موجود ہے کہ
اعمال و اخلاق پر دارو گیر ہوتی ہے اور یہ درجہ بھی تفقہ فی الدین کے لئے ضروری ہے
حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ

(جو شخص عمل کرے گا اس پر جو اس نے سیکھا ہے اللہ تعالی اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرمائیں گے جن کو وہ نہیں جانتا) اس سے نورِ علمی میں ترقی ہوتی ہے مدارسِ دینیہ میں تو اس کا اہتمام بھی ہے کہ تربیتِ باطنی عوامِ مسلمین کی بھی ہوتی ہے جو قسمِ اول کا شعبۂ دوم ہے اور اہلِ علم کی بھی لیکن اسوقت فسادِ زمانہ کی وجہ سے اس کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت اور اہتمامِ تبلیغ کی حاجت ہے بلکہ اس کے شعبے جہاں مستقل ہیں وہاں سے طلبہ کو متعلق کیا جائے تو مزید فوائد کی توقع ہے کیونکہ بہت معمولی توجہ سے کافی نتائج برآمد نہیں ہوئے کہ زمانہ کی فضا بہت مسموم ہوگئی ہے۔ بہرحال مدارس میں یہ مقصد گو مستقل ہو کر مقصد نہیں تابع اور کم توجہ کے ساتھ ہے تب بھی مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ ہو رہا ہے جس کا مشاہدہ سب حضرات کو ہے بلکہ یہ فوائد عامۃ المسلمین کو بھی بہت حاصل ہو رہے ہیں اور انہی سے وہ صلاحیت وتقوی حاصل ہوا ہے جو آج بعض مسلمانوں میں نظر آتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مصیبتِ عظمی کا سامنا ہوتا۔

خدا آباد رکھے مدرسوں کو پھر غنیمت ہیں
نظر کوئی نہ کوئی نیک صورت آہی جاتی ہے

اس تمام تقریر اور مدارس کے اقسام ومقاصد وفوائد اور کام سے آپنے اندازہ لگالیا ہو گا کہ اس وقت اسلام کی حفاظت، مسلمانوں کی دینی حفاظت، دین سے لگاؤ اور ہمارے ملک میں دینیات کا وجود ان مدارسِ دینیہ ہی کے طفیل سے ہے اگر بزرگان دین یہ مدارس قائم نہ کرتے تو آج ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں اور اسلام کا پتہ چلنا بھی مشکل ہو جاتا اور دین کی صحیح راہ اور صحیح بات بتانے والا ہی نہ ملتا۔

## حضرت حکیم الامۃ کا ارشاد

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ''حقوق العلم'' کتاب میں علم وعلماء پر بڑی نفیس بحثیں کی ہیں۔ علماءِ دین پر جو اعتراض

یورپ زدہ لوگ کرتے ہیں انکی حقیقت بیان فرمادی ہے اور بعض اہلِ علم میں جن باتوں کی کمی یا کوتاہی ہو جاتی ہے اسپر نہایت مدلل ومبسوط تنبیہ فرمائی ہے، انکو وبے ہودہ اعتراضات کی قلعی کھولی ہے اور واقعی قابلِ اصلاح امور کی طرف توجہ دلائی ہے، اصل اصلاح وہ تھی۔ اگر کسی کو حکومت یا قوم کی باگ ڈور ملتی ہے تو ان چیزوں کو دیکھکر انکی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے نہ کہ ایسی چیزوں کی طرف جو بجائے اصلاح کے افساد ہیں۔ حضرتِ اقدس قدس سرہٗ نے مدارسِ دینیہ کے باب میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں درج کرتا ہوں۔

## تیسری فصل مدارس کی بعض اصلاحات میں

اس میں تو ذرا شبہہ نہیں کہ اس وقت مدارسِ علومِ دینیہ کا وجود مسلمانوں کیلئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں انکو بیکار بتلانے والا معلوم ہوتا ہے ابھی تک اسلامی ضروریات سے اور مدارس کے اثر سے محض بے خبر ہے۔ مختصر بیان اسکا یہ ھیکہ اسلام نام ہے خاص دینی عقائد اور خاص اعمال کا جس میں دیانات ومعاملات ومعاشرات واخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علمِ دین پر اور علومِ دینیہ کا بقا ہر چند کہ فی نفسہٖ موقوف نہیں مدارس پر مگر باعتبارِ عوارضِ وقتیہ عادۃً ضرور موقوف ہے مدارس پر، جس شخص کو تجربہ ہوگا وہ اس حکم میں ذرا توقف نہیں کرسکتا اور جسکو توقف ہو وہ تجربہ کرسکتا ہے اسلئے اس میں طویل کلام کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔ غرض بالیقین یہ مدارس خدا کی بہت بڑی رحمت اور بہت بڑی نعمت ہیں'' الخ: (صفحہ ۵۲)

اور اسکے بعد وہ اصلاحی امور بیان فرمائے ہیں جو ایک نبض شناسِ ملت حکیمِ امت کی تشخیص ہیں لہٰذا قابلِ توجہ وہ اصلاحیں ہیں جنکو ایک ماہرِ دین بتا رہا ہے. یورپ کے مسحور دماغوں سے انکو واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

# نصاب

معروضِ بالا میں غالباً یہ ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ بقاءِ اسلام اور مسلمانوں کی اسلامیت کا وجود بظاہرِ اسباب انہی مدارس کی وجہ سے ہے اور ان مدارس کے جو مقاصد ہیں وہ سب قریب قریب پورے ہو رہے ہیں اور سارے عالم کے دینداروں کو انکے منافع کا احساس ہے خصوصاً ان دینداروں کو جنکو سیاحتِ ممالک یا تاریخِ ممالک سے واسطہ پڑا ہے۔ اب نصابِ مدارس کی درستگی کیلئے تو اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ جس نصاب پر ہندوستان کے مدارس صدیوں سے کام کر رہے ہیں وہ تجربہ میں آچکا ہے اور اسکے فوائد سے ہندوستان و پاکستان علم و عمل، تقویٰ و طہارت میں ممتاز درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں اگر یہی نصاب رہیگا تو یہ علم و عمل یہ تقویٰ و طہارت باقی رہیگا ورنہ جو حال دوسرے ممالک کا ہوا ہے وہی یہاں بھی ہوگا۔

ایک ایسی چیز کو جو آجتک مفید ہی مفید اور بے حد و حساب مفید ثابت ہو رہی ہے تبدیل و ترمیم کی نذر کرنا کسی عقلمند کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ ضرورت تبدیل کی اس وقت ہوتی کہ اس سے اغراض و مقاصد حاصل نہ ہوا کرتے یا کامل کی جگہ ناقص حاصل ہوتے مگر جب ساری دنیا میں اسکا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اس نصاب سے مدارس کے اغراض و مقاصد نہایت عمدہ طریقہ سے حاصل ہیں اور ایسے عمدہ طریقہ سے کہ کہیں کسی اسلامی ملک یا غیر اسلامی میں ایسے نتائج و فوائد وہاں کے دوسرے نصابات سے نہیں پیدا ہو رہے ہیں تو اس میں تغیر و تبدیل بے ضرورت، عبث اور لغو ہوگی بلکہ کسی راز کی بناء پر ان فوائد سے محرومی کرانا سمجھا جاسکے گا۔

اور چونکہ اس تغیر و تبدیل شدہ کا کوئی تجربہ نہیں ہوگا تو دونوں احتمال رہینگے، ممکن ہے اغراض و مقاصد میں نقص پیدا کر دے، ممکن ہے کمال پیدا کرے تو اول تو یقینی کو ایک مشکوک کیلئے ترک کرنا عقل کے خلاف دوسرے ماہرین اور تجربہ کاروں کی نظر میں

ان ترمیمات سے نقائص کا یقین حاصل ہے بلکہ اغراض و مقاصد سامنے رکھکر جو بھی غور کریگا اسکو نقائص معلوم ہو سکتے ہیں اسلئے مجمل گفتگو میں بھی یہ رائے مدارس کو خراب کرنے کی ہے اصلاح کی نہیں اور تفصیل اسکی نصاب کے اجزاء پر گفتگو سے سامنے آجائیگی۔

۱۳۴۵ھ میں شام کے شہر حلب سے ایک بزرگ مولانا شیخ عبدالقادر مدیر المدارس العلمیہ بحلب نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا، دیوبند اور سہارنپور بھی تشریف لائے تھے سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم کے دارالحدیث میں تقریر کی تھی، فرمایا کہ میں حلب کے تمام علمی مدارس کا ناظم ہوں ہندوستان اسلئے آیا ہوں کہ یہاں کے علماء کی جو استعداد اور عملی حالت ہوتی ہے وہ ہمارے یہاں نہیں ہوتی۔ میں یہ دیکھنے کیلئے آیا ہوں کہ یہاں کیا طرزِ تعلیم ہے اور کیا طرزِ تربیت، تاکہ میں بھی اپنے یہاں یہی طرزِ تعلیم و تربیت رائج کروں اور وہاں بھی ایسے علماء پیدا ہوں پھر اثناءِ تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میں اپنے یہاں واپس جاکر قسم کھا کر یہ بیان کروں کہ میں نے ہندوستان میں فرشتوں کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھا ہے تو میں اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہونگا۔

مولانا عبدالقادر صاحب نہایت نورانی شکل کے نہایت متقی بزرگ تھے انکی صورت سے مبالغہ کی بات معلوم نہ ہوتی تھی لیکن مبالغہ پر بھی محمول کرلیا جائے تو معلوم ہوا کہ اس نصاب و نظام سے وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس پر ممالکِ اسلامیہ کے دینداروں کو رشک ہوتا ہے اور مبالغہ میں وہ انکو فرشتہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس نصاب کے تجربہ اور مفید ہونے کی دلیلیں گذشتہ صدیوں کے وہ تمام بزرگ ہیں جنھوں نے اس نصاب سے تکمیل حاصل کی کیونکہ مدارس کی شکل سے پہلے بھی یہی نصاب تھا اسلئے اس سے پہلے کے بزرگوں کی ذات بھی اسی کی عمدگی کی دلیل ہے اور مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کی ذات تو اصل دلیل ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ اور شاہ صاحبانؒ کا کل خاندان اور فرنگی محل میں

مولانا عبدالحیؒ صاحب وغیرہ، اس نواح میں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ وغیرہ اور اسی زمانہ کے قریب کے حضرت سہارنپوریؒ، حضرت دیوبندیؒ، حضرت رائپوریؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا انورشاہ صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ وغیرہ بلکہ ہندوستان و پاکستان کے تمام اہلِ علم و تقویٰ اسی نصاب کے پروردہ ہیں۔

اس نصاب و نظام کے بے مثال ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ھیکہ ہندوستان میں جمعیۃِ علماءِ ہند اور جمعیۃِ علماءِ اسلام اہلِ علم کی دو جماعتیں ہوئیں مگر علم و عمل کے کمال والا صدر، ناظم دونوں کو اسی نظام کا پروردہ ملا۔ گویا سارے ہندوستان کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ یہی نصاب و نظام علم و عمل کا کمال پیدا کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ پاکستان میں جو جمعیتیں قائم ہوئیں ایسی ہی ہیں۔ اسلئے زبان سے کوئی اقرار کرے یا نہ کرے عمل سے سب نے اس پر اتفاق کررکھا ہے کہ علم و عمل، تقویٰ و طہارت کے ماہرین صرف اسی نصاب سے حاصل ہو سکتے ہیں اور کوئی نصاب و نظام اس کے قریب کے فوائد بھی نہیں دیتا ہے۔ سارے ملک بلکہ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ مذکورہ بالا ان حضرات نے اسی نصاب و نظام کی بدولت اپنے علم و عمل کی نظیر سے دنیا کو عاجز کررکھا ہے۔ اس قدر عجیب نصاب و نظام کو جسکے ایسے ایسے نتائج آپ کے سامنے ہیں ناقص بتانے والوں پر کسی غرض یا یوروپ کی مسموم ہوا کا شبہہ نہ ہو تو کیا کہا جائے؟

ہاں اس نصاب کو وہ حضرات ضرور خراب بتائینگے جن پر نئے زمانہ، نئے رنگ، نئی روشنی کا کل یا کچھ کچھ اثر آ گیا ہے، جسکو کامل تقویٰ اور ورع حاصل ہوگا وہ اس علمِ باعمل کے نصاب کے خلاف نہ کہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب سے کالجی اثرات اور یوروپ کی وبا عام ہوئی ہے اور کثرت سے لوگ اس سے متأثر ہو چکے ہیں اس کے خلاف آواز اٹھانے والے زیادہ ہو گئے ہیں اور جس وقت کہ اب سے نصف صدی پہلے یہ آواز اٹھائی گئی تھی اس وقت تقویٰ و طہارت کا وجود زیادہ تھا یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی

تھی اور جن لوگوں نے اس آواز پر عمل کیا انکو اچھی نظر سے اچھے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیندار طبقہ اب اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ بلکہ ترمیم کر کے جو ادارے بنائے گئے ہیں اگر تحقیقات اور غور وخوض سے کام لینگے تو ان سے آج تک ایک شخص بھی ایسا حاصل ہوا نظر نہ آئیگا جسکے علم وتقویٰ پر ملک کے نیک لوگوں کو اعتماد ہو گو اڈیٹری ولیڈری، انشاء پردازی وشستہ عبارت میں طاق ہوں مگر نہ علم گہرا ملے گا نہ عمل پختہ، نہ زہد وورع!

جو ضرورت آج ان لوگوں کو پیش آ رہی ہے کیا وہ اُس وقت جبکہ یہ بزرگ موجود تھے نہ تھی۔ جب ان بزرگوں نے اس میں تغیز وتبدل اس قسم کا جواب چاہا جاتا ہے نہیں کیا اس سے انپر کم عقلی کا یا کم دیانتی کا الزام ہوگا حالانکہ یہ بزرگ ان باتوں سے پاک تھے تو ضرور جدید ترمیمات میں ایسی خرابیاں ہیں جو ہم فضاءِ مسموم کے رہنے والوں سے پوشیدہ رہ گئی ہیں یا بعض قصداً ان سے صرفِ نظر کر کے کسی راز کی خبر دیتے ہیں۔

غالبًا ناظرین اس کلام کو اکابر پرستی کہکر ٹال دینگے اور اس سے انکو تشفی نہ ہوگی اس لئے مناسب ہے کہ اسپر ذرا تفصیل سے کلام کر دیا جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ صحیح راستہ وہی ہے جو ان بزرگوں نے اختیار کیا تھا اور موجودہ بحثیں یوروپ کے اثرات ہیں اور کچھ نہیں۔

## نصاب کی اہمیت

نصاب پر گفتگو کا جزوِ اول یہ ہے کہ اول یہ دیکھا جائے کہ جس تَفَقُّه فِي الدِّيْن کا حکم ہے اسکا معیار کیا ہے تا کہ پھر یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ یہ مہارت کن کن علوم وفنون اور کن کن کتابوں کی تعلیم اور کس کس طرح کی تعلیم سے حاصل ہوسکتی ہے۔ آیت کے اشارہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ مہارت اس پایہ کی مہارت ہونی ضروری ہے جس پر انذار کے تمام شعبے مرتب ہوسکیں اور انذار کے تمام شعبوں کا

اہل ہونے کیلئے خود دین کا اسطرح سمجھ لینا کہ اسکے ہر حکم کے مفہوم کو خود شرح صدر، دلائل و اطمینان کے ساتھ سمجھے ہوئے ہو اور دوسروں کو بھی مطمئن کر سکے لازم ہے لہٰذا کامل فہم اور کامل تفہیم پر قادر ہونا تفقہ فی الدین ہوگا۔

اسکو ذرا تفصیلی لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس تفقہ اور مہارت کے دو جز ہیں۔ ایک خوب خوب ہر بات کو سمجھ سمجھ کر ذہن میں جمالینا، دوسرے اوروں کو خوب سمجھانا کہ تسلی ہو جائے اور شکوک وشبہات رفع ہو جائیں۔ اول جز کیلئے یہ ضروری ھیکہ کلام کے ہر ہر لفظ کو مفردات کو بھی مرکبات کو بھی ایسے سمجھ لے کہ اسکا مفہوم یقینی طور سے صحیح معلوم ہو اور یہ معلوم ہوگا دلائل سے اس کے دلائل اسکے تمام اصول ہونگے پھر ان اصول کا صحیح ہونا بھی دلیلوں سے معلوم ہو پھر ان مرکبات اور جملوں سے مسائل اخذ کرنے کے اصول اور اصولوں کے دلائل پھر سب دلائل کے صحیح، غلط ہونے کے معیار معلوم ہوں تا کہ ہر مفہوم کو دلائل سے شرحِ صدر کیساتھ حاصل کرے اور اگر کوئی اس مفہوم میں شک پیدا کرنے لگے تو اصول ودلائلِ اصول سے پرکھ لے اور شک کا دفعیہ کر سکے۔ اس معیار پر قابلیت حاصل کرنے کیلئے غور کیجئے کتنی محنت وعمر درکار ہے اور پھر اسطرح حاصل کر لینے سے ہر بات کیسی یقینی اور پختہ ثبوت والی ہو سکتی ہے۔ واقعی دین معمولی چیز نہیں ہے اسکے حاصل کرنے کیلئے ہر ہر لفظ کیلئے ایسی ہی پختہ اور گہری باتوں کی ضرورت ہے۔

لوگوں نے آجکل دین کو ایک کھیل بنالیا ہے کہ ترجمے دیکھے، پڑھ لئے اور بس خود کو عالم سمجھ بیٹھے اور عالم ہی نہیں ماہر بلکہ مجتہد تک ہونے کا دعویٰ کرنے لگے پھر خود گمراہیوں میں مبتلا ہوتے اور دوسروں کو مبتلا کرتے پھرتے ہیں۔

دوسرے جز کیلئے یہ خیال کیجئے کہ سب جانتے ہیں کہ اعتراض کرنا آسان ہے اور جواب دینا خصوصاً تسلی بخش جواب دینا بہت مشکل ہے۔ وہ عالمِ دین جسکو تفقہ کے بعد انذار کا اہل بنانا ہے ذرا غور کر کے دیکھئے کہ کتنے اعتراضوں کے جوابات کا

ذمہ دار ہے۔ سنئے کہ یہ عالم تمام کفار کی انواع کا جوابدہ ہے وہ یہودی ہوں یا عیسائی، مجوسی ہوں یا بت پرست، دہریے یا سناتنئے یا آریے۔ پھر ان تمام گروہوں کا جوابدہ ہے جو اسلام کا نام لیکر کفر والحاد پھیلاتے ہیں قادیانی وغیرہ۔ پھر ان تمام جماعتوں کیلئے جوابدہ ہے جو اسلام کے اندر ایجادِ بندہ کرتے ہیں اور بدعت کی کسی قسم میں مبتلا ہیں۔ پھر ان تمام پارٹیوں کا جوابدہ ہے جو دوسری قوموں یا دوسرے علوم کے اثرات سے متأثر ہوکر شبہات وشکوک میں مبتلا ہوگئیں۔ پھر خود روا ہلِ علم ہونے کے مدعیوں کا جوابدہ ہے جو خود کو سب سے بڑا عالم سمجھ بیٹھے ہیں چاہے علمِ صحیح کی انکو ہوا بھی نہ لگی ہو۔ پھر ان اہلِ حق فرقوں کا جوابدہ ہے جو فروع میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پھر ان سادہ لوح یا یوروپ زدہ لوگوں کا جوابدہ ہے جو کم فہمی سے مسائلِ دینیہ یا علمِ دین وعلماءِ دین پر شکوک قائم کرتے ہیں۔ پھر ان تمام طلباءِ علوم کا جوابدہ ہے جو علمی اشکالات میں الجھ جاتے ہیں۔ پھر ان تمام متقی اور دیندار لوگوں کا بصورتِ افتاء جوابدہ ہے جو اپنے عمل واصلاح کیلئے مسائل دریافت کرتے ہیں۔ پھر تربیتِ باطنی میں ان حضرات کے مشکلات کا حل کرنے والا ہے جو راہِ باطن کے نشیب وفراز میں آرہے ہیں، غرض واقعی طور سے ایک انار اور سو بیمار بلکہ کروڑوں بیمار۔

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ طلباءِ علوم کے ذہنوں میں علوم کو سہل کرکے جمانا، عوامِ مسلمین کے ذہنوں میں دین کو پیوست کرنا، دوسری بلاؤں سے نجات دینا، گم گشتگانِ طریق کو راہِ ہدایت پر لانا، اخلاقِ رذیلہ سے یکسو کرنا، اخلاقِ حسنہ سے موصوف کرنا، تکدراتِ عناصر سے ارواح کو پاک کرنا، ایمان کو کامل کرانا اور پھر صیقل کرنا، نورِ باطنی کو نورِ الٰہی سے متصل کردینا بھی اسکے کام ہیں اور پھر خود بھی اعمال واخلاق میں سندِ روزگار ہو، ہر ہر سکون وحرکت شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہو، جامۂ اتباع کہیں سے مسکا ہوا کھسکا ہوا یا ڈھیلا نہ ہو، تمام عمر دین کی خدمت میں وقف کئے ہوئے ہو، تمام مصائبِ فقر وفاقہ بلکہ دار ورسن تک کیلئے ہر وقت تیار ہو مگر دین سے سرِ مو انحراف

گوارانہ ہو، سوائے دین کے کسی تجارت، صنعت، حرفت، زراعت وغیرہ میں مصروف نہ ہو، کل اوقات دین کیلئے وقف رکھتا ہو، گالیاں کھا کھا کے مشقتیں اٹھا اٹھا کے دنیا کی ہر چیز پر لات مار کے دین ودینیات میں لگا ہوا ہو۔

"غور تو کیجئے کس شان کا انسان ہے یہ" ایک شخص اور اس قدر کام؟ جہاں ایک سؤال کا جواب مشکل ایک آدمی کو مطمئن کرنا مشکل وہاں یہ عالمِ دین ہے کہ سارے جہاں کے سائلوں کا جوابدہ ہے اور تسکین بخش۔ جہاں امورِ بالا میں سے ایک ایک کام سخت ترین دشوار وہاں یہ عالمِ دین ھیکہ سب کا اہل سب کیلئے تیار بلکہ سب میں مشغول۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ایک ایک عالمِ دین کو کتنی بے پناہ قابلیت پیدا کرنی ہے، کتنی معلومات کتنی بیدار مغزی کتنی ذہانت کتنی حاضر جوابی اور کتنا تقویٰ وطہارت پیدا کرنا ہے اور اسکے لئے کتنی مدت کتنی محنت کتنی فراغت وبے فکری درکار ہے۔

غرض یہ ہے معیار، اس قابلیت کا پیدا کرنا تفقہ فی الدین ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ" (اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے (تو) اللہ تمھاری مدد کریگا) کا وعدہ اور اسکا مشاہدہ نہ ہوتا تو ایسے عالم کا وجود تصور میں بھی نہ آسکتا مگر ابھی زمانہ دور نہیں گیا حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ کے دیکھنے والے موجود ہیں حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ کے دیکھنے والے بھی بکثرت ہیں بلکہ موجودہ بزرگوں کو اب بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ سب صفات ان میں جمع ہیں اور بیک وقت یہ تمام کام انجام دے رہے ہیں اسلئے یہ معیار کوئی فرضی معیار نہیں ہے خیالی پلاؤ نہیں ہے۔ واقعی طور سے اسلام اور اسلامیات کا محافظ، دین کا نمونہ، دین کا علمبردار، وارثِ انبیاء اسی شان کا ہوسکتا ہے اور اوپر جو نام پیش کئے ہیں بحمداللہ اسی شان کے ہیں۔ جس نصاب ونظام سے یہ حضرات اس معیار پر پورے پورے اترے ہیں حق تو یہ ہے کہ وہی نصاب ونظام سارے مسلمانوں کیلئے استعمال کیا جائے کہ شاید کوئی اور بھی اللہ کا بندہ ایسا نکلے۔ اور اگر اسکو بدلا گیا تو عقلاً تو دونوں احتمال ہیں

کہ اسکے تیار کردہ لوگ اس معیار سے بلند ہوجائیں اور یہ بھی احتمال ہے اور قوی بلکہ تقریباً یقینی کہ اس معیار کے آس پاس بھی نہ پہونچ سکیں اور جو فوائد ومنافع اسلام واسلامیات اس صورت سے حاصل تھے وہ سب تمام ہوکر دین ہی دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اب آپ اس پر خود بھی غور کرلیں کہ جو ترمیمیں چودہویں صدی کے مجوزین تجویز کررہے ہیں وہ اس معیار کے قریب لانیوالی ہیں یا اس سے دور کرنے والی ہیں؟ میرا خیال یہ ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی　　　کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ہاں اگر مقصود ہی دین کو صحیح دین کی صورت میں نہ رکھنا ہوتو ترمیم ضروری ہوگی مگر اسلام کی بقاء واسلامیات کی بقاء کے طالب اسکو برداشت نہیں کرسکتے۔

جن لوگوں نے نصاب ونظام میں تبدیلی کی ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ وہ ایسے معیاری دیندار ومتقی علماء جو مذکورہ بالا سب کام انجام دے سکیں گئ تو کیا آج تک کوئی ایک بھی نہیں دکھا سکے ہیں بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ ان سے تو اور گمراہی پھیلی ہے تو وہ حق وانصاف سے بعید نہ ہوگا، دینداروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

## اس معیار کیلئے کن علوم کی ضرورت ہے

تفقہ فی الدین کے یہی معنی نہیں کہ صرف دینی مسائل معلوم کرلئے اور بس کافی ہے۔ تفقہ حذاقت ومہارت ہے اور دین احکامِ الٰہیہ ہیں جو قرآن مجید ہے اور قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث واجماع وقیاس بھی ہے ان مین مہارتِ تامہ یہ ہوگی کہ ہر ہر چیز کا پورا مفہوم ایسا تحقیقی حاصل ہو کہ اسکا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہو اور خلاف کا دلائل سے غلط ہونا ثابت کیا جاسکے۔ اجماع وقیاس تو فقہ میں مل جائیگا اور قرآن مجید کے حفظ کے بعد اسکے مفہوم کیلئے تفاسیر کی ضرورت ہے تاکہ اپنی رائے پر مدار نہ رکھا جاسکے۔ اسلئے اصل یہ تین علم ہیں تفسیر وحدیث وفقہ، باقی علوم انہی میں کمال پیدا کرنے کیلئے صرف اسباب وآلات ہیں، مشہور ہے کہ۔

علمِ دیں فقہ ست و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مگر جو علم انکے فہم کیلئے ضروری ہے وہ غیر نہیں، جسکو ان سے علاقہ نہیں ہے غیر تو وہ ہے، پھر قرآن و حدیث وغیرہ کے الفاظ کو جو عربی ہیں پوری طرح سمجھنا اور استدلالی طریق سے سمجھنا ضروری ہے۔ مفرد لفظوں میں تبدیلِ ہیئات سے کچھ تفاوت حاصل ہوتا ہے مثلاً مکان، کن، کائنات، تکوین، کانت وغیرہ ان کا فقط ترجمہ معلوم کرنا پوری سمجھ کی بات نہیں، استدلالی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے لئے ان قواعد کو معلوم کرنا ہے جو زبان سے اخذ کئے گئے ہوں اور دلیلوں کے ساتھ اخذ کئے گئے ہوں اور ہیئاتِ مفردات سے تعلق رکھتے ہوں پھر انکو خوب جاری کرنا ہے۔ ان قواعد سے تفاوت معلوم کرنا علمِ استدلالی ہے۔ سمجھ بوجھ یہ ہے اور تفقہ یہ ہوگا (۱) یہ علم صرف ہے پھر قواعدِ کلیہ سے یہ بھی راحت ہوگی کہ الگ الگ ایسے ایسے سینکڑوں لفظوں کو رٹنے کی جگہ قاعدہ کے سمجھنے سے سب ایکدم سمجھ میں آجاتے ہیں۔

پھر مفرد لفظوں میں مادہ یعنی حروف کے بدلنے سے تبدیل ہوگی اسکو (۲) لغت سے حاصل کیا جاتا ہے جو زبان کی تفتیش سے مدوّن کیا گیا ہے اور دلائل سے اسکا اثبات کیا ہوا ہے۔

پھر مرکبات یعنی ایک لفظ کا دوسرے سے تعلق بھی سببِ تبدیل مفہوم ہوتا ہے اس تعلق کو جب تک ان اصول سے جو زبان کی چھان بین کر کے دلائل قائم کر کے مدون کئے گئے ہوں معلوم نہ کیا جائے گا استدلالی اور صحیح تعلق معلوم نہ ہوگا۔ غلط معنی کرنے والے کی دلائل کے ساتھ غلطی نہیں بتلاسکیں گے۔ محض رٹ لینے سے ان مرکبات، کا علم استدلالی اور دیرپا حاصل نہیں ہوسکتا اور مشقت بھی کم نہ ہوسکے گی یہ (۳) علمِ نحو ہے۔

پھر ان مرکبات میں کوئی لفظ مقدم ہے کوئی مؤخر ہے کوئی کسی ہیئت سے کوئی

کسی شکل سے کہیں کہیں بعض الفاظ زیادہ ہیں کہیں کم ہیں کہیں ایک ہی مضمون کو ایک طرح تعبیر کیا گیا ہے کہیں اسی کو دوسری طرح وغیرہ وغیرہ پھر طرح طرح کی تشبیہات واستعارات اور عجیب عجیب صنعتیں اور رعایتیں ہیں ان سب کا تفاوت گو اصل مفہوم سمجھنے کیلئے زیادہ ضروری نہیں مگر کلام کا حُسن، وجہِ فرق اور خصوصاً قرآن مجید کا اعجاز معلوم کرنے اور آنکھوں سے دیکھنے کیلئے ضروری ہے اسکے لئے بھی قواعدِ کلیہ کی ضرورت ہے جن کا اثبات زبان سے ہوگا اور پھر ان قواعد سے یہ حسنِ کلام استدلالی ہوکر معلوم ہوگا یہ (۴) فنِ بلاغت یعنی معانی وبیان وبدیع ہے۔

گویا چاروں (۵) علمِ ادب کا جزوِ اعظم ہیں۔ مگر صرف ونحو وبلاغت کیلئے تو الگ مستقل کتابیں درس کا جز ہیں اور لغت کی کوئی کتاب درس کا جز نہیں، بجائے لغت کے ادب سے اسکا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لغات کو رٹنا بہت ہی مشکل ہے اور ادبی کتابوں میں لغات سہولت سے یاد ہوتے ہیں اسی لئے کسی زبان یا کسی قسم کی تعلیم میں سوائے شاذ کے لغات حفظ کرانے کا معمول نہیں ہے۔ ادبی کتابوں سے لغت کا ہی کام لیا جاتا ہے۔

ان علوم کی مہارت کے بعد طالبعلم ہر عربی کلام کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے پر قادر ہوجاتا ہے جس قدر مہارت زیادہ ہوگی اسی قدر کامل فہم اور تحقیقی واستدلالی فہم حاصل ہوگا چونکہ دین جیسی عظیم الشان چیز کے سمجھنے سمجھانے اور ثابت کرنے کا ان فنون پر مدار ہے اس لئے اول تو ان فنون کے اصول خوب حاصل کرا کے ذہن نشین کرائے جاتے ہیں پھر ان کو خوب جاری کرا کے مہارت بڑھائی جاتی ہے پھر اصول کا صحیح ہونا دلائل سے معلوم کیا جاتا ہے جو عقلی بھی ہوتے ہیں اور نقلی بھی پھر ان دلائل کے صحت وسقم کے اصول علومِ استدلال سے معلوم ہوتے ہیں تب ہر ہر لفظ کا مفہوم ایسا استدلالی ہوجاتا ہے جو یقینی کے قریب ہوجاتا ہے اور ایسے اہم کام کیلئے اسی طرح حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک ایک لفظ پر حکمِ الٰہی وقانون کا مدار ہے اس لئے ایک ایک حرف کو اس طرح حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسری زبانوں کی تعلیم پر اسکو قیاس کرنا ان علوم کے

کمال واستحکام کوختم کر کے دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنا ہے۔

اسکے بعد اب قرآن وحدیث کے مفرد و مرکب الفاظ اور جملوں سے احکام ومسائل کا اخذ کرنا ہے گو یہ اخذ کا کام بڑے زبردست علوم ومعارف کا ہے۔ قرآن مجید کا لفظ مع اختلافِ قرأات ومدارجِ لغات، ظاہری وباطنی مرادات، مقدم ومؤخر، ناسخ ومنسوخ اور تمام احادیثِ احکام مع تقدیم وتأخیر وحالاتِ رواۃ، ظاہری وباطنی مفہومات، راجح وغیر راجح معانی، تمام اصولِ حدیث، تمام اصولِ فقہ وغیرہ کا بروقت ذہن میں حاضر ہونا، ذہن وعقل کا اعلیٰ درجہ پر ہونا، انوارِ باطن کا کمال، خواہشاتِ نفس سے بالکل علیحدگی، حضور علیہ السلام کے عہد کا قرب، سب ضروریات کا وجود ضروری ہے اور اسکا معیار بے انتہا بلند ہے اور حضور علیہ السلام کے عہد سے بعد ہونے کی وجہ سے وہ مرتبہ اب معدوم ہوگیا ہے اور اخذِ مسائل کا تمام ضروری کام مجتہدینِ کرام نے انجام دیکر فقہ وکلام مرتب کردیا ہے اب اسکی ضرورت نہیں تھی لیکن تفقہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسائلِ اخذ شدہ کی اصل وفرع میں تعلق معلوم کرے جہاں جہاں سے اور جس جس طرح سے مسائل اخذ کئے گئے ہیں انکو معلوم کرلیں اسکے واسطے اس اخذ کے اصول جو قرآن وحدیث سے حاصل کر کے ائمۂ کرام نے مدوّن کئے تھے اور پھر انہی اصول پر اخذِ مسائل ہوا ہے یہ ایک مستقل فن (۶) اصولِ فقہ ہے اسلئے اسکی بھی ضرورت بہت ہے۔

چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ آیات کا شرح وبیان حضور علیہ السلام کے متعلق قرار دیا گیا ہے اسلئے (۷) احادیث اس وجہ سے بھی اور پھر حضور علیہ السلام کے اتباع واطاعت کا حکم جگہ جگہ ہے اسلئے بھی ضروری ہیں مگر چونکہ قرآن مجید تو حضورِ اکرم علیہ السلام کے زمانہ سے ابتک قطعی ویقینی تواتر کے ساتھ آرہا ہے اور احادیث میں تفاوت ہے بعض تواتر کے درجہ میں قطعی ہیں بعض نہیں اسلئے انکے مراتب واقسام اور اسبابِ ترجیح وغیرہ کے اصولِ صحیح جو احادیث سے اور علماء کے اتفاق سے حاصل ہوئے ہیں (۸) فنِ اصولِ حدیث ہے۔ ائمۂ مجتہدین کی محنتوں کے بعد اصولِ حدیث معلوم کرنے کی ایسی ضرورت

نہ تھی کہ مسائل کا فہم اس پر موقوف ہو کیونکہ ان حضرات نے ان اصول سے کام لیکر پرکھ کر مسائل اخذ کر کے ہمارے لئے تیار کر دیئے ہیں، اب پکی پکائی کے بعد خود پکانے میں لگنا بیکار تھا ان پر اعتماد کرنا تھا مگر تفقہ کا تقاضا ہے کہ اخذِ مسائل میں جو احادیث ماٴخذ بنتی ہیں انکی بھی کیفیت معلوم ہو، اس درمیان میں اسماءِ رجال یعنی حالاتِ راویانِ حدیث کا بھی درس میں داخل ہونا ضروری تھا مگر اسماءِ رجال کا رٹنا بھی لغت کی طرح بہت مشکل ہے اسکو احادیث کے ضمن میں قدرے قدرے بتایا جاتا ہے تاکہ بقدرِ ضرورت معلوم ہو کر بقیہ سے مناسبت ہو جائے اور جب اسکی ضرورت حدیث کو ثابت کرنے کے لئے یا کسی مباحثہ وغیرہ میں ہو تو کتابوں سے کام لے لیا جائے۔

حضور ﷺ نے قرآن کا مفہوم از خود تجویز کر لینے پر عتاب فرمایا ہے اس لئے ضروری ہے کہ خود حضور ﷺ یا حضور ﷺ کے شاگردوں سے جو (۹) تفسیریں نقل ہیں ان پر مدار رکھا جائے کہ وہ حضور ﷺ سے آئی ہوئی ہیں اسلئے انکی ضرورت ہوئی۔ قرآن وحدیث سے جو مسائل اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں انکو (۱۰) فقہ اور جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں انکو (۱۱) کلام سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ بعض مسائلِ کلامیہ کے اثبات کا تعلق دلائلِ نقلیہ کے علاوہ دلائلِ عقلیہ سے بھی ہے اسلئے کہ غیر مذہب والوں کو بھی ان سے مخاطب کیا جاتا ہے اسلئے فقہ کا یہ جز علیحدہ مستقل شمار ہو کر بھی فقہ کی طرح ضروری ہے۔

اسی طرح میراث کے احکام بھی جو فقہ کا ہی ایک جز ہے قلیل الاختلاف اور کثیر الاہتمام ہونے کی وجہ سے الگ (۱۲) فرائض کے نام سے ہو گیا ہے۔ پھر اسکے لئے (۱۳) حساب کی ضرورت ہے اسلئے یہ فن بھی قدرِ ضرورت ضروری ہوا۔

فقہ کے احکام خصوصاً نماز روزہ کیلئے اوقات اور جہتِ قبلہ کی تحقیق کرنا ضروری ہے اس لئے (۱۴) ہندسہ اور (۱۵) ہیئت کی ضرورت ہے۔

(۱۶) تاریخ پر اگر چہ کوئی بات موقوف نہیں مگر محض اسلئے کہ اکابرِ اسلام کے

مختصر سے حالات سے بھی کچھ واقفیت ہو جائے تو اس سے ازدیادِ محبت اور شوقِ عمل حاصل ہوتا ہے ایک دو کتاب تاریخ کی مناسب ہے۔

اور گاہے گاہے (۱۷) مناظرہ کا اتفاق ہو جاتا ہے اور تمام علوم میں بہت جگہ دلائل واعتراضات وخدشات وجوابات ہوتے ہیں اسکے انواع اور صحت وسقم کے قواعد معلوم ہونے کیلئے ایک کتاب اس فن کی بھی ذرا اہم ہے۔

اور چونکہ لغات کا اثبات زبان سے ہوتا ہے زبان کے دو شعبے ہیں نثر ونظم، نثر کیلئے انشاء وادب اور نظم کیلئے دیوان وغیرہ ادب کا جز ہیں مگر نظم میں وزن ہوتا ہے اسکے لئے فن کی ضرورت ہے کیونکہ نظم کے وزن کی وجہ سے ضبطِ حرکات واستعمالات واضح ہوتا ہے اسکے لئے ثبوت مل سکتا ہے تو (۱۸) علمِ عروض وقافیہ کا کوئی رسالہ بھی مستحسن ہے۔

## قرآن کے ہوتے اِن علوم کی کیا ضرورت؟

یہ بھی ایک سوال بعض لوگ کر دیتے ہیں بلکہ بعض تو اسکو یوں رنگ دیکر کہتے ہیں کہ قرآن ان علوم کا محتاج نہیں اور قرآن پر انکی حکومت نہیں چل سکتی اس سے غلط فہمی واقع ہو سکتی ہے تو عرض کرنا ضروری ہوا کہ بیشک قرآن مجید تو اسکا محتاج نہیں مگر ہم ضرور محتاج ہیں کہ قرآن مجید کو پوری طرح اور حرف حرف کو پختہ طریقہ سے سمجھ سکیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو خدائی مراد حاصل کرنے کی جگہ اپنی من مانی باتوں کو قرآن کہکر خدا تعالیٰ پر تہمت لگانا ہوگا کہ جو بات انکی نہیں اسکو انکی قرار دیا جائیگا، قرآن مجید نے اسکو بڑی برائی بتایا ہے۔ قُرْآناً عَرَبِیًّا لفظ اسکے عربی ہونے کو واضح کر رہے ہیں۔ جب تک عربی زبان کے لفظ لفظ کی حقیقت معلوم نہ ہوگی قرآن مجید کا مفہوم غلط سمجھا جائیگا اور جب تک لِتُبَیِّنَهٗ لِلنَّاسِ حضور ﷺ کا بیان کیلئے نزول اور وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ حضور ﷺ کا تعلیمِ قرآن فرمانا احادیثِ تفاسیر سے نہ لیا جائیگا خدائی مراد معلوم نہ ہوگی اور اپنی تجویز کی ہوئی مرادیں ایک تہمت سے زیادہ درجہ نہ رکھیں گی۔

بیشک دین قرآن مجید ہی ہے مگر احادیث وتفاسیر حسب حکمِ الٰہی اس کی تشریحات ہیں اور ان سب سے جو مسائل حاصل ہوتے ہیں وہی فقہ ہے۔ نہ حدیث قرآن سے الگ چیز ہے بلکہ ظاہری وباطنی تشریح ہے اسی کو تفسیر کہا گیا ہے اور نہ فقہ کوئی الگ چیز ہے قرآن وحدیث کے راجح وقوی دلائل سے جو مسائل لئے گئے ہیں وہ فقہ ہیں اسی واسطے اسلاف نے یوں کہا ہے کہ ''علمِ دیں فقہ ست وتفسیر وحدیث'' فقہ کلام وفرائض کو شامل ہے، لہٰذا دین کے اصل علوم حدیث، تفسیر، فقہ ہیں اور یہ اٹھارہ علوم انکی توضیح وتکمیل اور مقصود کو استدلالی طریق پر پوری طرح سمجھنے کیلئے ہیں جن میں سے اکثر موقوف علیہ ہیں۔

## دینی درس میں منطق وفلسفہ کیوں ہے؟

ان سب میں جب کسی مدعا پر کوئی دلیل لائی جاتی ہے اسکا تعلق جملوں سے ہوگا یا غیر جملوں سے پھر اس دلیل کے اجزاء وترتیب، اقسام وانواع اور انکی حقیقت، واقعیت وترتیب اور عقلاً انکی صحت وسقم کے اصول کو (۱۹) منطق کہتے ہیں۔ اسکے معلوم ہونے سے کلام کے مفہومات تک رسائی ہوتی ہے۔

جس طرح ہر زبان والے اپنی گفتگو میں نحو، صرف، بلاغت کو مستقل استعمال کرتے ہیں اسی طرح منطق کو برابر استعمال کرتے ہیں صرف اتنی بات ہے کہ ان علوم کا جاننے والا صحت وسقم کو معلوم کر لیتا ہے اور اسکو دلائل واصول سے ثابت کرسکتا ہے۔ ناواقف اگر عقلِ سلیم رکھتا ہے تو اسکو بھی اکثر کھٹک پیدا ہوتی ہے اور کہدیتا ہے کہ ایسے نہیں ایسے ہونا چاہئے مگر اثبات واستدلال سے محروم ہے اور اگر عقلِ سلیم اور ذوقِ صحیح بھی نہیں تو اسکو پتہ بھی نہیں چلتا جیسے نحو وبلاغت میں بھی واقف کو بصیرت ودلائل اور قوتِ اثبات حاصل ہوتی ہے ناواقف کو ذوق سے فقط بعض جگہ احساس ہوتا ہے اور بے ذوق ان سب سے محروم ہوتا ہے۔

پھر چونکہ یہ فن عقلی ہے اسلئے اس میں بحثیں بہت زیادہ ہیں انکے مطالعہ سے ذہن بھی بہت تیز ہو جاتا ہے کہ عالمِ دین کو بہت ہی زیادہ ذہین ہونے کی ضرورت ہے لہٰذا اسکے لئے اس فن کی بھی سخت ضرورت ہے مگر جب عقل پر زور بہت پڑتا ہے تو بعض لوگ گھبرا اٹھتے ہیں اور جو کامل طریق سے حاصل کرلیتا ہے اسکی بحث سے عام لوگ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اسلئے سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے یا عہدہ برآ نہ ہوسکنے کی شکست کی وجہ سے بہت لوگ اسکے مخالف ہو گئے ہیں مگر واقعہ یہ ہے جو قاعدہ مشہور ہے کہ ''اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ مَا جَهِلُوْا'' (جس چیز سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں اسکے دشمن ہوجاتے ہیں) یہی حال منطق کا ہے جو لوگ منطق نہیں جانتے انکا یہ حال ہے کہ بہت سے الفاظ بولتے ہیں اور انکے بھی حقیقی مفہوم نہیں سمجھتے۔ محال، ممکن، واجب، ممتنع، ضروری، واقعی الفاظ دن رات مستعمل ہیں مگر عوام انکی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹی سی عام مثال ہے ورنہ اسکی بے انتہا مثالیں ہیں۔ اسی لئے بعض اسلاف نے ان علماء کے علم کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھا جو منطق سے واقف نہیں۔ طحطاوی میں بعض کا قول ہے'' اَلْمَنْطِقُ مِعْيَارُ الْعِلْمِ مَنْ لَّايَعْرِفُ الْمَنْطِقَ لَايُوْثَقُ بِعِلْمِهٖ'' (علمِ منطق ہر علم کا معیار ہے جو اسکو نہیں جانتا اسکے علم پر بھروسہ نہیں) امام غزالیؒ نے بھی معیار فرمایا ہے یہ فن عقلی ہے تحقیقی ہے اسکے مسائل اور پھر مسائل کے دلائل اور پھر انکی تنقیح وتوضیح، ردوقدح اور تشریحات کیلئے اعتراضات وجوابات بہت لطیف لطیف، دقیق دقیق اور حیرتناک ہیں درجہ بدرجہ اسکی کتابیں رکھی گئی ہیں اور کئی کئی ہر درجہ میں رکھی گئی ہیں تب یہ فن حاصل ہوتا ہے۔ منطق چونکہ عقلی علم ہے اسلئے بعض اہلِ فن عقل کے زور میں حد سے نکل گئے تھے اسلام کے خلاف بہت امور بک گئے تھے اہلِ اسلام نے انکی دھجیاں اڑائی ہیں مگر اب بے ضرورت بلکہ مضر ہونے کی وجہ سے ایسے مضامین سے منطق کو پاک کرکے مسلمان کرکے نصاب میں رکھا گیا ہے۔ ایک زمانہ

(۲۰) فلسفۂ قدیم کے زوروشور کا رہ چکا ہے اسلئے ان انیس علوم کی بہت سی کتابوں میں فلسفہ کا رد ہے اس سے جو اشکالات ہوتے تھے یا ہو سکتے تھے انکی قلعی کھولی گئی ہے اور

جو باتیں فلسفہ کی دین کے خلاف تھیں یا انکو حذف کر دیا گیا ہے یا انکو ایسا رد کر کے رکھا کہ وہ قُل (پوری) سِفہ (حماقت) ثابت ہو جائیں۔ آجکل کے کالجی نصابات کی طرح نہیں کہ لادینی مضامین بھرے پڑے ہوں اور مسلمانوں کے دل ودماغ پر لامذہبیت مسلط کردی جائے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہئے کہ منطق و فلسفہ دونوں کو مسلمان کر کے لیا گیا ہے کاش کہ کالج والے بھی اپنے نصابات میں خلافِ اسلام علوم کو مسلمان کر لیتے۔

لیکن بہت سے امور فلسفۂ قدیمہ کے ایسے بھی ہیں جن سے ہمیں اپنے علوم کے اثبات میں بہت مدد ملتی ہے خصوصاً الٰہیات کی بحث اسلئے ان کتابوں سے فوائد حاصل کرنے کیلئے اور ایسے مضامین سے کام لینے کیلئے ایک آدھ کتاب رکھی جانی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ باقی علوم کی کل کتاب سے تو فائدہ اٹھایا جائے اور ان چند بحثوں کو نظر انداز کر دیا جائے جن میں فلسفۂ قدیم آ گیا ہے۔

ادھر اس فلسفہ سے بعض گمراہ فرقوں نے کام لیکر عقائد میں گڑ بڑ کی ہے کتبِ عقائد میں انکا رد ہے نقلاً تو رد ہے ہی عقلاً بھی ہے اور آج گو فلسفۂ جدیدہ کا دور ہے لیکن بہت سے لوگ ان باطل مذاہب کی باتوں کو آڑ بناتے ہیں۔ معتزلہ کا مذہب ختم ہو چکا ہے مگر نئی روشنی کے بہت لوگوں نے بعینہٖ انہی عقائد کا اظہار کیا ہے اسلئے ایک دو کتاب اس فن کی رکھنا ضروری ہے۔ بہرحال یہ سب علوم تفقہ فی الدین کو بدرجۂ کمال حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں یا معین ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلافِ علماءِ دین اور بڑے بڑے مقدس اہلِ تقوی، سراپا دین علماء نے ان علوم میں عمریں کھپائی ہیں، انکی تہذیب و تنقیح، توضیح و تشریح کی تالیفات کی ہیں ورنہ جو لوگ جاہ و مال کے طالب نہ تھے وہ اپنی عزیز عمریں یوں ضائع نہ کرتے اگر ان علوم کو ضروریاتِ دین میں داخل نہ سمجھتے تو اپنا وقت ان میں نہ لگاتے بلکہ دوسرے دینی کاموں میں صرف کرتے۔ ان مقدس حضرات کا ان علوم سے اس قدر اعتناء کرنا، اہتمام برتنا انکے علومِ دینیہ کے مقدمات ہونے کی اور علومِ دین کیلئے مفید ہونے کی کافی دلیل ہے۔

# اِن علوم کیلئے کیا کیا کتابیں ضروری ہیں

مذکورہ بالا بیس (۲۰) علوم میں سے حدیث وتفسیر وفقہ مع کلام وفرائض اصل ہیں باقی پندرہ علوم بعض موقوف علیہ اور بے انتہا ضروری اور بعض مستحسن اور بعض کم درجہ میں ضروری پھر بعض دو ایک کتابوں سے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت کتابوں سے پھر تعلیم حاصل کرنے والے کند ذہن، متوسط الذہن اور ذہین پھر بدشوق اور شوقین بھی ہوتے ہیں اسلئے حسبِ ضرورت ہر علم کی کتابیں متعدد اور درجہ بدرجہ رکھنے کی ضرورت ہے جو نصاب درسِ نظامی کے نام سے آجکل رائج ہے برسہا برس سے اسکا تجربہ ہو رہا ہے کہ اسکی سب کتابیں بہت ہی مناسب اور ترتیب نہایت ہی بہتر ہے لیکن پھر بھی یہ نصاب کوئی وحی نہیں کہ بدلا نہ جاسکے۔ مقاصدِ مدارس کو پورا کرنے والا کوئی اور نصاب کوئی صاحب تجویز کریں اور اس میں اس سے زیادہ وہ منافع جو اسکے مقاصد کیلئے ضروری ہیں دکھلائیں اسکا تجربہ کرائیں کوئی مدرسہ ایسا بنا کر دکھائیں جس میں ایسے جید علماءِ دین، متبحر، نمونۂ سلف، بزرگ، متقی، پرہیزگار، اوصافِ مذکورہ کے جامع یا حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت دیوبندیؒ، حضرت سہارنپوریؒ جیسے علماء نکلیں تب یہ کہنے کا حق ہے کہ یہ نصاب رکھو وہ نہ رکھو اگر کوئی ایسا نصاب نہیں تو لب نہ ہلانا چاہئے۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

# تفصیل وترتیبِ کتب

اجمال سے تسلی نہیں ہوتی اس لئے اس نصاب پر ایک تفصیلی نظر کی جاتی ہے ممکن ہے اہلِ انصاف اور دیندار لوگ اس پر غور فرماسکیں۔ ہمارے دینی مدارس میں

درسِ نظامی کا عربی نصاب یہ ہے:

سالِ اول:- پہلا سبق: تین ماہ تک صرف (۱) میزان الصرف ومنشعب باقی اوقات میں فارسی کی گلستاں، بوستاں، رقعاتِ عالمگیری وغیرہ تا سکندر نامہ۔ تین ماہ بعد (۲) صرف میر بعدہٗ (۳) علم الصیغہ۔ دوسرا سبق: (۴) پنج گنج بعدہٗ (۵) نحو میر۔

سالِ دوم:- سبقِ اول: (۶) شرح مائۃ عامل بعدہٗ (۷) ہدایۃ النحو۔ دوسرا سبق: (۸) فصولِ اکبری بعدہٗ (۹) تیسیر المنطق بعدہٗ (۱۰) ایساغوجی بعدہٗ (۱۱) مرقات اور تیسرا سبق (۱۲) مراح بعدہٗ (۱۳) نور الایضاح۔

سالِ سوم:- پہلا سبق: (۱۴) کافیہ بعدہٗ (۱۵) شرح جامی بحث فعل۔ دوسرا سبق: (۱۶) تہذیب بعدہٗ (۱۷) شرح تہذیب۔ تیسرا سبق: (۱۸) قدوری۔ چوتھا سبق: (۱۹) مفید الطالبین بعدہٗ (۲۰) نفحۃ الیمن صرف بابِ اول بعدہٗ (۲۱) ترجمہ پارۂ عم۔

سالِ چہارم:- پہلا سبق: (۲۲) شرح جامی بحث اسم۔ دوسرا سبق: (۲۳) قطبی تصدیقات بعدہٗ (۲۴) قطبی تصورات مع میر۔ تیسرا سبق: (۲۵) کنز الدقائق بعدہٗ (۲۶) تعلیم المتعلم۔ چوتھا سبق: (۲۷) اصول الشاشی بعدہٗ (۲۸) تلخیص المفتاح۔

سالِ پنجم:- پہلا سبق: (۲۹) مختصر المعانی۔ دوسرا سبق: (۳۰) سلم العلوم بعدہٗ (۳۱) ہدیہ سعیدیہ۔ تیسرا سبق: (۳۲) شرح وقایہ جلدین اولین بعدہٗ (۳۳) رشیدیہ۔ چوتھا سبق: (۳۴) نور الانوار۔

سالِ ششم:- پہلا سبق: (۳۵) ملا حسن بعدہٗ (۳۶) ملا جلال مع میر زاہد۔ دوسرا سبق: (۳۷) ہدایہ اولین بعدہٗ (۳۸) سراجی۔ تیسرا سبق: (۳۹) مقامات حریری ۲۵ر مقامے بعدہٗ (۴۰) سبعہ معلقہ۔ چوتھا سبق: (۴۱) مطوّل بحث ما انا قلت۔

سالِ ہفتم:- پہلا سبق: (۴۲) جلالین۔ دوسرا سبق: (۴۳) ہدایہ ثالث۔ تیسرا سبق: (۴۴) دیوانِ متنبی بعدہٗ (۴۵) حماسہ۔ چوتھا سبق: (۴۶) میبذی بعدہٗ (۴۷) تاریخ الخلفاء۔

سالِ ہشتم:- پہلا سبق: (۴۸) بیضاوی سورۂ بقرہ بعدہٗ (۴۹) مدارک پارۂ الٓم۔ دوسرا سبق: (۵۰) شرح عقائد نسفیہ مع خیالی بعدہٗ (۵۱) امورِ عامّہ۔ تیسرا سبق: (۵۲) ہدایہ رابع۔ چوتھا سبق: (۵۳) مشکوٰۃ مع مقدمہ بعدہٗ (۵۴) نخبۃ الفکر۔

سالِ نہم:- پہلا سبق: (۵۵) بخاری۔ دوسرا سبق: (۵۶) مسلم تیسرا سبق: (۵۷) ترمذی مع شمائل۔ چوتھا سبق: (۵۸) ابو داؤدٗ (۵۹) نسائی بعدہٗ۔ پانچواں سبق: (۶۰) ابنِ ماجہ بعدہ (۶۱) مؤطا امام مالک (۶۲) مؤطا امام محمد۔ چھٹا سبق: (۶۳) طحاوی۔

سالِ دہم:- پہلا سبق (۶۴) اقلیدس بعدہٗ (۶۵) تصریح بعدہٗ (۶۶) چغمینی بعدہٗ (۶۷) سبع شداد۔ دوسرا سبق: (۶۸) صدرا بعدہٗ (۶۹) شمسِ بازغہ بعدہٗ (۷۰) خلاصۃ الحساب۔ تیسرا سبق: (۷۱) حمداللہ بعدہٗ (۷۲) قاضی مبارک۔ چوتھا سبق: (۷۳) رسم المفتی بعدہٗ الاشباہ والنظائر (۷۴) درِ مختار۔ پانچواں سبق: (۷۵) توضیح تلویح بعدہٗ (۷۶) مسلم الثبوت۔ لیکن مناسب ہو کہ سالِ دہم کی کتابیں نہم کی جگہ اور نہم کی دہم کی جگہ رکھیں تاکہ حدیث پڑھنے کے وقت تمام ضروری و مفید کتابیں مکمل ہو چکیں۔ لیکن کسی طالبِ علم کو کوئی مجبوری ہو تو وہ اسی ترتیب پر پڑھ لے۔

## ترتیبِ کتب کی مصلحتیں

اوپر علوم کے بیان میں گذر چکا ہے کہ فلاں فلاں علوم قرآن وحدیث کے

کما حقہٗ سمجھنے کے لئے ضروری ہیں اور فلاں فلاں علوم مفید ذہین اور فلاں فلاں براہِ راست ضروری و مفید نہیں مگر علوم ضروریہ یا مفیدہ کے لئے ضروری و مفید ہیں۔ اب ان علوم کی مندرجہ بالا کتابیں ترتیب مذکورہ کے ساتھ داخلِ نصاب ہیں۔ چونکہ ہر علم میں اصول و قواعد اور پھر اصول کے دلائل کی ضرورت ہے اور پھر دلائل کی صحت و تقسم کے معیاروں کی ضرورت ہے اس لئے جو علوم زیادہ ضروری یا مشکل تھے ان کی کتابیں کئی کئی رکھی گئی ہیں تا کہ ذہین، غبی، متوسط ہر طبیعت والے کا کام چل سکے۔

علمِ صرف میں سب سے پہلے ''میزان و منشعب'' صرف ایک سبق رکھا ہے جو فارسی کی '' گلستاں'' کے ساتھ ہوگا اور اسکے ہمراہ دوسری فارسی کتابیں بھی جاری رہیں گی تا کہ فارسی استعداد کافی رہے اور یہ اور آئندہ کتابیں اچھی طرح ضبط ہوسکیں۔ میزان و منشعب میں بغیر تعلیل کے افعال اور انکے ابواب اور صیغے ہیں جب یہ ذہن نشیں ہو جائیں تب تغیرات و تعلیلات کے واسطے دو سبق ''پنج گنج'' و ''صرف میر'' دے دی جاتی ہیں تا کہ تعلیلات حاصل ہوسکیں پھر اسکے بعد ''علم الصیغہ'' ہے کہ صرف میر و پنج گنج میں تعلیلات اور گردانوں کی جو کمی رہ جائے وہ بھی پوری ہو جائے اور قواعد کا ضبط سہل ہو جائے اور ابتدائی تدریس میں مدرس کچھ کچھ دلائل ان اصول کے بیان کرتا رہے۔ اب چونکہ مفردات کی ہیئات کے متعلق کافی ذخیرہ ہو جائیگا اسلئے **ساتھ میں نحو کا** ابتدائی رسالہ'' نحوِ میر'' بھی دیا جاتا ہے کہ نفسِ مسائلِ نحو میں کافی واقفیت ہو جائے۔ لفظوں کے باہم ربط کے طریقے معلوم ہو جائیں۔

پھر سالِ دوم میں'' فصولِ اکبری'' جس میں اصول زائد بھی ہیں، قابلِ ضبط بھی اور مختصر بھی۔ اور تعلیم میں ہر مسئلہ کے دلائلِ عقلیہ پر بھی زور دیا جاتا ہے اور ''مراح الارواح'' سے اسکی تکمیل کر کے صرف کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ نحو کے مسائل جو نحوِ میر میں حاصل ہوئے تھے انکو'' شرح مائۃ عامل'' میں جاری کیا جاتا ہے جس کو ترکیب کرنا کہتے ہیں اس اجراء کے بعد مکمل مسائلِ نحو سادہ طریق سے'' ہدایۃ النحو'' میں دیئے

جاتے ہیں جس میں اصول زائد اور مکمل ہیں اور اجراء کی مشق کا سلسلہ جو یہاں سے سالِ چہارم تک برابر چلتا ہے جاری ہوتا ہے جس سے مسائل واصول کی پختگی وکمال ہوتا رہتا ہے ادھر صرف کی عربی عبارت کی کتاب ''مراح'' عربی ترکیب کے اجراء کے ساتھ دی جاتی ہے تاکہ فہم میں سہولت ہو۔ اور صرف کا سلسلہ ختم ہونے پر منطق کے کچھ مسائل بہت سہل اردو میں رسالہ ''تیسیر المنطق'' پھر کچھ روز بعد ''ایساغوجی'' پھر اس میں مزید ترقی کیلئے ''مرقات'' دی جاتی ہے۔ شرح مائۃ عامل کے کچھ حصہ کے ہو جانے کے بعد عربی میں منطق کے مسائل سہل سہل عبارت کے ایساغوجی میں پھر ہدایۃ النحو کے ساتھ مرقات میں آسان رہتے ہیں اور ہدایۃ النحو سے عبارت حل کر سکنے کے ملکہ کا آغاز ہو جاتا ہے اسلئے عربی فقہ کی پہلی کتاب ''نور الایضاح'' جس میں صرف عبادات ہیں دی جاتی ہیں۔ سالِ سوم میں نحو میں ''کافیہ'' ہے جس میں ہدایۃ النحو کے مسائل اسی ترتیب پر ملتے ہیں مگر نحوِ میر و ہدایۃ النحو کے مسائل کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب مسائل کے ساتھ دلائل اور تکمیلِ اجراء و نحو کیلئے عبارت پر سوال و جواب زبانی بتانے شروع ہو جاتے ہیں اسکے بعد ''شرح جامی'' کی بحث فعل چونکہ بحث اسم سے آسان ہے وہ دی جاتی ہے اس سے کافیہ و ہدایۃ النحو کی بحث فعل کے مسائل کے دلائلِ عقلیہ و نقلیہ جو کافیہ میں زبانی تھے یہاں کتابی شکل میں آتے ہیں اور کلام کے نکات سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنے کیلئے رفتہ رفتہ یہ بھی بیان ہوتا رہتا ہے کہ شارح کی عبارت میں جو اضافہ متن پر ہے اس سے کیا غرض ہے بغیر اسکے کیا ایہام یا اشکال ہوتا تھا۔ گاہ گاہ بحث فعل کے بعد ''الفیہ ابنِ مالک'' بھی ہوتا ہے جو مزید مسائل پر بھی مشتمل ہے اور نظم ہونے کی وجہ سے سہل الحفظ بھی ہے۔ عبارت کی استعداد یہاں تک پہونچنے پر منطق میں ''تہذیب'' جو بہت مختصر متن ہے اور مسائلِ منطق کو مختصر و مہذب کر کے لکھا گیا ہے پھر اسکی شرح (شرح تہذیب) پڑھائی جاتی ہے جس میں ان مسائل کے دلائل ہیں مگر مختصر طریق سے ہیں اور سہل سہل ہیں۔ چونکہ فن عقلی ہے، عقلی ورزش کا بھی کام دیتا ہے اسلئے اول اول تھوڑے اور ہلکے ہلکے اردو میں مسائل تھے پھر ذرا زائد عربی میں مختصر سے ایساغوجی میں پھر ذرا مفصل مسائل

مرقات میں پھر استحضار کیلئے مختصر ومہذب مسائل تہذیب میں پھر ان مسائل کے سہل ومختصر دلائل شرح تہذیب میں یہاں تک آتے ہیں ادھر فقہ میں کل ابواب پر مشتمل کتابِ سہل بلا اہتمامِ دلائل ''قدوری'' ہوتی ہے۔ اور عبارت سے واقفیت کی بناء پر ہیأتِ مفردات صرف میں کل حاصل ہوچکیں اور مع دلائل ہوچکیں، نحو میں مرکبات کے تعلقات یعنی ترکیب کے اصول مع کچھ کچھ دلائل کے آچکے تو اب مادۂ مفردات یعنی لغت کیلئے ادب کا رسالہ ''مفید الطالبین'' پھر اسکے بعد ''نفحۃ الیمن'' پھر اسکے بعد اسی طرح ادبی طریق سے ''ترجمہ قرآنِ شریف پارۂ عمّ'' کہ صرف ونحو بھی جاری ہو، لغات کے استعمالات پر بھی نظر ہوکر کلامِ الٰہی کے حقیقی مفہوم کے حاصل کرنے کی مشق ہوجائے اس طرح اس سال میں صرف کے ختم ہونے کے بعد نحو ولغت یعنی ادب وحلِّ عبارت وفہمِ کلام کا کافی کام ہوجاتا ہے اور منطق بھی مع مختصر دلائل ہوجاتی ہے۔

سالِ چہارم میں نحو کے مسائل پر وہ دلائل جو کافیہ میں زبانی آئے اب شرح جامی میں اسی ترتیب سے کتابی شکل میں عقلی ونقلی مزید نکاتِ دقیقہ کے ساتھ آئینگے۔ دلائلِ نحو مکمل ہوچکے نحو ختم ہوگئی مگر یہاں ہر ہر لفظ پر یہ بحث زبانی ہوتی ہے کہ اس کے اضافہ کی غرض کیا ہے، اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو عبارت میں کیا خلل ہوتا اور اس لفظ کے فوائد ومنافع کیا ہیں۔ اس سے ہر کلام کے ایک ایک لفظ کا ہر ہر نکتہ معلوم کرنے کا ملکہ پیدا ہوکر ہر کلام کو پوری طرح سمجھنے کا کامل سلیقہ پیدا ہوتا ہے اسی لئے ان مدارس کے صاحبِ استعداد طلبہ وعلماء کو آجکل کے کم استعداد اردو لکھنے والے لوگوں کی کوئی تصنیف پسند نہیں آتی کیونکہ وہ لغو وحشو، بے فائدہ وطویل، بے جوڑ اور بے ضرورت عبارتوں پر بہت مشتمل ہوتی ہے گو کم فہم لوگوں نے اس کا نام ادب رکھدیا ہو چنانچہ جن اہلِ علم میں زمانہ کی طویل گوئی کا اثر نہیں آیا انکے کلام کو آپ بہت مختصر اور ہر پہلو کا جامع دیکھیں گے جو آجکل مفقود ہوتا جارہا ہے۔ پھر دلائل کے صحت وسقم کا علم الاستدلال شرح تہذیب مع مختصر دلائل ہوچکا تھا اب دلائل کی تفصیل کا نمبر آتا ہے مگر چونکہ قطبی کی تصدیقات کی

بحثیں بہ نسبت تصورات کے آسان ہیں انکو پہلے رکھا گیا ہے اور تصورات کو بعد میں۔
قطبی میں مسائل کے دلائلِ اصول و مسائل کی مکمل تہذیب و تنقیح نہایت تفصیل سے ہے
پھر میر قطبی میں مزید تنقیحات ہیں اور زورِ کلام صرف تصورات میں ہے اسلئے میر کے
صرف تصورات داخلِ درس ہیں۔ فقہ میں تمام مسائل سادہ قدوری میں ہو چکے تھے
"کنزالدقائق" میں مسائل وصورتہائے مسائل کے ساتھ مسائل کے دلائل زبانی بیان
ہوتے ہیں اور بعد میں چھوٹا سا رسالہ "تعلیم المتعلم" جس میں طلبہ کو طلبِ علم کے
بعض اصول بتائے ہیں، یہ رسالہ تکمیلِ طلب اور تشویقِ علوم کے لئے دے دیا گیا ہے۔
پھر چونکہ قدوری میں مسائلِ فقہ تمام مختصر اور سادہ طریق سے معلوم ہو چکے تھے ادھر نحو
وصرف اور ادب کا بھی کافی کام ہو چکا ہے، اصولِ فقہ کے سادہ مسائل کی کتاب "اصول
الشاشی" دی جاتی ہے کہ مسائل کچھ پہلے معلوم ہو چکے کچھ اب کنز میں ہو رہے ہیں لہٰذا
اصولِ استنباط واخذِ مسائل معلوم ہوں اور انکی مثالوں کا فہم آسان ہو اور چونکہ فن کی
پہلی کتاب ہے اسلئے سہل کتاب لی گئی ہے اور نحو وصرف ولغت کی وجہ سے اسکا حاصل کرنا
اب سہل بھی ہو گیا ہے اسکے بعد فنِ بلاغت کی پہلی کتاب وہ کتاب ہے جس میں مسائل
بلا دلائل مگر تنقیح وتہذیب کے ساتھ بہترین ترتیب سے جمع ہے دی جاتی ہے۔ صرف ونحو
ولغت کے اس قدر کام کے بعد یہ مختصر کتاب "تلخیص المفتاح" سہل الحصول ہو جاتی ہے
اسکی مثالوں کے اشعار اب سہل ہوتے ہیں اسلئے اس سے پہلے نہیں دی گئی۔ سالِ پنجم
میں جبکہ صرف سے مدت ہوئے فراغت ہو چکتی ہے، نحو کی تکمیل ہو چکتی ہے، بلاغت کے
مسائل تلخیص میں مع مثالوں کے آچکے تو اب انکے دلائلِ مختصرہ وتنقیحاتِ جدیدہ پر مشتمل
کتاب "مختصر المعانی" جو تلخیص کی شرح ہے دی جاتی ہے تاکہ جس ترتیب سے تلخیص
میں آئے تھے وہی ترتیب رہ کر سہولت ہو۔ اور دلائل کا مدار منطق پر بھی ہوتا ہے جو
علم الاستدلال ہے یہ قطبی ومیر قطبی میں مع دلائل آچکے ہیں اسلئے اب اسکے دلائل ذہن
نشین ہو سکینگے پھر منطق کے مسائل کی عجیب وغریب تنقیحات کیلئے "سلم العلوم" ہے۔
اور دلائل ومسائل کی بھی کچھ تنقیحات کتاب میں آچکی ہیں اب ذہنی ورزش کا اعلیٰ دور

شروع ہوتا ہے اسکے بعد ''ہدیۂ سعیدیہ'' فلسفۂ قدیم میں سہل الحصول کتاب ہے کہ آئندہ کتابوں کیلئے اور ذہنی ترقی کیلئے ایک نیا زینہ ملتا ہے۔ فقہ میں تمام مسائل قدوری و کنز میں آچکے تھے کنز میں کچھ کچھ دلائل زبانی تھے شرح وقایہ میں زیادہ پیش آنے والے مسائل مثلاً عبادات و نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل کے دلائل احادیث و قیاس کے ملتے ہیں، بہت سہل عبارت ہے۔ اور اصول الشاشی میں اصولِ اخذِ مسائل سے قدرے واقفیت ہو چکنے سے یہ دلائل قریب الحصول ہو جاتے ہیں چونکہ اب فقہ کے دلائل کتابی شکل میں آگئے اور مقصود فقہ تھا اسلئے دلائل پر اعتراضات و جوابات یعنی فنِ مناظرہ کی ایک کتاب مناسب ہوئی یہ ''رشیدیہ'' ہے۔ اصولِ فقہ کے مسائل وقواعد اصول الشاشی میں سادہ آئے تھے ''نور الانوار'' میں مختصر دلائل اور توضیح و شرح کے ساتھ دیئے جاتے ہیں تاکہ آئندہ کتب کیلئے بھی سہولت ہو اور فن کے مسائل کی تکمیل و مہارت میں معین ہو۔

بلاغت میں مسائل و دلائل کی تکمیل پر تفصیلی بحث کیلئے ''مطول'' ہوتی ہے زیادہ تفصیل جہاں تک ہے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور اصولِ فقہ میں ''حسامی'' ہے جس سے مسائل و دلائل کی تکمیل مقصود ہے۔ منطق میں ''ملاحسن'' رکھی گئی جس میں نہایت دقیق و باریک بحثیں ہیں ان بحثوں کا تعلق فلسفہ سے بھی ہے اسلئے ہدیہ سعیدیہ پہلے ہو جاتی ہے اور عقلی کام زیادہ ہے اسلئے صرف و نحو و بلاغت کی کل یا کافی مقدار کے بعد ہے تاکہ ذہن صرف عقلیات کی طرف متوجہ ہو سکے۔ فقہ میں دلائلِ فقہ کیلئے ''ہدایہ'' کی اول دو جلدیں ہیں جن سے احادیث و قیاس کے دلائل معلوم ہوتے ہیں اور اصولِ فقہ میں اصول الشاشی و نور الانوار پہلے اور حسامی ہمراہ ہونے سے ان دلائل کو خوب سمجھا جا سکتا ہے۔ علم الفرائض مختصر فن ہے زیادہ اختلافی نہیں ہے پھر قدوری و کنز میں بھی معمولی طور سے آچکتا ہے اسلئے اسکی صرف ایک کتاب کافی ہے ''سراجی'' اس سے مشق کرا کے فرائض نکالنے کی عادت ڈال دی جاتی ہے اسکے لئے جس قدر حساب کی

ضرورت ہے وہ درجۂ فارسی میں حاصل کرادیا جاتا ہے ورنہ اس وقت اسکو ہر شخص حاصل کرسکتا ہے۔ صرف ونحو اور لغت پہلے بھی کافی ہو چکتا ہے مگر چونکہ عربی ایک وسیع زبان ہے اسکی لغات کے واسطے "مقاماتِ حریری" ایسی کتاب رکھی گئی ہے جس میں لغات کی بے انتہا بھر مار ہے اور مضامین بھی ادبی کتابوں کی طرح غیر اہم ہیں کہ ذہن کو مضامین کی طرف کوئی توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تاکہ بیک وقت دو طرف توجہ ہو کر ذہن کو تشویش نہ ہو بس صرف لغات اور انکے طرزِ استعمال پر توجہ رہتی ہے اسکے پچیس مقامے اس کام کیلئے بہت کافی تھے اسلئے باقی پچیس کو خارج رکھا گیا ہے کہ عام استعمالات کے الفاظ تقریباً انہی میں سب آجاتے ہیں۔ اسکے بعد زمانۂ جاہلیت کی شاعری کے سات قصائد کا مجموعہ "سبعہ معلقہ" جو سب اشعار سے افضل قرار دیا گیا ہے پڑھایا جاتا ہے کہ نظم کے استعمالات اور رعایات پر بھی کچھ عبور ہو اور کلامِ الٰہی کے استعمالات و رعایات سے واقفیت ہو۔ گاہ گاہ اسکے ہمراہ سکاکی کا رسالہ "عروض المفتاح" وغیرہ بھی رکھا جاتا ہے تاکہ محاورات و استعمالات پر جو نظم سے استدلال کیا جا سکتا ہے خصوصاً بعض لفظوں کی حرکات پر تو انکا مدار وزن پر ہوتا ہے، تاکہ تقطیع کرسکیں اور حرکت وزن کے علم سے مستحکم ہو جائے۔

سالِ ہفتم میں صرف، نحو، بلاغت، ادب، نثر و نظم کے فنون کے بعد "جلالین" وہ تفسیر دی جاتی ہے جو نہایت مختصر طریق سے قرآن مجید کو حل کرتی ہے اور تمام تفسیروں میں سے اہم ترین اور راجح تفسیروں کو بہت اختصار سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ علومِ مذکورہ کی وجہ سے قرآنِ مجید کے اکثر حصہ کو خود حل کرنے کے قابل پہلے سے ہو جانا لازمی ہے صرف تفسیری مرادات کی ضرورت رہتی ہے اور شانِ نزول، مسائل، قصصِ قرآنیہ، دوسری تفاسیر اور اختلافی مسائل پر استدلال و جواب مدرس کرتا ہے۔ اجمالی عبور اس کتاب سے ہوتا ہے۔ فقہ میں "ہدایہ" کی تیسری جلد ہمراہ ہوتی ہے تاکہ دلائلِ مسائلِ فقہ کا بقیہ بھی حاصل ہو۔ اور ادب میں "دیوانِ متنبّی" متأخرین شعراء کے

کلام میں سے مایۂ ناز کلام اور اسکے بعد ''حماسہ'' قبلِ اسلام و آغازِ اسلام کے وقت کے شعراء کا منتخب کلام پڑھایا جاتا ہے تاکہ ادبِ نظم کی تکمیل ہو جائے اور کلام کے نشیب و فراز سے واقفیت ہو، حسن و قبح کی ضروری تمیز ہو اور کلام اللہ و کلامِ رسول کو پوری طرح سمجھنے اور انکے محاسن کے ادراک میں بصیرتِ کامل حاصل ہو۔

البتہ ان مدارس میں یہ خرافات نہیں کی جائیں گی کہ شعری عیوب و نقائص پر گفتگو ہو کیونکہ اس سے اصل مقصد کو کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے نقد الشعر کی کوئی کتاب داخلِ نصاب نہیں اور شاعری جیسے کم فائدہ، بہت مضر کام میں الجھانا اصل سے غافل کرنا بھی مقصود و منظور نہیں ہے۔

فلسفہ کی ایک سہل و ابتدائی کتاب نفسِ مسائل کی ہدیہ سعیدیہ پہلے ہو جاتی ہے مگر علمِ کلام کے مضامین اور کتبِ علمیہ و بعض تفاسیر میں فلسفہ کے مباحث ہیں انکے لئے فلسفہ کی ضرورت ہے اور فلسفہ کا ربط منطق کی دقیق کتابوں سے ہے اسلئے ملاحسن ہو چکنے کے بعد ''میبذی'' رکھی گئی ہے۔ تاریخ گوئی کوئی معتد بہ اور ضروری فن نہیں ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ عرض کیا جائیگا مگر اکابرِ اسلام کے حالات معلوم ہونے سے طبائع کو محبت اور شوقِ عمل پیدا ہوتا ہے اسلئے ''تاریخ الخلفاء'' صرف ایک کتاب مناسب معلوم ہوئی۔

سالِ ہشتم میں تکمیلِ تفسیر کیلئے بیضاوی تا سورۂ بقرہ کہ تفسیری مباحث یہیں تک زیادہ ہیں آگے مختصر حل رہ جاتا ہے اور ایسے ہی مدارک پارۂ الٓم ہے۔ گاہ گاہ تفسیرِ اتقان و کشاف اور اب دورۂ تفسیر میں تفسیر ابنِ کثیر مکمل و تفسیرِ بیضاوی کامل وغیرہ بھی داخل ہے گو انکی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ کلامِ الٰہی کا تفسیری حل جلالین میں ہو چکتا ہے اور الفاظِ مفردہ کا صرف و لغت یا ادب میں اور مرکبہ کا نحو و بلاغت میں اور اخذِ مسائل کا اصولِ فقہ میں اور عقلی دلائل کا منطق وغیرہ میں حل ہو چکتا ہے مگر جبرِ نقصان اور مزید معلومات کیلئے یہ کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ علمِ کلام جو فقہ کا عقائد والا جز ہے اس کیلئے اول شرح عقائد نسفیہ جس میں عقائد و مختصر دلائل ہیں انکی تکمیل کیلئے ''ہدایہ رابع'' اور اب

تمام علومِ ضروریہ کے کافی مقدار میں ہو جانے پر حدیث کی مختصر و جامع کتاب ''مشکوٰۃ''
دی جاتی ہے جس میں صحاحِ ستہ اور دوسری کتابوں کا انتخاب ہے بلاسند نفسِ حدیث ہے
اسکے درس میں مدرس مذاہب و دلائلِ مذاہب اربعہ و ترجیحِ راجح سے مختصراً روشناس
کراتا جاتا ہے اس کتاب سے درسِ حدیث کا آغاز ہے اسلئے اسکے ساتھ اصولِ حدیث
کیلئے اول سہل وسادہ کتاب ''مقدمہ مشکوٰۃ'' مصنفہ حضرت شیخ عبدالحقؒ پھر ذرا
مفصل و مدلل ''نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر'' ہوتی ہے ان مختصر اصول کیلئے صرف دو کتابیں
کافی ہیں مزید کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر سالِ نہم میں دورۂ حدیث، تمام صحاحِ ستہ مع دیگر کتبِ حدیث ہوتی ہیں
جن میں ایک ایک حدیث پر روایت و درایت اور اخذِ مسائل و اسماءِ رجال، اختلافات
و دلائل اور ترجیحِ راجح کی مفصل و مدلل بحثیں اثناءِ درس میں ہوتی ہیں۔ چونکہ طلبہ عبارت
کے مفرد و مرکب کے تمام پہلوؤں میں مہارت حاصل کر چکتے ہیں اور حدیث شریف کی
عبارت اکثر سہل ہے اسلئے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مشکل مقامات کے حل پر اکتفا
ہوتا ہے اور باقی مباحثِ بالا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ کتبِ احادیث میں ابواب ملتے جلتے
ہیں لہٰذا سب کا ایک سال میں ہونا اسلئے معین ہوتا ہے کہ ایک ساتھ سب کے مضامین
حاصل ہوں ایک سے دوسرے کو مدد ملے سوائے بعض خصوصیات کے اور سب مشترک
مضامین ایکدم سہولت سے حاصل ہوں۔ ایک سبق میں ایک مدرس کے یہاں تحقیقات
ہوئیں دوسرے میں دوسرے کے یہاں اس طرح سب الگ الگ کہیں نہ کہیں کی کوئی نہ
کوئی بات ضرور محفوظ رہیگی اور وہ سب جگہ کار آمد ہوگی۔ مکرر بلکہ کئی بار بھی ہوگی اسلئے
ذہن نشین بھی ہونگی۔

سالِ دہم میں سمتِ قبلہ، اوقاتِ نماز و روزہ وغیرہ مسائل کیلئے ''اقلیدس'' و
''تصریح شرح چغمینی'' و ''سبع شداد'' اور فلسفہ کے مباحث کی بصیرت کیلئے مختصر سا
''صدرا'' و ''شمس بازغہ'' اور حساب کی تکمیل کیلئے ''خلاصۃ الحساب'' منطق کے دقائق

کی تکمیل کیلئے ''حمداللہ'' و ''قاضی مبارک'' افتاء کی مشق کیلئے مشقِ افتاء اور اصول کیلئے ''رسم المفتی'' معلومات وترجیحات کیلئے ''درمختار'' اصولِ فقہ کی تکمیل اور تفصیلِ دلائلِ اصول اور تنقیح وتوضیحِ تام کیلئے توضیح تلویح ومسلم الثبوت ہوکر تمام نصاب ختم ہوجاتا ہے۔

اب ذرا آپ غور سے دیکھئے کہ جس قدر علوم کی ضرورت تھی یا جس قدر علوم علمِ دین کیلئے مفید تھے انکی سادہ مسائل کی پھر مختصر دلائل کی پھر مفصل دلائل کی تنقیح شدہ کتابیں پہلے سہل سہل پھر درجہ بدرجہ دقیق ومشکل اور دقیق ومشکل کیلئے دوسرے علوم کی جس قدر استعداد کی ضرورت ہے اسکے بعد انکو رکھنا اور نہایت سہولت سے انتہائی مدارج پر قابلیت کو پہونچانا کیسی عمدہ ترتیب کے ساتھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے۔

اور اس نصاب میں برکات اسکی بھی ہیں کہ بہت مصنفین اہل اللہ ہیں جن کا ہر لفظ انوار میں گھرا ہوا ہے اور پھر فن کے ماہر ومجتہد۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس نصاب کو پوری طرح رغبت وشوق اور کافی محنت سے حاصل کرلیتا ہے پھر تقویٰ وطہارت سے اسکے باطنی جز کو بھی پورا کرلیتا ہے وہ دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتا ہے وہ گدائی سے لیکر بادشاہی تک ہر کام کا اہل ہوتا ہے بشرطیکہ دین کی خدمت پر دوسری کسی خدمت کو ترجیح دیدے مگر کامل سے ایسا ہوتا نہیں۔

جو نقص دینی یا علمِ دین کا آپ محسوس کررہے ہیں وہ اوپر کے ذکر کردہ موانع کی وجہ سے، نصاب ونظام کی پوری طرح تکمیل نہ ہونے سے واقع ہوتی ہیں۔ اصلاح کی صورت اسکی پوری طرح تکمیل کرانا ہے پھر آپ دیکھیں گے کہ ہر شخص غزالیؒ ورازیؒ، جنیدؒ وشبلیؒ یا قریب زمانہ کا شاہ ولی اللہؒ وشاہ عبدالعزیزؒ یا کم از کم عصرِ حاضر کا شیخ الہندؒ وحکیم الامتؒ ثابت ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جو بھی اس علمِ دین کے معیاری درجہ پر کامل یا اسکے قریب قریب کوئی عالم باعمل، جامعِ ظاہر وباطن، کامل علم وعمل والا، حق وتحقیق سے بہرہ مند ہند وپاک

یا بیرونِ ہند میں ملے گا وہ آپکو اسی نظام ونصاب کا پروردہ ملے گا ورنہ پھر یا علم میں کمزور ہوگا یا سطحیات واغلاط میں مبتلا ہوگا یا جادۂ حق سے ہٹا ہوا یا تحقیقات میں کمزور ہوگا۔ جو کمال اس نصاب کی تکمیل کا ہے وہ دوسروں کو میسر ہی نہیں۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

کہ ایک ہاتھ پر شریعت کا جام ایک ہاتھ پر عشق کا گھن، ہر ہوس والا یہ کھیل نہیں جانتا پھر بھی کسی ایک دو کتاب میں تجربہ کار لوگ جو دن رات اسی تجربہ میں لگے ہوئے ہیں اگر ترمیم مناسب سمجھتے ہیں ترمیم کر لیتے ہیں لیکن بہت تعجب کی بات ہے کہ ترمیم پر زور دینے والے وہ لوگ ہیں جنکو درس وتدریس کا مشغلہ حاصل نہیں اور ترمیم بھی اس قسم کی کہ جس سے اصل مقصود ہی غائب ہو جائے نہ اسلامیت ودینداری اہلِ علم میں رہے نہ پھر اسلام پھیلے اور جو اسلام رہ گیا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

## فارسی

فارسی زبان کا حاصل کرنا نہ فرضِ عین علم کے لئے ضروری ہے نہ فرضِ کفایہ یعنی تفقہ فی الدین کے لئے البتہ علومِ مذکورہ بالا کی ابتدائی کتابیں فارسی زبان میں ہیں ان کے اس قدر فارسی حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ طالبِ علم ان کتابوں کو سمجھ سکے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی کل کتابوں کو درس سے حذف کر دیا جائے اور ان کی جگہ وہ کتابیں رکھی جائیں جن میں اردو میں یہ علوم ہوں اور ایسے ہی ہر ہر جگہ مادری زبان میں ہوں۔ اگر ایسی کتابیں موجود نہیں تو تصنیف کرائی جا سکتی ہیں مگر اول تو بقیہ کتبِ نصاب کی ہر جگہ یکسانیت کی وجہ سے مناسب یہ ہے کہ ابتدائی حصہ بھی یکساں رہے اگر مادری زبان میں کیا گیا تو ہر زبان میں الگ الگ کتابیں درکار ہوں گی، دنیا کی سیکڑوں زبانوں میں لکھی جائیں گی۔ دوسرے فارسی زبان نہایت مختصر زبان ہے اس کے بھی

اصول وقواعد مدون ہو چکے ہیں اس کو حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ اور بہت سی باتوں میں عربی کے شریک ہے بلکہ فارسی کتابوں میں اکثر عربی الفاظ ومحاورات رائج ہیں اور بہ نسبت اردو وغیرہ کے بندشوں اور دیگر استعمال میں عربی سے زیادہ مشابہ ہے اس کے حصول سے عربی سے مناسبت اور اس میں سہولت ہوتی ہے۔ تیسرے چونکہ فارسی زبان اسلامی سلطنت میں حکومت کی زبان رہ چکی ہے اس لئے اس میں بہت سے علوم ومعارف کا بہترین ذخیرہ ہے اس کے ترک سے وہ سب ذخیرہ ترک ہوتا ہے۔ اس وقت تو معمولی توجہ سے وہ سب کارآمد ہوسکتا ہے ورنہ فارسی دنیا سے اٹھتی جارہی ہے تو یہ سب کتابیں ناقابلِ استفادہ ہوجائیں گی اور مسلمان کے بہت سے علمی خزانے ضائع ہوجائیں گے۔

## نصاب کا باطنی جز

جس تفقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ اور مہارتِ کاملہ کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت شریف میں حکم دیا ہے اس کے لئے صرف یہ علوم اور یہ نصاب پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ باطنی طریقہ پر بھی دین کی سمجھ پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ تفقہ نہایت کا صیغہ ہے جس کا خاصہ بہت مشقت کے ساتھ سمجھ حاصل کرلینا نہیں خوب محنت ومشقت سے سمجھ پیدا کرنا ہے جو ظاہری علوم سے تو اس طرح ہوگی جس طرح اوپر عرض کیا گیا اور پھر باطنی علوم سے اس کی بھی تکمیل ہوگی اور نور باطن بھی عطا ہوگا۔ لہٰذا عالم دین بننے کے لئے بچپن سے ''نیک صحبت'' کی ضرورت ہے بچوں کے والدین کو ہمیشہ یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے اور اہلِ مدارس کو مدرسوں کے لئے ان معلمین کا انتخاب کرنا چاہئے جو صاحبِ نسبت، صاحبِ باطن، ذاکر، شاغل ہوں اگر سب مدرس ایسے نہ ہوں تو اکثر ورنہ کچھ تو ضرور ہی ہوں اور باقی بھی نہایت متقی پابندِ شرع ہوں اگر ایک بھی تقویٰ سے ہٹا ہوا ہوگا تو وہ سب کو تباہ کردے گا۔ ایک من پانی کو ایک قطرہ پیشاب ناپاک کردیتا ہے تمام بزرگوں کی صحبت کو اس ایک کا فسق کافور کردے گا الا ماشاء اللہ۔

پھر "طلباء" کے پابندِ شرع ہونے کی پوری نگرانی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے علوم تقویٰ کے سایہ میں بڑھیں اور جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ (جو عمل کریگا اپنے سیکھے ہوئے پر اللہ تعالیٰ اس کو وہ علوم دیں گے جو وہ نہیں جانتا) ان کے علوم تحصیلی علومِ لدُنیہ سے مشرف ہوکر کمال حاصل کریں گے۔ اساتذہ و منتظمین خلوصِ نیت کی تلقین فرماتے رہا کریں تاکہ خلوصِ کامل پیدا ہوکر علوم کا کمال بھی حاصل ہو۔ بغداد میں ہارون رشید نے جب مدرسہ نظامیہ جاری کیا جس کی طرف یہ درسِ نظامی آج تک منسوب ہے تو ایک دن مدرسہ کے معائنہ کے لئے آیا طلبہ سے پوچھا تم کیوں پڑھتے ہو؟ کسی نے کہا میرا باپ مدرس ہے میں بھی مدرس بنوں گا۔ محتسب کے بیٹے نے محتسب، قاضی و مفتی کے بیٹوں نے قاضی و مفتی بننے کو بتایا۔ امام غزالی بھی طالبِ علم تھے انہوں نے جواب دیا کہ اپنا دین درست کرنے کے لئے اور اگر خدا نے توفیق دی تو دوسروں کا دین درست کرنے کے لئے۔ ہارون رشید نے کہا اگر یہ طالب علم نہ ہوتا تو میں مدرسہ کو اسی وقت بند کر دیتا۔ ان لوگوں نے تو اس کو دنیوی مدرسہ بنالیا تھا۔ اس لئے نیت درست کرنے کی ضرورت ہے اور حضور کا ارشاد ہے "مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ اِلٰى لِسَانِهٖ" جمع الفوائد جلد (۲) ص ۱۵۴ (جو شخص چالیس دن اللہ کے لئے اخلاص (اختیار) کرے گا اس کے دل سے زبان تک علم کے چشمے ظاہر ہو جائیں گے)۔

تمام طلباء کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنی اصلاحِ نفس اور تزکیہ تام کی کوشش کریں اور کسی محقق شیخ سے تعلق پیدا کریں تاکہ ان کے اخلاق اسلامی اخلاق ہو جائیں، تقویٰ و صلاحیت پیدا ہو جائے، بری عادتیں چھوٹ جائیں۔

اور تزکیۂ نفس جبکہ وظائف و نوافلِ طویلہ کے ساتھ نہ ہو طلبِ علم کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے اس کے نورِ باطن سے علم منجلی ہو جائے گا۔ ظاہری و باطنی دونوں نصابوں کے

جمع کرنے سے کامل تفقہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا یہ دونوں نصاب ضروری ہیں ورنہ عالم تو شیطان بھی ہے اور عربی کے ماہر وہ کفار بھی ہیں جو عرب میں رہتے ہیں علمِ محض اور شئے ہے اور علمِ دین اور شئے۔

## ہندوستانی و پاکستانی مدارس کی فضیلت

اوپر شیخ عبدالقادر مدیر المدارس العلمیہ بحلب کی تقریر کا خلاصہ آپ نے پڑھا ہے دنیا بھر کے سیاحوں سے دریافت کیجئے کہ ممالکِ اسلامیہ یا اور مسلمانوں کی آبادیوں میں بھی ایسے کثرت کے ساتھ متقی عالم دیکھے ہیں جو پچھلے سالوں میں ہندوستان میں ہوئے ہیں۔ جب آپ کو اس کا جواب نفی میں ملے اور امید یہی ہے کہ نفی میں ملے گا تو اب اس پر غور کرنا ہے کہ ان مدارس میں وہ کیا کام ہے جو ممالکِ اسلامیہ میں بھی نہیں جس سے یہ ان کے مدرسوں سے فوقیت لے گئے ہیں تو وہ وجہ یہی ہے کہ ہندوپاکستان کے مدارس کا علم علمِ محض نہیں ہے علم وعمل، شریعت وطریقت کا جامع ہے۔ جب تک یہ جامعیت رہے گی اہلِ علم علماءِ دین ہوں گے ورنہ علماءِ دنیا گو نام علمائے دین رکھیں۔ ہمارے مدارسِ دینیہ کا مقصد خلوص کے ساتھ مجاہدات و مشقتیں اٹھا اٹھا کر بقاءِ دین و بقاءِ دینیات و اشاعتِ دین کرنا ہے اور دوسرے ممالک میں ان کے ساتھ دنیا کے کام اور دنیوی ترقیات بھی ہیں اس خلوص کے فرق سے جو لوگ یہاں کامل عالم ہو جائیں گے وہ دوسری جگہ کے علماء سے علم وتقوی میں افضل ثابت ہوں گے جیسا کہ عام شہادتیں بھی ہیں لیکن آج کل جب سے تحریکات (سیاسیہ) کا دور شروع ہوا ہے مدارس میں انقلاب ہوگیا ہے ورنہ پہلے بہت سے علماء علماءِ دین بنتے تھے اور اب شاذ و نادر۔ اب تو لیڈر، اڈیٹر، شاعر، مقرر بننے کا شوق ہوتا ہے۔

## مدارس سے معیاری عالم سب کیوں نہیں بنتے؟

مدارسِ دینیہ کا مقصود معیارِ مذکور کے موافق عالم بنانا تھا مگر اس معیار پر کامل

اترنے والے عالم چند انگلیوں پر گنے جانے والے ہیں حالانکہ مدارس کی کثرت بھی ہے، طلبہ کی بھی کثرت ہے، منتظمین بھی پر خلوص ہیں تو یہ بات بے شک صحیح ہے لیکن زمانہ کے انقلابات نے کچھ ایسی مشکلات پیدا کردی ہیں کہ باوجود کوششِ بلیغ کے بہت کم ایسے حضرات نکل سکے ہیں جیسے ہونے چاہئیں۔ بات یہ ہے کہ ایک طرف کوشش ہوں دوسری طرف موانع اس کشمکش میں جس قدر بھی کام ہو سکتا تھا وہ ہو رہا ہے اگر موجودہ موانع نہ ہوتے تو اسلاف کی طرح آج بھی نتائج خاطر خواہ ملتے مثلاً یہ کہ:-

۱- عالمِ دین اور وارثِ انبیاء ہونے کے لئے جس زبردست قابلیت کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس کا اجمالی مگر کافی نقشہ اور نمونے آپ اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس قدر زبردست قابلیت کے واسطے کس قدر زبردست ذہن، حافظہ، فہم، ذکاوت اور عقل کی ضرورت ہے ظاہر ہے اب یہ چیزیں خاندانوں کے اور ویسے تفاوتات سے بھی متفاوت ہوتی ہیں اب یہ ہم مسلمانوں کا احساس ہے کہ عالی خاندان اپنی اولاد کو کالج میں بھیجیں گے اور اگر یہاں بھیجتے بھی ہیں تو علمِ دین کے واسطے ایسے کو تجویز فرمائیں گے جو ان کے نزدیک نکما ہو، کالج میں نہ پڑھ سکتا ہو اب کہ ایسے منتخب افراد کو مدرسوں میں جمع کیا جاتا ہے تو اہلِ مدارس کا کمال ہے کہ وہ پھر بھی بہت کچھ کارآمد بنا دیتے ہیں۔

۲- تعلیم و تربیت یا شوق سے اثر دکھاتی ہے یا تنبیہ سے مگر تنبیہ کا اثر اگر ہو سکتا تھا تو چھوٹے چھوٹے بچوں پر لیکن نہ اب ان پر ہے نہ بڑوں پر اور شوق پہلے سے تو ہوتا نہیں صرف ماں باپ کے کہنے سے شروع کرتے ہیں یہاں شوق پیدا کرایا جاتا ہے لیکن اس کا باقی رہنا مشکل ہو جاتا ہے اسلئے کہ وہ بھی انسان ہے جب سوچتا ہے کہ میری عمر بھر کی آمدنی ۲۰، ۲۵ روپیہ سے زائد نہ ہوگی دوسرے بھائی بڑے بڑے عہدوں پر ہوں گے، میں پھٹے پرانے لباس میں رہا کروں گا یہ زرق برق رہیں گے، میں تنہا رہوں گا، یہ حشم، خدم والے ہونگے، میں ٹوٹے پھوٹے گھر میں رہوں گا یہ کوٹھی بنگلوں میں رہیں گے، میں پیدل گھسٹونگا یہ کاروں جہازوں میں اڑینگے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے اس کا تخیل

خراب ہو کر سست بن جاتا ہے۔

اب ایثار واخلاص خدمتِ دین خدمتِ قوم اجر وثواب کی تلقین پر بھی اگر بچہ چھوڑ نہیں بیٹھتا تو سست تو ضرور پڑ جاتا ہے بڑی کوشش سے اس کو لے جانا پڑتا ہے بہت سمجھا سمجھا کر کہ تمہارا مقصود روپیہ کمانا نہیں، عزت بڑھانا نہیں، تم نے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں گویا وقف کر دیا ہے اسکے بندوں کی دینی خدمت کرنا خدا کے دین کی حفاظت کرنا اور اپنی اور ان سب کی عاقبت سنوارنا ہے چاہے فاقے ہوں یا مصیبتیں آئیں کچھ ہو تم کو مشقتیں اٹھانی ہیں گالیاں کھانی ہیں ذلتیں برداشت کرنی ہیں راتوں کی نیند کھونی ہے بھوک پیاس کی شدت جھیلنی ہے فاقے کرنے ہیں مگر دین کی اشاعت میں لگنا ہے۔ قید و بند، دار و رسن، ضرب وحرب تک تیار رہنا ہے اور خدا کے دین کو جان پر کھیل کھیل کر بچانا اور پہنچانا ہے۔ تم سب دنیا کو عیش و آرام میں دیکھو گے روپیہ اور دولت سے کھیلتے دیکھو گے تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت کے کمالات پر دیکھو گے تم خود بھی اس درجہ پر ہو سکتے تھے مگر خدا کے دین کے لئے مسلمانوں کی دینی حفاظت کے لئے تم کو ان سب کی قربانی کرنا ہے تم کو ایثارِ مجسم بننا ہے اور جن کی خدمت جن کے دین کی حفاظت کے واسطے یہ کرنا ہے ان سے برا سنکر گالیاں کھا کر ذلتیں اٹھا اٹھا کر یہ سب قربانیاں کرنی ہیں اور پھر بھی ان سے تکدر نہ رکھنا ہے وہ کم فہم ہیں اپنے ضروری اور نفع کے کاموں سے ناواقف ہیں تم واقف ہو، وہ قابلِ رحم ہیں تم عالی حوصلہ ہو، ان کی نظر پیسوں پر ہے تمہاری نظر عالی ہے، وہ وہی ہیں تم تمہی ہو غرض بہت مشکل سے کوئی کوئی سنبھلتا ہے کیونکہ انسان پھر انسان ہے خصوصاً اعزہ واقرباء واحباب کی مالی حالتیں مجبور کرتی ہیں کہ ہمسر بنیں اب نفس وشیطان اور بہکانے والوں پر کوئی نہ کوئی غالب ہو جاتا ہے کوئی مغلوب بھی ہو جاتا ہے۔

۳- اول تو پہلے ہی سے ہر نفس کو پابندی شاق ہوتی تھی اب جب سے لیڈرانِ قوم نے آزادی وغلامی لفظوں کو غلط معنی پہنا کر سارے پاکستان و ہندوستان میں یہ فساد برپا کر دیا

کہ کوئی کسی کی نہیں سنتا اس وقت سے اول تو بہت سے طلبا جوان سے متاثر ہو چکے ہیں خلافِ نفس پابندیٔ شرع کو سننا ہی پسند نہیں کرتے اور سن لیتے ہیں تو اس پابندی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں یا تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں یا آزاد روش رہتے ہیں کچھ اہلِ مدارس یہ سمجھ کر کہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ (جو پورا نہ حاصل ہو سکے تو اسے بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہئے) کچھ نرم ہو گئے ہیں کہ اگر کام میں لگے رہے آخر تک نباہ گئے تو یہ لوگ بے دینی اور گمراہی سے تو بچیں گے گو عالمِ کامل نہ ہو سکیں گے اور بعض مدارس ایسے لوگوں کو خارج کر دیتے ہیں چاہے کہیں اور جائیں یا کچھ کریں وہ ناقص رکھ کر خود کو اور کام کو بدنام نہیں کرنا چاہتے۔

۴۔نفس و شیطان ہر عبادت میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں طلبِ علمِ دین ایسی عبادت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرشتے طالبِ علمِ دین کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں، مچھلیاں دریاؤں میں دعائیں کرتی ہیں، طلبِ علم میں فوت ہونے والے کو انبیاء سے ایک درجہ کم تک ملے گا اور بہت بہت فضائل حدیث میں ہیں اس لئے وہ اس میں وساوس سے کب چوکتے ہیں۔کسی کو لیڈرانہ جاہ وحشم کی طرف مائل کر کے سیاسیات میں، کسی کو صنعت وحرفت کی طرف مائل کرتے ہیں، کسی کو طب کی طرف کسی کو شاعری اور کسی کو انگریزی کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔

علومِ دین جس معیار پر ہونے چاہئیں ان کے حاصل کرنے کے لئے انتہائی محنت انتہائی یکسوئی اور انتہائی خلوص کی ضرورت ہے اول تو صرف توجہ کے ہٹ جانے سے ہی خلل پڑتا ہے اور پھر جب دوسری چیزیں نفس کی رغبت کی چیزیں ہوں تو آدمی آدمی ہی ہے کتنا ہی نیک ماحول میں گھرا ہوا ہو توجہ ان چیزوں کی طرف بڑھ جاتی ہے ادھر سے ہٹنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علومِ دین کے کام کا نہیں رہتا یہ چھوڑ بیٹھتا ہے اور دوسرے مشاغل میں لگ جاتا ہے یا غفلت و بے توجہی کے ساتھ علوم میں وقت گزار کر نہ ادھر کا رہتا ہے نہ ادھر کا۔اس لئے ہمارے تمام بزرگوں نے اس کو سخت ترین

مضر سمجھا ہے کہ طالب علم کو علمِ دین کے ساتھ کسی ایسی چیز کی طرف متوجہ ہونے دیا جائے جو ذرا سی بھی دلچسپی رکھتی ہو حتیٰ کی صحیح تصوف جس سے دین کی پختگی ہوتی ہے اس کے لئے ان کاموں سے روکا ہے جن میں وقت لگتا ہے کہ یہ بھی علم کے لئے مضر ہوگا اور یہ عقل و تجربہ دونوں کے مطابق ہے کہ تحصیلِ علومِ دین جو ایک زبردست مجاہدہ ہے دوسرا تخیل بھی اس کے لئے ایسا مضر ہوگا کہ جس مقصد کے لئے اس نے کام شروع کیا تھا وہ فوت ہو جائے گا۔ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو انگریزی یا دوسرے مذکورہ کام میں لگ کر اس کام سے بے بہرہ ہو گئے۔ زبان سے یہ کہہ دینا آسان ہے کہ دونوں کام ہو جائیں گے مگر آگ پھونس جمع نہیں ہوتے نفس اس طرف سے ہٹا لینے میں جس کیلئے وہ ہر وقت کوشش میں لگا رہتا تھا کامیاب ہو جاتا ہے بلکہ بعدِ فراغ بھی اگر غیر دینی کام میں لگتا ہے تو اس طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ مولوی، فاضل منشی، کامل کے امتحانات کو بھی ہمارے بزرگوں نے اسی لئے پسند نہیں کیا کہ پھر بہت سے لوگ اسکولوں وغیرہ کی تلاش، پھر وہاں کے کام میں لگ کر اس نیک ماحول نیک صحبت اور علوم کے روز افزوں کمال سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کی بھی بہت مثالیں سب کو معلوم ہیں گو شاذ و نادر کوئی کوئی پھر بھی کام کا رہ جاتا ہو مگر زیادہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں۔

بعض ناتجربہ کار یا ایسے لوگ جن کو دین و علوم دین کی اہمیت یا یہ دشوار گزار گھاٹیں معلوم نہیں ہیں مشورہ دیتے ہیں کہ انگریزی داخل کرو، صنعت و حرفت سکھاؤ، تجارت کراؤ، امتحانات پاس کراؤ، زراعت میں لگاؤ وغیرہ وغیرہ بلکہ بعض لوگ تو اس پر زور دیا کرتے ہیں کہ گورنمنٹ سے امداد لو جس سے وہ نصاب و نظام کو صحیح معیار پر نہ چلنے دے اور اس طرح وہ ملک بھر میں کوئی عالمِ دین جس معیار پر ہونا چاہئے اس پر نہ بننے دے۔ لیکن اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یہ کام جو انتہائی قابلیت کے فراہم کرنے اور پھر تمام ملک و قوم کے لئے انتہائی سخت ضرورت کا تھا توجہ ہٹ جانے اور نفس و شیطان کی شرارت سے دلچسپی اور پیسوں کے کام میں منہمک اور اصل کام سے

بے توجہ یا کم توجہ ہو جانے پر جو خلل واقع ہوگا وہ تمام عمر کا نقص اور تمام ملک وقوم کے لئے خطرات کا سبب ہوگا۔ ایسے مشورہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح انگریزی کالجوں سے مسلمانوں کی اسلامیت پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے۔ اسی طرح ان دینی مدارس پر ڈاکہ ڈالا جاتا کہ بقاءِ اسلام کے اسباب منقطع ہو کر اسلام ختم ہو جائے اب کالج کا فتنہ دینی مدرسوں پر بھی آنے لگا جس کا نتیجہ بقولِ اکبر یہ ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان مدارس میں ایسے مشورے دینا ان کے مقصد سے ان کو ہٹا دینا ہے اور علمِ دین بلکہ اسلام و اسلامیات کو دنیا سے محو کرنے کے مترادف ہے۔ چونکہ اہلِ مدارس کو ان دشوار گذار راہوں سے بچا بچا کر لے جانا ہے اور سب جانتے ہیں کہ برائی کا اثر جلد اور نیکی کا دیر میں ہوتا ہے ان تباہ کن تجویزوں کا اثر طلبہ پر جلد ہوتا ہے اور نیک صلاح کا دیر میں خصوصاً جبکہ ہر وقت نفس و شیطان بھی گھات میں ہوں اس لئے جو لوگ ان کی بھلائی چاہتے ہیں یا دین کی بقاء و اشاعت کے واقعی ذرائع پیدا ہونے کو چاہتے ہیں تو ان کو تو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ کسی دنیوی یا نیم دنیوی کام کیطرف ان کی توجہ از خود بھی جانے لگے تو اس کو ہٹا دیں اور علوم و اعمال و خلوص و جذبۂ ایثار و خدمت اور ساری عمر کو دین و دینیات کی خدمت میں وقف رکھنے کی ترغیب دیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو خاموش ہی رہیں کہ

ع    مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

ورنہ پھر یہ تجاویز ان کی گردنوں پہ چھری کا کام ہی نہیں دینگی، اسلام و اسلامیات کے پاؤں پر کلہاڑی ثابت ہونگی۔

۵- ماحول اور صحبت کا اثر بے انتہا شدید ہوتا ہے اور بری صحبت اور برے ماحول کا بہت سخت بہت جلد اور بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مدارسِ دینیہ میں مدرسین و منتظمین

متقی نیک کردار نیک رکھے جاتے ہیں تاکہ طلبہ پر نیک اثر پڑے مگر اس طرح چوبیس گھنٹے کوئی شخص پنجرے میں بند نہیں رکھا جاسکتا کہ کسی سے مل ہی نہ سکے پھر اس کے اعزہ واقرباء میں بہت لوگ آزاد منش ہوتے ہیں۔ ان کا تو اثر بہت ہی زیادہ پڑتا ہے اور وہ ایک دومنٹ میں نیک صحبت کے اثرات کا قلع قمع کر دیتا ہے کیونکہ کپڑا دھلتا ہے دیر میں اور داغدار ہوجاتا ہے ایک سکنڈ میں اور اس طرح اب تک کی تمام کوششیں ایک دم سے ناکام ہوجاتی ہیں پھر کوشش ہوتی ہے، پھر ہوتی ہے، کہیں کہیں کامیاب اور کہیں کہیں ناکام بھی رہ جاتی ہے اس لئے عملی نقص بھی رہ جاتا ہے۔

۶- طالبانِ علم بھی آخر آدمی ہیں ان کے بھی نفس ہے اور عبادت کے مشغلہ کی وجہ سے نفس بھی بہت عیار۔ اس لئے آج کل کے سیاسی اکھاڑے، کھیل تماشے، ہلڑبازی، شوروشغب سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں اور اہلِ مدارس کس کس اثر کو ان سے ہٹائیں۔ طلبِ علومِ دین کا یہ نازک طریق جو کامل یکسوئی وتندہی کو چاہتا ہے ان مسلسل حملوں سے مجروح ہوتا رہتا ہے۔ ایک مدرسہ اور مفسد سارا عالم آخر کہاں تک مصلح مقابلہ چلے میں تو سمجھتا ہوں کہ مدرسہ والوں کا کمال ہے کہ اس پر آشوب زمانہ میں اس قدر کام ہورہا ہے اور ان سیاسی دشمنانِ علم کا ظلم دیکھئے کہ خود مدارس میں آآکر ان کو بھڑکاتے ہیں۔ دھوکا یوں دیتے ہیں کہ سیاست دین سے الگ نہیں اس لئے اس کا کام وقتی ہونے کی وجہ سے تمہارے کام سے مقدم ہے۔ مگر اس میں دوہرا دھوکہ ہے جو سیاست دین کا جز ہے وہ ملک شہر ادارہ گھر کا انتظام ہے اور شرعی قوانین کے تحت ہے اور کیا جو جارہا ہے شوروشغف، اسٹرائیک، بھوک ہڑتال، مقابلہ، توڑ پھوڑ یہ اسلام کا جز نہیں دوسرے علمِ سیاست اور شے ہے اور عمل اور شے طالبِ علم علمِ سیاسیاتِ شرعیہ حاصل کرتے ہیں اور عمل تو جب ان کے سپرد کام ہوگا اسوقت انکے ذمہ ہوگا۔ اس وقت عمل کو ضروری اور تمام علوم سے مقدم قرار دینا محض دھوکا ہے اور اس طرح اس علمی تیاری میں رخنہ ڈالنا ہے جس کی ملک وملت کو بہت ضرورت ہے اور ان مدرسوں کا کام ہے۔

۷- انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جانے والے طلبہ کے پیشِ نظر فوری مالیات کی ترقی نہیں ہے، دینی واخروی اجر وثواب کی ترقیاں ہیں یہ چیز بھی بہت زیادہ حوصلہ افزا ہونی چاہیئے اور مدارس میں اس کی کوشش بھی ہوتی ہے مگر اس میں بھی مدارس کی کوشش کو دوسروں کی مخالفت اور عام لوگوں کی مالیات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش جس کی داستانیں ان کے کانوں میں پہنچتی ہیں ان سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور طلبہ کو فقر وتنگی کے طعنے ان کو بددل کرتے رہتے ہیں۔

۸- اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو یہ بھی خیال رہتا ہے کہ اگر ہم امتحانات میں فیل ہو گئے تو ہمارا اس قدر روپیہ جو اس سال خرچ ہوا ہے ضائع ہوا اور آئندہ سال اسی قدر اور خرچ ہوگا اس لئے وہ محنت کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر عربی علوم میں کون طلبہ بھیجے جاتے ہیں؟ جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہوتا، جن کے والدین انگریزی کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے، اب اگر مدارس میں طلبہ کو وظائف نہ دیے جائیں تو مدرسے بالکل خالی نظر آئیں گے کہ ذی ثروت تو انگریزی میں رہیں گے اور غریب مزدوریوں میں نہ پھر کوئی دین کا عالم ہو سکے گا نہ علمِ دین اور اسلام واسلامیات کے بقاء کا سامان ہو سکے گا۔ اس مجبوری سے وظائف دینا ناگزیر ہے تو اب ان کو وہ سبب جو محنت کر لینے کا تھا حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اب سوائے اس کے کہ اہلِ مدارس خلوص اور شوق پیدا کر کے کچھ لوگوں سے کام لے لیں اور کیا صورت ہے؟ تو پھر لامحالہ جس قدر محنت کی ضرورت تھی اسقدر شاذ ونادر ملتی ہے۔ اسی طرح اگر بدافعالی یا کم محنت یا بدشوقی کی وجہ سے یا بار بار فیل ہونے کی وجہ سے مدرسہ سے اخراج کر دیا جاتا ہے تو وہ کسی دوسرے مدرسہ میں داخل ہو جاتا ہے اس کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ بدعملی وغیرہ پر اخراج ہو کر محروم کر دیا جاوے گا۔ چونکہ مدارس زیرِ حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ایک حکم کے تابع نہیں اس لئے ایک کا خارج شدہ دوسرے میں سہولت سے داخل ہو سکتا ہے اور دوسرے مدرسے بھی اس خیال سے لے لیتے ہیں کہ پھر سلسلہ چھوڑ کر بالکل ہی محروم

ہو جائے اور نفس وشیطان قابو پا کر محروم ہی کرادیں اور ممکن ہے اس سزا کے بعد وہ اب ایسی حرکت نہ کرے کہ پھر یہاں سے بھی نکالے جانے کا خدشہ رہے گا تو اس کے بعد اس کی اپنی اصلاح کی امید ہو جاتی ہے۔ بہرحال اول مدرسے میں یہ خوف بھی محنت کا سبب نہیں بنتا اور کم محنت کے سبب نقص رہنا لازمی ہے۔

۹- جب سے ملک میں انگریزی اسکولوں اور انگریزی دانوں کی کثرت ہوئی ہے چونکہ بچپن سے وہی طرزِ تعلیم ذہن نشین ہوتا ہے وہ کتنا ہی غلط اور مہمل کیوں نہ ہو مگر دل نشین ہے اور اس پر کبھی نہ خود غور کرنے کا اتفاق ہو سکتا ہے نہ دوسرے کا بیان کرنا سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دل میں جمی ہوئی چیز کا نقص بہت مشکل سے سمجھ میں آتا ہے اس کا حسن ہی حسن نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو طرزِ تعلیم اسکولوں کا ہے وہی بہترین ہے اس بنا پر تقریر میں، تحریر میں، جلسوں میں، کانفرنسوں میں، عربی مدارس کے طرزِ تعلیم پر حرف گیری کرتے رہتے ہیں اور علماءِ دین اپنے کام میں لگنے کو ان کے جوابات سے افضل سمجھتے تھے، وقتاً فوقتاً جوابات بھی دیتے تھے مگر کثرت اور عوام کی سادہ لوحی اور زمانہ کے انقلاب نے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ اب طلبۂ علوم کو بھی ان کی تقریروں سے وساوس پیدا ہونے لگے اور جو شوق علم سے ہونا چاہئے تھا وہ اس دھوکہ بازی وملمع کاری سے رفع ہونے لگا نفس وشیطان کو ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔

حالانکہ انگریزی اسکولوں کی تعلیم بالکل بے اصولی ہے بڑا وقت لگتا ہے کام کم ہوتا ہے اور بالکل ناقص۔ کیونکہ وہاں ہجے سے لفظوں کو رٹا نہیں جاتا ہے۔ جب تک دماغ میں ایک ایک لفظ کا تلفظ ہجے حروف یاد نہ رہیں بچہ کوئی عبارت حل نہیں کر سکتا اسی لئے وہاں یہ ضروری ہے کہ بولتا رہے تاکہ ہر ہر لفظ کے حروف، ہجے اور تلفظ زبان پر رہیں اور جہاں کچھ عرصہ تک کسی کو بولنے، پڑھنے کا اتفاق نہ ہو سکا وہ بالکل جاہل بنکر رہ جاتا ہے۔ گویا یہ عارضی کام ہوا وقت بہت لگا رٹنا بہت پڑا دماغ پر بہت بار ہوا یہاں تک کہ بعض بچے بالکل پاگل ہو ہو گئے باوجود اس کے کہ رئیسوں کے منتخب بچے

اچھے دل ودماغ والے اچھی غذائیں اچھی آب وہوا اور اچھے ماحول کے پلے ہوئے تھے مگر دماغ کھو بیٹھتے ہیں اور آگے چل کر محض ترجمہ ترجمہ بتایا جاتا ہے۔ کسی کسی مضمون پر استاد نے ایک لمبی سی تقریر کردی سب جانتے ہیں کہ تقریر پوری محفوظ نہیں رہا کرتی بہت کم حصہ رہ جاتا ہے باقی غائب ہوجاتا ہے آپ نے سیکڑوں تقریریں سنی ہوں گی بتایئے کونسی آپ کو کتنی یاد ہے۔ یہ تعلیم ہے یا خانہ پری؟ مگر سارے اسکولوں میں یہی ہے۔

ادھر یہاں دینی مدرسوں میں دیکھئے کہ اصولی تعلیم ہوتی ہے پہلے ایک قاعدہ پڑھایا جاتا ہے بہت سی مثالوں سے اس کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے اب اس جیسے ہزاروں لفظ ایکدم اس کو آگئے اور دماغ پر کوئی بار نہ ہوا پھر دوسرا تیسرا وغیرہ۔ اصول یاد کرانے اور ان کو جاری کرانے سے یہ اس قدر وسیع زبان کہ دنیا بھر میں اتنی وسیع دوسری زبان نہ ہوگی اصول سے قابو میں آجاتی ہے نہ رٹنا زیادہ پڑتا ہے نہ ہر وقت بولنا بس قاعدے ذہن نشیں ہوئے اور ساری زبان پانی بن گئی اگر مدتوں بھی لکھنے، پڑھنے، بولنے کا اتفاق نہ ہو پائے تب بھی کچھ نہ کچھ حل کرلے گا۔ یہاں اصول سے وہ قابلیت پیدا کرائی جاتی ہے کہ ہر عبارت کو طالبِ علم خود حل کرلے اس لئے انتہائی کتابوں میں ترجمہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی ابتدا اور وسط میں ترجمے ہوتے ہیں وہ بھی کم ذہن لوگوں کی وجہ سے مگر صرف ترجمہ کو کافی نہیں قرار دیا جاتا جو جو امکانی احتمالات وشبہات ہوسکتے ہیں سب کو بیان کرکے جوابات سے تسلی کرائی جاتی ہے اور ہر بات کو اصول وقواعد کے تحت لاکر سوال وجواب ہوتے ہیں جن مسائل میں ائمۂ اربعہ کا اختلاف ہوا اپنے مذہب کی ترجیح کے دلائل اور اعتراضات کے جوابات ہوتے ہیں باطل اور گمراہ فرقوں کے دلائل وجوابات ہوتے ہیں ہر چیز اصل کتاب سامنے رکھکر اس کی مدد سے دکھا بتا کر سکھائی جاتی ہے تاکہ خالی اسپر مدار نہ رہے بلکہ جب چاہیں خود بھی ہر وقت کتاب سے نکال سکیں جیسے اس وقت ان کو دکھائی جاتی ہے۔

انگریزی جاننے والے چونکہ اسی بے اصولی طریقِ تعلیم کے خوگر ہوتے ہیں وہ اس کو بھی بے اصولی اور بے ڈھنگی بنانے کی رائے دیا کرتے ہیں مگر تجربہ کاروں کی نظر میں وہ طریقہ کچھ مفید نہیں ہوتا ہاں طلبہ کو سہولت کی وجہ سے شروع میں یہ سبز باغ بھلا معلوم ہو کر ایک رکاوٹ بن گیا گو بعد میں خود ان کو اسکی قدر معلوم ہو جاتی ہے یہاں وہ مولوی بھی اعتراض کرنے لگتے ہیں جنہیں پوری تعلیم نہیں ہوتی یا چسکا نہیں لگتا یا حقیقت پر نظر نہیں پہنچتی۔

۱۰-انگریزی حاصل کرنے والوں کا منشا اپنی مالی حالت بنانا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ہوس بھی دامن گیر ہوئی کہ عام مسلمان انھیں عالم سمجھیں علماءِ دین کی طرح ان کی عزت کریں ایسے بیوقوف جب نہ ملے تو پھر ان جاہ طلب لوگوں نے علماء پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے اور ناقص یا جامۂ اہلِ علم میں جاہل لوگوں کو دیکھ کر کوئی بات قابل اعتراض مل گئی تو سب علماء کو اس سے بدنام کرنا شروع کیا اور اپنے بچاؤ کے لئے اعتراضات کرنے شروع کئے اپنی جاہ طلبی میں اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ بہت سے غیر انگریزی داں بھی علماء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور علمِ دین اور دین کی مشغولی کو ذلت کا کام قرار دینے لگے بد دینی روز افزوں ہے تو دینداری کی اہانت بھی روز بروز ہے اس کا حال طلبہ سے کونسا مخفی تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی توجہ کم بلکہ ہٹنے لگی تلافی کی کوششیں کی جاتی ہیں مگر نتیجہ کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ان اعتراضات کی حقیقت ''حقوق العلم'' مصنفہ حضرت تھانویؒ میں ہے۔

۱۱-زمانہ پر آشوب ہے ناول، افسانے، ڈرامے، سنیما، ناٹک، فلم لوازمِ تہذیب میں شمار ہوتے ہیں ادبی رسائل کے نام سے بے حیائی اور بدمعاشی کے غیر شریفانہ تقویٰ سوز مخربِ اخلاق مضامین نظم ونثر میں پیش ہو رہے ہیں بدمعاشیوں کے بہت سے طریقوں کو جزوِ تہذیب قرار دیا جا چکا ہے کل جن باتوں کا ذکر تک مہذب لوگوں میں جائز نہ تھا آج وہی فخر شمار ہوتی ہیں عورتوں کی طرف التفات، رقص وسرور کی مجلسوں کی شرکت

کل عیب تھی آج تہذیب ہے وغیرہ وغیرہ انسان میں فطری طریقہ سے دو قوتیں رکھی گئی ہیں ایک مَلَکی یعنی فرشتوں والی دوسری بہیمی یعنی جانوروں والی، ہر مذہب میں تہذیب شرافت اور انسانیت کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایسے ذرائع مہیا کرے جن سے مَلَکی قوت طاقت پائے اور بہیمی قوت کمزور ہو جائے جو انسان کا کمال ہے مگر آج کل کی تہذیب بھی عجیب گورکھ دھندا ہے کہ بہیمی قوت کو بھڑکانے کے سارے انتظامات اس کا جز ہیں ناول افسانے، سنیما، ڈرامے، تصویریں، مرد و عورت کا اختلاط، مخلوط تعلیم، عریانی، فحاشی، سرِ بازار بے حجابی بلکہ اور انتہا تک پہنچی ہوئی باتیں اور نام سب کا ہے تہذیب اگر عیسائیوں میں ایسی باتیں ہوں تو وہ لامذہبیت اور ان کی غذاءِ سوء کا اثر، شراب کا کرشمہ اور حلالی ہونے کی پابندی نہ ہونے سے بعید بات نہ تھی۔ تعجب تو مسلمانوں سے ہے صاحبِ مذہب، خدا رسول کے ماننے جاننے والے، دوسرے عالم تک وسعتِ نظر رکھنے والے، شریف النفس حلال پاک غذاؤں والے ان کی نظر میں یہ شئے تہذیب کیونکر بن گئی پھر طرح طرح کے فیشن طرح طرح کی خورونوش اور استعمالی اشیاء کی چیزیں اور صورتیں بھی رائج ہیں نہ جائز و ناجائز کی پرواہ ہے نہ اپنی قوم و غیر قوم کا شعار ہونے کا شعور ہے ایسے زمانہ میں طلبۂ علوم بھی انہی انسانوں کی طرح انسان ہیں دن رات ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کو دیکھتے اور ان سے ملتے جلتے بھی ہیں خصوصاً اپنے اعزہ سے آخر پھر ان کے بھی دل ہے، نفس ہے جان ہے کس قدر میلان ہوتا ہوگا اور کون ہے جس کو اچھے اچھے کھانے اچھے اچھے مکان اچھے اچھے لباس اچھی اچھی برتنے کی چیزوں کی طرف التفات نہ ہو ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی اپنی ذاتی کوشش سے کچھ اہلِ مدارس کے اصول و فہمائش و صحبت سے ان کو اختیاری و غیر اختیاری مجاہدات کرنا پڑتے ہیں اور اہلِ مدارس کو ان سے یہ مجاہدات کرانے پڑتے ہیں مگر یہ اس قدر اشیاء ہیں جو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور علومِ دینیہ سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں حتی کہ بعض طلبہ ان سے متاثر ہو کر بد دل ہوتے اور شیطان و نفس کے جال میں پھنس کر چھوڑ بیٹھتے ہیں پھر ساری عمر ان علوم سے محروم رہتے ہیں لیکن ایسے بھی بہت سے مردانہ حوصلہ والے

نکل آتے ہیں جو اپنے خلوص وتقوی اوراجرِ اخروی کو سامنے رکھ کر مجاہدانہ مقابلہ کر کے تحصیلِ علوم میں منہمک رہتے ہیں اور بعض بعض

چو گل افزوں شود پیلان بلغزند

کچھ لغزش کر جاتے ہیں اور اپنی اپنی علمی وعملی استعداد میں نقص پیدا کر لیتے ہیں۔

۱۲۔ان مدارس میں جو طلبہ عربی درجہ میں ہوتے ہیں اور زیادہ تعداد انہی کی ہوتی ہے وہ کم عمر نہیں نو جوان ہوتے ہیں ان میں امنگ، ترنگ، جوش حرارت اور کل کے کل ورنہ اکثر پاکدامن ہونے کی وجہ سے قوت وشباب سے بھر پور ہوتے ہیں اور پھر سب ایک وطن کے نہیں ایک مزاج کے نہیں ایک مشرق کا ایک مغرب کا ایسے ایسے افراد کا اجتماع ہے اگر ان میں آپس میں چشمک اور پھر لڑائی کی نوبت آجائے تو کوئی بعید نہیں لیکن ایسے واقعات کم کم پیش آتے ہیں اور جو پیش آتے ہیں وہ اہلِ مدرسہ کے فیصلہ پر ختم ہو جاتے ہیں جو مدارس قریب قریب ایک صدی سے کام کر رہے ہیں اور ان میں ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں یہ نو جوان موجود رہتے ہیں سوائے شاذ ونادر کے کبھی آپنے کوئی واقعہ پولیس سے امداد لینے کا نہ سنا ہوگا اس سے آپکو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اہلِ مدارس کو حکومت کی کسی قسم کی اعانت یا ہمدردی یا حکومت میں کوئی وقار حاصل نہیں پھر بھی کس خوش اسلوبی سے انتظام انجام دیتے ہیں خصوصاً جبکہ فسادات کا دور دورہ ہو بڑے بڑے متین وسنجیدہ لوگ ڈگمگا جاتے ہوں، یہ علمی پہاڑ اپنی جگہ پر نظر آتے ہیں اسلئے کیا بیجا ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ حکومت کا چلانا آسان ہے اور مدارس کا چلانا مشکل ہے کہ جہاں نہ حکومت حاصل نہ فوج نہ پولیس نہ عدالت نہ جبر وتشدد کا کوئی ذریعہ اور موجودین سب نو جوان جوش وحرارت سے لبریز ایسی تدابیر میں اہلِ مدارس کا یہی کمال ہے اور ان طلبۂ علوم کا یہی کمال ہے کہ اس قدر امن وسکون سے گذارتے ہیں لیکن اس الشباب شعبة من الجنون (جوانی دیوانی) کے ان اثرات سے کچھ کچھ فرق علمی مشغلہ میں بھی ضرور پڑتا ہے گو اس کی روک تھام کی بھی

پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔ یہ خیال بھی ممکن ہے کہ ہر جگہ مقامی طلبہ ہونے ضروری ہیں نہ بیرونی ہوں نہ چشمک کا احتمال ہو تو اول تو مقامی لوگوں کو کم توفیق ہوتی ہے کیونکہ انگریزوں نے اسکولوں، کالجوں کی جو روش مقرر کردی تھی باوجود اسلامی حکومت، اسلامی افسران، اسلامی شہروں اور اکثریت سے مسلمانوں کے زیر تعلیم ہونے کے وہی طور طریق باقی ہے اور دنیا کے سب کام اور سب ترقیات اور آمدنی کے دروازے دین والوں پر بند اور انگریزی تعلیم کے لئے کھلے ہوئے ہیں ضروریات اور نفس سب کے ساتھ لگا ہے پھر والدین بھی کالجی مزاج کے ہیں تو وہ بچوں کو دینی تعلیم میں نہیں بھیجتے سوائے اس کے کہ جس کے پاس اسکول کی فیس کے پیسوں کی کوئی سبیل نہ ہوسکے یا وہاں کے کام کا نہ ہوسکے یا خود بہت دیندار ہو دوسرا کوئی بھیجتا ہی نہیں۔ پہلے مسلمان بادشاہ ان مدرسوں کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے وہ ہر طرح کے راستے نکالتے تھے اور اسلامی حکومت کو واقعی اسلامی بناتے اور اسلامی قوانین جاری کراتے تھے علماءِ دین سے یہ کام لئے جاتے تھے اب تو آیت کے حکم کی تعمیل کے لئے کوئی نیک بندہ ہوگا جو تعلیمِ دین کیلئے بھیجے گا اسلئے مقامی غیر مقامی کا اجتماع ضروری ہے مگر مقامی مقامی میں بھی تو جوانی دیوانی کا کرشمہ ظہور پذیر رہتا ہے اسکولوں کالجوں میں کیا کیا نہیں ہوتا دوسرے آیت کے لفظ نَفَرَ سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین میں سفر کرکے جانا زیادہ مفید ہوتا ہے اور تجربہ بھی یہی ہے۔

۱۳۔ عالمِ دین کا درجہ اس کی قابلیت کا مرتبہ اوپر سے معلوم کرنے کے بعد آپ اس کا بھی اندازہ کیجئے کہ ان علوم کے واسطے کس قدر سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے زمانہ کا رنگ جو کچھ ہے آپ کے سامنے ہے ہر شخص آرام طلب، راحت کوش ہے اس کا اثر ان میں بھی کچھ نہ کچھ پہنچا ہے اس لئے اس اثر سے بھی کمی ہونا ضروری ہے جس کا نتیجہ نقص ہے۔

۱۴۔ یہ تمام محنت، مصیبت اور تمام فوائد ونعم، راحت وآرام سے علیحدگی

کیوں اختیار کی جاتی ہے اس لئے کہ علوم دینیہ کا وہ درجہ حاصل کر سکے جس سے دین کو پوری طرح سمجھ کر عام مسلمانوں تک پہنچایا جا سکے اور اس طرح ان کے ایمان کی حفاظت کی جائے ان کے اسلام کو ترقی دی جائے اسلامیات کو ان کے لئے سہل بنایا جائے اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تسہیل ہو جائے یہ فوائد جیسے کہ آپ مقاصدِ مدارس میں مختصر مختصر پڑھ چکے ہیں آپ کو حاصل ہوتے ہی ہیں اور اس طرح ہوتے ہیں کہ آپ کو کوئی خاص کام کرنا نہیں پڑتا بغیر کچھ کئے بہت کچھ دین آپ کو حاصل ہوتا ہے مگر آپ نے ان لوگوں کی اور ان کے اس طرح جان پر کھیل کر کام کرنے کی کیا قدر کی کہ ان کو گالیاں دیں، ذلیل کیا، حقیر سمجھا، اور حقارت کا برتاؤ کیا، ان پر طرح طرح کے الزامات و اعتراضات کئے، ان سے خود نفرت کرنے لگے اور دوسروں کو نفرت دلانے لگے

مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

آپ نے ان کی ساری کوششوں کو ان کے اپنے پیٹ پالنے کا ذریعہ بنا دیا ان کو بھوکی قوم پر بار کے لقب سے یاد کیا، کیوں جناب یہ ہے احسان کا بدلہ احسان؟ مگر کامل خلوص والے پھر بھی آپ کی اس تمام قدر دانی کی پرواہ نہیں کرتے اور گو آپ ضروری نہ سمجھیں مگر کم سمجھ کے ضروری نہ سمجھنے سے سمجھدار بھی اس کی بھلائی کا کام ضروری نہ سمجھیں تو یہ اچھا نہیں اس لئے گالیاں سن سن کر ذلتیں برداشت کر کے بھی یہ لوگ آپ کے دین کی حفاظت اور آپ کے دینی خزانوں کی حفاظت میں برابر لگے رہے ہیں لیکن خیال تو کیجئے کہ نوخیز طلبہ پر کیا ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا ہوگا کیا ان کی ہمت ان کی کوشش ان کا حوصلہ ان کا شوق آپ کی ان نوازشوں سے سُست نہیں پڑے گا

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

اگر آپ ان کی کوششوں میں ان کی اعانت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم ایسی باتیں بھی نہ کیجئے کہ جن سے ان کا کام خراب ہو جائے اور ان کا کیا آپکا کام خراب ہو جائے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کی ترقی اسلام و اسلامیات کی بقاء و ترقی سے ہے

اور ظاہر ہے کہ اسلام کا بقاء و ترقی اور اسلامیات کی بقاء و ترقی جیسے کہ حق تعالی کے ارشاد سے یہی مفہوم ہوتا ہے ایسی جماعتیں بنانے سے ہے اگر آپ ان جماعتوں کی اعانت کرتے ہیں تو اسلام و اسلامیات کے بقاء و ترقی کی اعانت کرتے ہیں اگر ان کے خلاف کوئی بات کرتے ہیں تو اسلام و اسلامیات کو منہدم کرنیوالوں کی اعانت کرتے ہیں آپ جو لفظ زبان سے نکالیں سوچ کر نکالیں اس کے ذمہ دار آپ ہیں اہل علم ایسی باتوں کا جواب نہیں دیا کرتے نتیجہ آپ کو خود بھگتنا پڑے گا۔

۱۵- زمانہ جتنا جتنا گزرتا جاتا ہے تمام قویٰ جسمانی و دماغی روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہیں اس لئے ان تمام کمالات کے حاصل کرنے میں کچھ کچھ دشوریاں خِلقی بھی ہورہی ہیں۔

۱۶- خِلقی کمزوریوں کے ساتھ اگر قوت کی غذائیں اور دوائیں ملتیں تو شاید تلافی ہوسکتی مگر اب کہ اولاً غذائیں کمزور آنے لگی ہیں پھر اہلِ علم سے لوگوں کی بے اعتنائی اغذیۂ موجودہ کو فراہم نہیں ہونے دیتی یہ بھی ایک دشواری ہے اگر غیبی نصرت ان کی دستگیری نہ کرتی تو کوئی بھی کام کا نہ بن سکتا غرض ایسی ایسی مشکلات بہت سی درپیش ہیں جن کی بنا پر بے انتہا کوشش کرکے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا اٹھا کر طلبۂ علوم کو علوم میں لگایا جاتا ہے اور بحمد اللہ بعض بعض ایسے بھی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے امتِ اسلامیہ کے لئے ضروری ہیں اگر زمانہ سازگار ہو اور ایسے ایسے سب موانع رفع ہو جائیں تو امید ہے کہ مدارسِ دینیہ پوری طرح کامیاب ہو جائیں۔

## موجودہ کام

اس سے تو کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کے تمام مشہور و غیر مشہور متقی علماءِ دین انہی مدارس سے حاصل ہوئے ہیں حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ سے لے کر اس وقت کے موجودہ بزرگوں تک جن میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

اور عہدِ قریب کے مولانا گنگوہیؒ، مولانا نانوتویؒ، مولانا دیو بندیؒ، مولانا رائے پوریؒ، مولانا سہارنپوریؒ، مولانا تھانویؒ، جیسے سب حضرات انہی مدارس سے آپ کو حاصل ہوئے لیکن ہزاروں کی تیاری کا آپ انتظام کریں گے تب ان جیسا ایک دو آپ کو مل سکے گا۔

ہزاروں پھول جب کھل کھل کے مرجھا جائیں گے پہلے
کہیں تب جا کے کوئی زیبِ دستار بتاں ہوگا

اگر سارا ہندوستان بالاتفاق کوشش کرتا کوئی شخص بھی خلاف نہ کرتا پھر سب کی کوششیں انتھک ہوتیں مالیات اور عزت و محنت کی اعانت سے کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا جاتا اور ایسا صرف ایک عالم بنا سکتا تو بھی ہندوستان کو فخر ہوتا چہ جائیکہ بہت سے مشہور و غیر مشہور بنا دے۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے اور ان کا نتیجہ ایسا نہ ہوتا تو آج دنیا میں آپ کو صحیح دین بتانے والا نہ ملتا اور خدا جانے آپ کس گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہوتے۔

کیوں حضرات؟ اگر ان بزرگوں میں سے ایک بھی مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہو اور امید ہے کہ یہ سب ہیں تو جس وقت ان کے کمالات کی اعانت کرنے والوں کی فہرست طلب کی جائے گی آپ کا اس وقت کیا جی چاہے گا؟ جس وقت ایک ایک پائی اور ایک ایک لفظ سے اعانت کرنیوالوں پر رحمتِ الٰہی متوجہ ہوگی اس وقت آپ کیا سوچیں گے؟ جس وقت مقبولانِ بارگاہ کے مخالفوں اور موافقوں کی فہرست پیش ہوگی آپ کیا اس وقت اپنے گریبان میں منہ ڈالیں گے؟ سنئے۔

برائے دمے می برند بارہا ☆ برائے گلے میخورند خارہا

اگر بالفرض آپکے نزدیک یہ مدارس کے جمگھٹے کارآمد نہیں ہیں تو اس سے تو آپ کو کیا کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است　　شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ان سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی وقت تو ایسا نکل آتا ہے یا نکل آئے گا جو آپ کی ساری محنت ٹھکانے لگا دے اور یہ تو ادنیٰ درجہ ہے ورنہ اس وقت بھی اگر آپ تحقیق کریں گے تو آپکو سینکڑوں جوہر دستیاب ہوں گے۔

## مدارس کا ادنیٰ کرشمہ

میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ؎

جب اک انقلاب آیا نہ میخانہ ہے میخانہ
نہ وہ میکش رہے میکش نہ وہ ساقی رہے ساقی

اب نہ وہ مدارس ہیں نہ وہ طالبِ علم ہیں جو پہلے زمانہ میں تھے لیکن باوجود اسکے یہ بھی ایک حقیقت ہے

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو اس وقت بھی جو اہلِ علم نظر آتے ہیں نظر نہ آتے سیلابِ یورپ میں سب کے سب بہہ جاتے اور دین کو غیرِ دین سے تمیز دینے والا کوئی دنیا میں نظر نہ آتا اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو یہ تو آپ یقین سے کہہ سکیں گے کہ مدارس کے طفیل بہت سے مسلمان صحیح عقائد کے پیروکار ہو گئے اور عمل میں گو وہ ناقص رہ گئے مگر عقائد میں بہت بڑی مقدار پختہ ہو گئی اور دہریت ولا مذہبیت کے عام سیلاب سے ایک کثیر تعداد محفوظ ہو گئی اگر آپ کی اعانت سے کم سے کم ایسا ہی ہو گیا ہے تو کیا آپ اپنی خوش بختی نہیں سمجھتے؟

حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے حقوق العلم میں ص (۶۱) پر لکھا ہے
"لیکن بہت زور سے للکار کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علمِ دین کی طرف ہر حالت میں خواہ اس

میں مشغول ہونے سے استعداد اور کمال حاصل ہو یا نہ ہو مائل ہونا اور برائے نام بھی اس کی طلب ہونا بلکہ دائرہ کو وسیع کر کے کہا جاتا ہے کہ مدارسِ اسلامیہ میں بے کار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجے انگریزی میں مشغول ہونے سے بہتر ہے اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہلِ علم سے محبت تو ہوگی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تزلزل واقع ہو اور اللہ و رسولؐ و صحابہؓ و بزرگانِ دینؒ کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانہ میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے اور یہ ترجیح محبِ دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے"۔!

## اعتراضات و اصلاحات کی حقیقت

مدارسِ دینیہ عربیہ کے نصاب پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے مدارس کے نصب العین اور اس کے معیار اور مشکلات وضروریات، فوائد و منافع کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی ان اصلاحات کا فسادِ مجسم ہونا معلوم کر چکے ہوں گے اب مزید اطمینان کے واسطے تفصیلی طریق سے ایک ایک اعتراض یا اصلاح کی حقیقت عرض کی جاتی ہے امید ہے کہ اہلِ انصاف اور ان حضرات کو جو خود دیندار ہیں یا دینداری کو پسند کرتے ہیں اور اسلام و اسلامیات کی بقاء و ترقی کے خواہشمند ہیں یورپ کی مسموم فضا سے متاثر نہیں یا کم متاثر ہیں ان کو ان اصلاحات کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور جن پر یورپ کے اثرات گہرا اثر کر چکے ہیں گو ان پر دینداری کے اس مایۂ ناز کام سے ایک تنفر کی سی شکل ہونے کی وجہ سے اثر کی توقع نہیں ہے تاہم اگر ان کو مدارس کا دوسرا پہلو بھی معلوم ہو جائے تو ممکن ہے اس وقت صحیح راستہ کی ہدایت میں اس سے اعانت ہو جائے اب نمبر وار جوابات عرض ہیں مجمل طور سے یہ بات

ذہن نشیں رہنی ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں ان میں دین کی ضرورت کی شے ہونی چاہئے اور جو چیز ذرا بھی دین میں مضر ہو یا علمِ دین سے توجہ ہٹانے والی ہو اس سے ان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

## مدارس میں تاریخ کیوں نہیں؟

مدارس میں تاریخ کیوں نہیں پڑھائی جاتی؟ آجکل انگریزی مدارس میں تاریخ کی اہمیت کی وجہ سے وہاں کے فارغین کے دلوں میں تاریخ کی بے انتہا اہمیت جم گئی ہے اور رسائل و اخبارات میں جن کا نصب العین قصہ گوئی ہے اس کی کثرت ہوگئی تو لوگوں کو اس قدر غلو ہو گیا ہے کہ فنِ تاریخ کو اس کے درجہ سے بہت بہت بلند درجوں تک پہنچا کر عوام کو اس تخیل میں مبتلا کر دیا ہے کہ تاریخ بھی کوئی عجیب چیز مفید اور ضروری فن ہے اس بناء پر مدارسِ دینیہ پر یہ اعتراض ہے کہ ان میں تاریخ کی تعلیم نہیں اس لئے مجھے عرض کرنا ہے کہ تاریخ کی حیثیت کیا ہے۔ گو ایسے لوگ جن پر فرنگی اثرات آرہے ہیں یہ سن کر ایک دم گھبرا جائیں گے مگر کیا کیا جائے کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ فن نہایت مہمل فن ہے فن کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے سنئے اول تو یہ کہ تاریخ کوئی عقلی علم نہیں کہ اس کو عقل سے اور عقلی اصولوں پر پرکھا جاسکے بلکہ نقلی ہے، واقعاتِ گذشتہ کی نقل ہے تو اسکو نقل کے اصول سے پرکھنا ہوگا اگر ان اصول پر صحیح ثابت ہو تو معتبر ہوگا صحیح ثابت نہ ہو تو معتبر نہیں نقل کے لئے اصول یہ ہیں کہ خود یہ نقل کرنے والا اور جس جس سے واقعہ نقل ہو کر آیا سب معتبر ہوں اور ان کا معتبر ہونا بھی کم از کم دو گواہوں سے ثابت ہو اور ہر ایک کا دوسرے سے سننا بھی ثابت ہو یا ہم عصر ہونا ثابت ہو جو واقعہ جس زمانہ کا ہوگا اس زمانہ سے اس وقت تک کے نقل کرنے والے کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کو اول کس نے مشاہدہ کیا پھر اس نے کس سے بیان کیا اور اس نے کس کس سے اور کس کس واسطہ سے اس تک پہونچا پھر وہ سب نقل کرنے والے کس کس درجہ کے قابلِ اعتماد ہیں، جھوٹے لوگ تو نہیں، ان کا حافظہ خراب تو نہیں، عقل میں وسوسہ ہو کر نقل میں وسوسوں کا اثر

تو نہیں، بھروسہ کے قابل ہے یا نہیں اور یہ بات ہر ہر نقل کرنیوالے کے واسطے گواہوں سے تحقیق طلب ہے پھر جو شخص جس کے حوالہ سے بیان کرتا ہے اس نے اس سے سنا بھی ہے یا نہیں، ان کا زمانہ ایک اور ان کی ملاقات بھی ہو سکی ہے یا نہیں اسی طرح جو کتاب لکھنے والا ہے وہ خود کیسا ہے ان اوصاف کا ہے یا نہیں۔ اگر ان کا حال معلوم نہیں ہے یا کوئی ایک واسطہ بھی ان اوصاف میں بھروسہ کے قابل نہیں ہے تو تاریخ ایک گپ اور محض فرضی افسانہ ہو کر رہ جاتی ہے تاریخ کے باب میں سب سے پہلے اس کی صورتِ نقل قابلِ تحقیق ہے تاکہ تاریخ کو فرضی گپ سے آپ امتیاز دے سکیں۔ اب ذرا آپ غور کر کے دیکھیں کہ کیا کوئی تاریخ آپکو ایسی مل رہی ہے جس میں ہر ہر واقعہ کے اصل مشاہدہ کرنے والے اور پھر نقل در نقل کرنے والے بیان ہوں اور پھر ہر ہر نقل کرنے والے کے بھروسہ کے قابل حالات تحقیق شدہ ہوں اور آخری ناقل یعنی مصنف بھی معتبر سچا قوی الحافظہ صحیح العقل دیانتدار ہو آپ ہی انصاف سے دیکھیں یورپ کے دھوکہ میں نہ آئیں کہ جب یہ چیز نقلی چیز ہے اور اس کے نقل کرنے والے ہی معلوم نہیں تو وہ کیسی ہو سکتی ہے؟ اور اگر معلوم بھی ہوں تو یہ معلوم نہیں کہ وہ بھروسہ کے بھی ہیں ان کی آپس میں ملاقات ہوئی بھی ہے کہ ایک دوسرے کو بتا سکے یا نہیں اور یہ صاحبِ کتاب خود بھی معتبر بھروسہ کا ہے یا نہیں تو فرمایئے پھر یہ خبر کیسی سمجھی جا سکتی ہے کیا سوائے گپ کے اور بھی اس کا کوئی نام ہو سکتا ہے؟ مگر یورپ نے ایسا اس کو سر پر چڑھایا ہے کہ لوگ مرعوب ہو کر تاریخ تاریخ چلا رہے ہیں اور کوئی اس کی حقیقت پر نظر نہیں کرتا بلکہ لوگ تو اسکو بہت اہم، بڑی معتبر، بہت قابلِ قبول قرار دے رہے ہیں حالانکہ کوئی غور کر لینے والی عقل اس کو باثبوت نہیں قرار دے سکتی اسی لئے آپ ان موجودہ تاریخی کتابوں میں باتیں دیکھیں گے جن کا غلط، جھوٹ، افترا، بہتان، بے اصل اور بے انتہا لغو ہونا ہر شخص کو معلوم ہے یورپی اور ہندو تاریخ نام سے کتابیں لکھنے والوں نے اسلام کے اسلاف کے لئے کیسی کیسی بے بنیاد باتیں بالکل جھوٹ تہمت منسوب کر دی ہیں بلکہ خود بعض مسلمانوں نے تاریخ تاریخ کہہ کہہ کر ان سے نقل کر کے خود بھی

اس گندگی میں حصہ لے لیا ہے اور دنیا کی دنیا تاریخ کی گرویدہ ہو کر ان کو صحیح سمجھ کر گمراہ ہو رہی ہے کوئی نہیں دیکھتا کہ روایت کیسی ہے؟ راوی کیسے ہیں؟ مصنف کیسا ہے؟ اس اندھے پن کا بھی کوئی علاج ہے آج سارے ہندوستان کا کشت وخون انہی تاریخ نامی گپوں سے ہوا ہے کہ جھوٹ موٹ کی باتوں سے نفرت پھیلا کر کر لیا گیا ہے اور سارا ہندوستان اندھا ہو گیا۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس زمانہ میں خصوصاً اور پہلے بھی غیر متدین لوگوں کی روایت کا کیا حال ہوتا ہے ایک ہی قریبی واقعہ متعدد اخباروں میں کس کس طرح آتا ہے ہر شخص اپنے رنگ میں رنگتا ہے اور زمین سے آسمان تک کے قلابے ملاتا ہے خدا معلوم عقلیں کہاں گئیں اور تاریخ تاریخ کا سبق ہر زبان پر کیسے آ گیا؟ اسلامی تاریخوں میں آپ کو ہر ہر نقل کرنے والے کے نام ملیں گے، مصنف کے حالات ملیں گے، مگر درمیان کے ناقل بعض ایسے بھی ملیں گے جن میں سے بہت کے حالات نامعلوم بہت کی ملاقاتیں غیر ثابت شدہ بعض کے اعتماد میں شک وشبہہ اور غیر اسلامی تاریخوں میں تو سند یعنی ان نقل کرنے والوں کے نام تک غائب اس لئے وہ تو محض گپ اور افسانہ کے درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتیں پھر اگر بالفرض کہیں کسی واقعہ کی سند بھی ہو یعنی نقل در نقل والے سب معلوم بھی ہوں جیسے اسلامی تاریخوں میں سند کے ساتھ بیان ہوتا ہے تو جب وہاں بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ بیان کرنے والے ایک دوسرے کو ملے ہیں ایک نے دوسرے کو بتایا اور یہ سب کے سب معتبر نیک پارسا ہیں کیسے اس کو قبول کیا جا سکتا ہے تو اب بھی وہ بے ثبوت بات ہے گو بے سند نہیں اور تاریخیں غیر اسلامی تو بالکل ہی بے سند و بے ثبوت ہوتی ہیں اگر بالفرض کوئی تاریخ سند سے بھی بیان کرتی ہو اور درمیان کے راوی بیان کرنے والے سب کے سب ہر ہر اعتبار سے معتبر بھی ہوں ان کا بھروسہ کا ہونا بھی شہادتوں سے ثابت ہو جائے اور ایسے ہی اصل واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا اور آخری ناقل مصنف بھی قابل اعتبار ثابت ہو جائے گو اس سے کتب تاریخ عاری ہیں تب بھی

وہ صرف ایک شخص کی روایت ہو گی جبکہ واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا ایک ہو پھر نقل کرنے والے ایک سے ایک یا دو معتبر معتبر ہوں تو وہ کچھ معتبر تو ہو جائیں گی مگر یقین کی حد کو نہیں پہنچ سکتیں جب تک دیکھنے والے سے لے کر اب تک کے نقل کرنے والے مسلسل ہر زمانہ میں اتنے اتنے نہ ہوں کہ عقل ان کا جھوٹا ہونا محال قرار دے دے۔ یہ صورت تاریخ میں بالکل ہی نہیں ہے اور فرض کیجئے کہ کسی ایک واقعہ میں یہ بھی ہو گیا کہ اس کے دیکھنے والے اور دیکھنے والے سے سننے والے اور سننے والے سے سننے والے آج تک مسلسل اتنی تعداد میں ہوں تو بیشک اس واقعہ کا واقعی اور صحیح ہونا ثابت ہو گیا مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا یہ ایک شخص کا فعل ہے اور حضور ﷺ یا جن کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا انکے سوا کسی کا فعل معتبر نہیں اور اگر وہ کسی کا قول ہوا تو اگر شریعت کے خلاف ہے تو مردود ہے اور موافق ہے تو شریعت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں اس لئے تاریخ سے اول تو بات بالکل بھی ثابت نہیں ہو سکتی اور ہو تو معتبر نہیں ہو سکتی لہذا یہ فن بالکل بے ثبوت، بے اعتبار ہے یہ بات تو صرف حدیث شریف کو ہی حاصل ہے کہ وہ حضور ﷺ سے آج تک ایک نہیں بہت بہت سندوں سے نقل ہو کر آتی ہے اور ہر ہر راوی کے متعلق بہت بہت حضرات کی شہادتیں حاصل ہیں اور یہ سب تو جب ہے کہ جب نقل کرنے والے واقعات نقل کریں بے کم و کاست نقل کریں موافق و مخالف سب نقل کریں جیسے قدیم اسلامی تاریخی کتابوں میں ہے تب بھی وہ سند کے قابلِ بھروسہ نہ ہونے سے قابل بھروسہ کے نہیں ہیں اور آج کل کی کتابیں جن میں واقعات کی نقل نہیں نتائج و قیاسات ہیں یا اپنے انتخابات ہیں یہ حالات تو کتاب کو فنِ تاریخ کے نام سے بھی نکال دیتے ہیں بلکہ یہ تو محض تخیلات کا مجموعہ بنایا گیا ہے اور خیال آفرینی کو تاریخ کہا گیا ہے اور فرضی افسانے ہیں جن کو واقعی کہا جارہا ہے ایسی مہمل روایات ایسی بے ثبوت کتابیں ایسے لغو فن کو ایک دنیا ہے کہ سراہ رہی ہے

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں

ایسے ناقابلِ اعتبار فن کو جو نہ عقلاً صحیح کہ عقلی ہے ہی نہیں نہ نقلاً صحیح کہ نقل والوں کا اوران کے حالات اوراصل واقعات کا پتہ نہیں لوگ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس میں داخل کر کے دینی تعلیم کے مضبوط و مستحکم قلعہ کو اس طرح پھسپھسا بنادیا جائے ایک ایسی جماعت کو جو ہر بات کو دلائل سے معلوم کرنے اور دلائل سے ثابت کرنے کی عادی ہو اس کو بے دلیل فن میں مبتلا کر کے اس کے علم کا دِوالہ نکال دیا جائے دوسرے معترض حضرات نے کبھی اس پر بھی تو غور کیا ہوتا کہ اس فن کے اوپر کونسی دینی بات موقوف ہے جس کا سمجھنا یا سمجھانا بغیر اس فن کے نہ ہو سکتا ہو یا کم از کم یہ فن کونسا ایسا خاص فائدہ دے گا جس سے قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اعانت ہوگی جن باتوں کی ضرورت فہمِ دینیات کے لئے واقع ہوتی ہے یا وہ فہم میں معتبر ہوتی ہیں وہ سب تفسیروں اور شروحِ حدیث میں موجود ہیں پھر جدید فائدہ یا ضرورتِ دین کے سمجھنے یا سمجھانے میں وہ اور کونسی کمی رہ جاتی ہے جس میں اس سے اعانت ہوگی۔ جناب یہ مدارس دینی مدارس ہیں دین کا مدار ایسے نامعتبر بے ثبوت اور بے دلیل فن پر کیسے ہو سکتا ہے؟

تیسرے آپ خود غور فرمایئے کہ دین تو ان اصول وضوابط کا نام ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے واسطہ سے تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجے ہیں۔ اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ صحابہؓ کتنے ہیں کس کس سن میں پیدا ہوئے فلاں تابعی کب پیدا ہوا کہاں تعلیم حاصل کی کہاں انتقال ہوا یا فلاں عالم کس سن میں پیدا ہوئے، کس سن میں وفات پائی یا فلاں بادشاہ کب ہوئے، کب پیدا ہوئے، کب مرے تو ذرا غور کر کے یہ تو بتایئے کہ اگر وہ تمام احکامات کو معلوم کر کے سمجھ کے عمل کر کے دوسروں کو پہنچا رہا ہے تو کیا اس کی نجات میں ان باتوں کا نہ جاننا حارج ہوگا؟

محض اتنا معلوم ہونا کہ یہ تابعیؒ ہے یہ صحابیؓ اور راویانِ حدیث کے معتبر ہونے نہ ہونے کا بیان اور حالات صرف روایاتِ حدیث کی تنقید و تنقیح کے لئے کارآمد ہے تو وہ الگ فن ہے اسماءِ رجال، تاریخ کو اس کی وجہ سے ضروری نہیں کہا جاسکتا بلکہ نجات کا

کوئی شعبہ اس علم پر موقوف نہیں بس حضور ﷺ کے ارشادات واعمال وافعال کی پیروی ذریعۂ نجات ہے آپ یقین رکھیئے کہ قیامت میں ہرگز اس پر باز پُرس یا سزا نہ ہوگی کہ فلاں بادشاہ، فلاں عالم، فلاں صحابیؓ، فلاں تابعیؒ، یا فلاں شہر، فلاں ملک، فلاں قوم کی تاریخِ پیدائش و وفات، ابتداء وانتہاء، عروج وزوال، ترقی تنزل تم نے کیوں معلوم نہیں کیا ہاں سوال ہوگا اعمال وعقائد کا معاملات ومعاشرات، اخلاق وعبادات کا۔

چوتھے اس سب کو فرض کرلیا جائے تو یہ خیال فرمائیے جیسے اوپر عرض ہوا کہ تاریخ ہے کیا؟ صرف ایک شخص کا عمل یعنی تاریخ کا جزءِ مفید اگر ہوسکتا ہے تو پہلے لوگوں کے بعض افعال ورنہ صرف موت وحیات اور غیر اختیاری امور سے تو کوئی ایسا فائدہ نہیں جس کی ضرورت ہو مفید جز ہے تو اسلاف کے کارنامے افعال واعمال وغیرہ اب یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا ہی کہ کسی کا عمل سوائے حضور ﷺ کے اعمال وافعال کے حجت نہیں ہے اور حضور ﷺ کے افعالِ مبارکہ حدیث میں ملتے ہیں وہ تاریخ سے الگ اصول ہیں اسکے علاوہ تاریخ سے جو کسی کا فعل معلوم ہوگا وہ فعل یا اصولِ دین کے موافق ہے یا مخالف اگر موافق ہے تو اصول کے ہوتے اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اگر مخالف ہے تو اصول کے مقابلہ میں وہ خود ناقابلِ التفات ہے ورنہ تاریخ پر زور دینے والے گویا اصول کو ناقص کہہ رہے ہیں۔ العیاذ باللہ

## تاریخ کا فائدہ وضرر

سطورِ بالا سے یہ مطلب نہیں کہ تاریخ سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ فن ایسا ضروری جس پر نجات یا عملِ نجات موقوف ہو ایسا نہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جس پر دین کا کوئی شعبہ موقوف ہو اور ایسا بھی نہیں کہ خود بذاتہٖ قابلِ اعتماد ہو کہ جس سے کوئی بات یقین یا قریب بہ یقین کے درجہ میں ثابت ہوسکے ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کی کوئی بات دلیل سے ثابت ہوتی ہو محض حسنِ ظن اور روایتِ ضعیفہ کے درجہ میں ہے

البتہ اس سے اسلاف کے حالات معلوم کر کے کام کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے یا سنا کر دوسروں میں اشتیاق و رغبت پیدا کر کے قوتِ عمل کو حرکت میں لایا جاسکتا ہے اور ایسے کام کرنیوالوں کے واسطے کچھ کچھ مفید ہے کیونکہ انسان کی طبیعت کو علمِ نظیر سے اطمینان ہوتا ہے نظیریں سامنے آنے سے رغبت ہوتی ہے اس لئے یہ فن صرف زوائد کے لئے اور ایک استحسان کے درجہ میں ہوسکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے لئے جو تقریر وغیرہ کا کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی مکمل حالات کی ضرورت نہیں ہوتی امورِ غیر اختیار یہ ولادت و وفات وغیرہ اور بود و باش وغیرہ جیسے امور سے یہ بھی فائدہ نہیں ہے

اور ان کو چند کتابوں کے مطالعہ سے از خود بھی حاصل کیا جاسکتا ہے پڑھنے پڑھانے اور نصاب کا جز بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی افسوس ایک عالم وبائے یورپ سے متاثر ہو کر تاریخ کے فن کو خدا جانے کیا سے کیا سمجھنے لگا ہے اور بڑے بڑے سمجھدار لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ وقتِ عزیز کو ضروری مدارِ نجات اور نہایت کارآمد امور میں صرف کرنے کے بجائے اپنی اور دوسروں کی عزیز عمر اس فن میں ضائع کرتے ہیں جنکا فائدہ بہت معمولی اور وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور ان باتوں کو حفظ یاد رکھنا پڑتا ہے تو دماغ پر بے وجہ کا کس قدر بارِ عظیم ہوتا ہے جس قدر قوت دماغی اس پر خرچ کی جاتی اور جتنا وقتِ عزیز اسمیں صرف کیا جاتا ہے اگر وہ کسی ایسے کام میں ہوتا جو انسان کی دنیا یا آخرت کیلئے مدارِ نجات یا باعثِ فلاح ہوتا تو بہتر تھا اب اس اضاعتِ وقت میں علماءِ دین کو مبتلا کر کے ضروری اور بے انتہا ضروری کاموں سے روکنے کی ایک تدبیر کی جاتی ہے کیونکہ وقت محدود ہے اس کام میں جس قدر صرف ہوگا ضروری کام سے یہ وقت خالی رہے گا ایک تو یہ نقصان ہوا پھر زمانہ کے رسم و رواج کے موافق ہونے سے طلبہ کو اسمیں رغبت زیادہ ہوگی ضروری علوم سے توجہ ہٹ جائے گی نفس و شیطان کو اس عظیم الشان کام سے ہٹانے کا موقع ملے گا اور عالمِ دین کی جگہ محض قصہ گو ہو کر رہ جائیں گے وسیع اور گہرے عمل سے محرومی ہو جائے گی

اوراسطرح اسلام واسلامیات کے محافظین کا سلسلہ ختم ہونے لگے گا۔ ذرا غور تو فرمایئے کہ تاریخ کے مشورہ کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا۔ دین کا کام جولوہے کے چنے چبانا ہے کسی دلچسپ کام کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے کون پھر وہ مشقت اٹھانے کے لئے تیار ہوگا کون عالمِ دین بنے گا اور کون اسلام کو سنبھالے گا؟

## مدارس میں جغرافیہ کیوں نہیں؟

۲- یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مدارس دینی مدارس ہیں اس لئے جب تک اسکو ثابت نہ کردیا جائے کہ جغرافیہ پر فلاں فلاں دینی باتیں موقوف ہیں یا یہ فلاں فلاں دینی امور کے لئے ضروری ہے اس وقت تک اس کا مشورہ نا قابلِ التفات ہے یہ فن بھی عقلی نہیں ہے نقلی ہے اور تاریخ سے بھی بڑھ کر اہلِ علم کے لئے لغو ہے، وہاں تو بعض اسلاف کے حالات معلوم ہوتے تھے یہاں یہ بھی نہیں، شہروں اور آبادیوں کے طول وعرض، وہاں کی خاص خاص چیزیں، ان کی سمتیں، وہاں ملنے والی چیزیں اگر آپ کو نہ معلوم ہوئیں تو یہ تو بتایئے آپ کے دین میں کیا کمی واقع ہوئی یا دین کے پہنچانے میں کیا کسر رہ گئی، نجات کا کونسا شعبہ رہ گیا زیادہ سے زیادہ آپ اس کا دینی فائدہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ کے سفروں کے لئے اور اطرافِ عالم کی مسلم وغیر مسلم آبادی وغیرہ معلوم کر کے ان کی تبلیغ کا اہتمام کرنے کے لئے یہ مفید ہوگا تو اس سے اول تو یہ ثابت نہ ہوا کہ تفقہ فی الدین اور علومِ دینیہ کی مہارت میں اس سے کوئی فائدہ ہے اگر ہوسکتا ہے تو بوقتِ انذار و تبلیغ تو جس طرح سفرِ تبلیغ کے لئے ریل کے نقشے، ریل کے کرایہ، ریل ولاری وتانگہ وغیرہ سواریوں کی تفصیل، مسافت کی تعیین وغیرہ کا علم وقت پر حاصل کیا جاتا ہے کیا مبلغین ہر وقت اس کو معلوم نہیں کر سکتے جس طرح ریل گاڑی کی سڑکوں کے نقشے اور کرایے وغیرہ کو جزوِ نصاب نہیں کہہ سکتے جغرافیہ کو کیوں جزو نصاب کہا جاتا ہے؟

ادھر تبلیغ کے متعدد شعبوں میں ضرورت تو فقط ایک شعبہ کیلئے اور لازم کر دیا جائے اصل علم اور کل نصاب کے واسطے یہ کون سی عقل کی بات ہوئی کیا یہ بقیہ دماغوں پر فضول کا بار اور اضاعتِ وقت اور غیر مقصود میں مشغول کر کے مقصود سے روکنا نہیں ہے؟

بیش از بیش یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعبۂ تکمیل میں تبلیغی سفروں کے لئے ایسی کتاب کا دیکھنا بھی مفید ہوگا تو اس میں کوئی انکار نہیں جیسے کہ ریل کے ٹائم ٹیبل کا دیکھنا مفید ہوگا اور مزید مقامی حالات کا معلوم کرنا مفید ہوگا درجہ تکمیل کی بھی ضرورت ہے اس میں یہ مشورہ کچھ مفید ہوگا مگر قبل از وقت عجائبِ بلاد کا سال طلبہ کے دماغوں پر پیش کرنا ان کو فضول کی سیاحت کا شوقین بنانا ہے جس میں اضاعتِ مال، اضاعتِ وقت اور اصلی اور اہم کاموں سے رک جانا بھی ہوتا ہے پھر اس شوق میں ترکِ تعلیم کا احتمال غالب ہے کیونکہ دینی تعلیم نازک طریق ہے اس کو اسکولوں کی تعلیم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس کے موانع اور سدِ راہ امور بہت ہیں بڑی مشکل سے ان سے بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح شہروں کی تجارت وصنعت کے حالات سے یہ تشویق ہوگی کہ وہ اپنے لئے ایسی ہی لائن اختیار کریں اور یہ تشویق بھی سدِّ راہ ہوگی یہ مقصد نہیں کہ صنعت وحرفت اور تجارت کوئی ناجائز چیز ہے بلکہ یہ تو اکلِ حلال کے شعبے ہیں اگر کسی معصیت سے آلودہ نہ کر لئے جائیں تو حلال روزی ہیں دل ودماغ میں بڑا نور پیدا کرنے والی چیزیں اور حرام طریقہ سے بچنے کے لئے تو اور بھی ضروری ہیں مگر پھر یہ کام دنیا کا کام ہے اور وہ طلبِ دین اور اشاعتِ دین کا یہ نہ اسکی برابر کا ہو سکتا ہے کہ بدل بنا لیا جائے نہ اس کے ساتھ جمع کرنا مناسب ہے کہ وقت اور دلجمعی میں خلل ہو کر دین کے کام کی تکمیل اور کمال سے محرومی ہوگی ان نقصانات کو تجربہ کرنے والے ہی محسوس کرتے ہیں یا وہ حضرات جو دینداری کیساتھ غور وخوض سے کام لیں مگر یہ تو بتایئے اگر حاجی نے حج کے سب کام خوب اچھی طرح کیے مگر اسکو یہ ہی نہ معلوم ہوا کہ مسجد میں کتنے دروازے ہیں تو کیا اسکے حج میں کوئی خلل ہوگا؟

# مدارس میں سائنس اور فلسفۂ جدیدہ کیوں نہیں؟

۴- سائنس جو ترکیب و تحلیلِ مادیات ہے اس کے متعلق بھی اگر آپ غور کریں گے تو کوئی دین کی بات اس پر موقوف نہ ملے گی ایسے ہی فلسفۂ جدید پر بھی نہ دین کا کماحقہ سمجھنا موقوف ہے نہ دین کا پہنچانا، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شکوک و شبہات جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو پیدا ہوتے ہیں ان کے حل کرنے میں یہ دونوں فن معین و مفید ثابت ہوں گے تو ان کی ضرورت ایک درجہ میں درجۂ تکمیل میں پہنچ کر ہوگی جس کی الگ ضرورت ہے وہ اس وقت مدارس کا جز نہیں ہے اس شعبہ کی ضرورت ہے اور بہتر یہ ہے کہ الگ ایک شعبہ قائم کیا جائے جس کے ساتھ اس کی عملی صورت کار تبلیغ بھی ہو کہ تقسیم کار زیادہ مفید ہوتی ہے۔

لیکن یہ راستہ پھر بھی بہت خطرناک ہے اس میں دین سے بے دین ہو جانے کا اندیشہ ہے گویا مذہب کا مدار نقل پر رکھنے کے بجائے عقل پر رکھا جا رہا ہے یہ عقل پرستی ہے خدا پرستی خالص نہیں اور تمام دینی کاموں کو دنیوی بنا دینا ہے کہ عقل سے دنیا کا فائدہ معلوم کر کے پیروی کرنا ہے۔ بات مختصر یہ ہے، اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن اصول پر دین کا مدار اوّلی ہوتا ہے ان کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان کے ثابت و تسلیم ہو جانے کے بعد فرعی باتوں کو عقلیات سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے ورنہ فرعیات پر دلائل کا مطالبہ اصول کی تسلیم میں شبہہ پیدا کرتا ہے۔

نئی حکومت کو ثابت کرنے کے دلائل کی ضرورت تو ہوتی ہے مگر حکومت تسلیم ہونے کے بعد اس کا ہر حکم بے چوں چرا ماننا ہوگا اس پر دلیل کا مطالبہ حکومت کی تسلیم میں شبہہ اور بغاوت کے آثار کا مرادف ہے ہر محکمہ کا افسر جب آتا ہے اس کی ملازمت اور اس کے افسر ہونے کے ثبوت کے بعد کسی حکم میں این و آن کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دین میں بھی اصل یہی ہے کہ اصول کا اثبات عقلی دلائل سے ضروری ہے

جب اصول مسلم ہو جائیں تو اب فروع میں دلیلِ عقلی کا مطالبہ اصل کی تسلیم میں شبہ کے مرادف ہوگا جیسے بچہ کو باپ سے غلام کو مالک سے نوکر کو آقا سے کسی حکم میں چون وچرا کی گنجائش نہیں اور ایسا کرنیوالا سزا کا مستحق ہے اسی طرح بندہ کو خدا اور رسول کے حکم میں علت دریافت کرنے کا حق نہیں ہے یہ کام اصولِ عالم کے خلاف ہے بجائے بندہ ہونے کے اپنے کو بہت بڑا اور ہمسر گمان کرنے کے دعویٰ جیسا ہے سخت خطرناک ہے پھر کوئی ماتحت بھی ان اسرار وحالات پر مطلع کرائے جانے کا اہل نہیں ہوتا چہ جائیکہ بندۂ عاجز، بندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس شے سے ان کے کسی حکم کے خلاف کسی بات کا وہم بھی معلوم ہوتا ہو اس سے بغض وعناد دشمنی ومخالفت رکھی جائے نہ یہ کہ اس کو اصل وصحیح قرار دے کر احکام میں عِلل وحِکم کی فکر ہو اور بندگی برقرار۔ ہاں خود کسی کو اسرار پر مطلع فرما دیا جائے تو یہ کرمِ عظیم ہے مگر یہ تقرب ومقبولیت سے ہوتا ہے ہم تو بندے ہیں ہمارا کمال ہماری بندگی کا کمال ہے یہ انانیت بندگی کے خلاف ہے دوسرے علل اور اسباب کی تلاش کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے علم وعقل کے صاحبِ احکام کے علم کی برابر یا قریب ہونے کا دعویٰ ہے جو سخت باغیانہ مقابلہ کی صورت ہے۔

تیسرے احکام کو فلسفی حکم سمجھ کر اختیار کرنے سے دین کا وہ درجہ نہیں رہتا جو تھا یعنی فرضِ الٰہی فرض کے درجہ سے گر کر ایک عقلی ومصلحتی چیز رہ جاتی ہے یہ اہانتِ عظیمہ ہے اور عجب نہیں کہ نوبت کفر تک پہنچ جائے لہٰذا یہ سخت خطرناک راہ ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ہم جو بات علت وحکمت کی قسم سے پوچھتے ہیں وہ اس لئے کہ دوسرے مذہب والوں کو جواب دینا ہے ہم کو خود شک نہ عمل میں اس کا انتظار نہ کسی قسم کا احتمال لیکن اول تو غیر مذہب والوں کو اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں اصول کی بحث کی ضرورت ہے جو عقل سے ثابت کئے جاتے ہیں پھر فروع تابع ہو کر قانونِ عالم کے موافق ثابت ہوں گے دوسرے جن کا یہ کام ہے وہ ان کو خود سمجھا لیں گے آپ اس میں پڑ کر فرض کی اہمیت کو ہلکا کرنے حکم الٰہی کو ہلکا سمجھنے اور اس کو بجائے حکم کے فلسفی بات

سمجھ کر ماننے اور فرضِ عبدیت کے خلاف کرنے میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں غیر مذہب والے ان امور میں پھنسیں تو وہ تو اہلِ باطل ہیں اور باطل کی انتہاء پر پہنچے ہوئے باطل کی پیروی اور کفر سے زیادہ ان کو اور کیا نقصان پہنچے گا؟ آپ ایمان والے ہیں آپ کے اس آبگینہ پر میل یا بال نہ آجائے۔

## اول خویش بعدہ درویش

بتانے والوں کے لئے یہ خطرہ ہے کہ حقیقی علل واسرار تو محض فضل سے مقرب ومقبول بندوں کو بتائی جاتی ہیں اب اسرار وعلل اور فوائد وحکم کا بیان کرنا سوائے ان کے جو فضلِ عظیم نے ظاہر فرمادی ہیں باقی سب قیاسی وتخمینی ہوگا عقلِ انسانی کا قیاس وتخمین ظاہر ہے کہ حکیمِ مطلق کی حکمتوں کا نہ کماً احاطہ کر سکتا ہے نہ کیفاً اور بہت ممکن ہے کہ انکی گرد کو بھی نہ پہنچے قریب قریب بھی نہ آئے اسلئے بسا اوقات ایسا بیان بجائے اصل حکمت کے ایسی لغو بات ہوگی جس سے اس حکم کی اوراہانت ہوتی ہوگی گو یہ صاحبِ بیان اپنے نزدیک کم فہمی کی وجہ سے بڑا کمال کریں گے مگر وہ حقیقت میں توہین وحقارت ہوگی پھر اہانتِ دین سے کفر تک کا اندیشہ ہے جیسے بعض یورپ زدہ لوگ نماز کی حکمت بیان کرتے ہیں ''ورزش'' لاحول ولاقوۃ الا باللہ جو خدائی حکم کی تعمیل بے مثال اور ہر ہر ظاہری وباطنی جز کی عبادت قربِ الٰہی کا ذریعہ براہِ راست حاضرِ دربار اور عرض معروض سے مشرف ہونا وغیرہ تھا اس کو معمولی بچوں کا سا کھیل تماشا بناڈالا ڈنڈ بیٹھک قرار دیا اور بعض لوگ اگر صحیح بھی بیان کریں گے تو اپنے علم کے مطابق کوئی ایک معمولی بات حکمت کی بیان کریں گے سننے والا یہ سمجھے گا کہ بس کل حِکَم ومنافع اسی میں منحصر ہیں اس سے حکم کی وقعت گرے گی اور بہت ممکن ہے کہ جو فائدہ اس کو بتایا گیا تھا اس منفعت کو دوسری جگہ اس سے اعلیٰ دیکھ کر اس کو چھوڑ بیٹھے اور جو اصل منافع تھے آپ کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان سے محروم ہو جائے نہ عقیدہ رہے نہ عمل اور اس کا سبب آپکا یہ بیان ہوا ہے دونوں اس کے مجرم ہوئے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا

کہ ایسا سائل ان حکمتوں کے معلوم کرنے کے بعد اسکو ایک فلسفی اور مصلحتی حکم سمجھے گا فرضِ خداوندی نہ سمجھے گا اس سے فرضیت کا انکار ہو کر کفر تک نوبت پہنچے گی اور یہ نوبت اس بیان سے ہوگی آپ اس کے لئے سبب کفر بن جائیں گے یہ کام جس کو آپ سببِ نفع و تبلیغ سمجھے تھے سبب کفر وارتداد بن جائے گا اور ایک قوی اندیشہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو یہ علوم سکھائے جائیں گے کہیں بجائے اس کے کہ وہ اس کو حاصل کر کے اس کے رد کو سیکھیں کہیں خود ہی نہ فسادِ عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جائیں اسلئے اس میں ہر طرح کا خطرہ ہے۔

فلسفۂ قدیم میں بھی ایسے ایسے اشکالات تھے اور ایسے واقعات پیش آئے لیکن پھر علماءِ اسلام نے اس فلسفہ کو مسلمان کیا ایسا ہونے تک جو کچھ ہوا ہوا اب ایسا ہی پھر ہوگا پہلا زمانہ خیر القرون کے قریب کا تھا برکت و روحانیت کا تھا اس وقت کچھ لوگوں کا سنبھلنا آسان ہو گیا اب زمانہ خود بہت خراب جا رہا ہے اب اسکا سنبھالنا مشکل ہے جو حالات انگریزی خواں مسلمانوں کے فلسفۂ جدیدہ و سائنس پڑھکر ہو گئے ہیں کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہی حالات دینی مدارس کے طلبہ کے ہو جائیں؟ پہلے زمانہ میں جو مقابلہ علماءِ اسلام کو اس وباءِ فلسفہ سے کرنا پڑا ہے اور اس میں خود وہ بھی باوجود علمی و عملی پختگی اور برکتِ عہد کے کچھ لچک لچک گئے ہیں تو اب کیا حال ہوگا اس پر بعض مقررین کا یہ جملہ کہ ''خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا'' کتنا لغو ہے کہ خواہ مخواہ کفر وارتداد کے خطرات پیدا کرو اور خطرات کا مقابلہ کرو جو اس رَو میں بہہ جائے اسے بہنے دو اطمینان سے بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو اسمیں مبتلا کر کے دین سے نکال دو کیا عقل کی بات کہی ہے واہ واہ! اور جب سب کے سب اس خطرہ میں ہوں گے تو پھر کچھ نہ کچھ اثر ہر ایک پر آئے گا اور حقیقی دین و دینداری کی راہ سے ہر ایک کچھ نہ کچھ ہٹ جائے گا پھر دین و دینیات کا صحیح جاننے والا ہی نہ ملے گا، اس وقت تو بیش از بیش یہ الزام ہو سکتا ہے کہ علماء اس سے ناواقف ہیں اور اس وقت علماءِ دین و دینیات کے ہی فنا ہو جانے کا اندیشہ تو یہ ہے۔

قدیم فلاسفہ کے حالات تو آپنے دیکھے ہوں گے کہ بعض نے حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے فلسفہ کو حاصل کیا وہ اتنا دماغ پر مسلط ہوا کہ خود ہی اس میں بہہ گئے اب ان کا کوئی علاج بھی نہیں اگر ایسا کیا گیا تو علماءِ دین کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور پھر اسلام و اسلامیات میں رخنہ کا خطرہ ہے۔

صرف یہ ہوسکتا ہے کہ انتہا درجہ کے نہایت پختہ اہلِ علم وعمل صاحبِ نسبت لوگ اگر مطالعہ کر کے جواب دینا اختیار کریں تو شاید وہ اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور جن کو جوابات دیں گے شاید ان کے دین کو محفوظ رکھ سکیں ادھر یہ کہ فلسفۂ قدیم میں تو اثباتِ اصول کے مسائل تھے وہ قابلِ اعتناء تھا جدید میں فروع سے بحث ہے یہ راستہ بسببِ بیانِ مذکورہ خطرناک ہے۔ غرض نصاب میں داخل کرنا تو اہلِ علم کو تباہ کرنا ہے ہی درجۂ تکمیل میں داخل کرنا بھی خطرات سے خالی نہیں۔

## مدارس میں حساب کیوں نہیں؟

۴- حساب کی جس قدر دین کے لئے ضرورت ہوتی ہے وہ برابر سکھایا جاتا ہے یہ غلط ہے کہ حساب بالکل نہیں ہے ہاں زیادہ میں وقت ضائع نہیں کرایا جاتا۔ فرائض (وراثت) کے مسائل میں کافی حساب کی ضرورت ہے وہ سب سکھایا جاتا ہے نہ مدارس دینیہ کے کسی مقصد میں زیادہ کی ضرورت ہے نہ زیادہ میں لگا کر وقت کو دوسرے اہم ترین کاموں سے روکا جاتا ہے اور سود کا حساب نہیں سکھایا جاتا کہ اس کا حساب بھی حرام ہے۔

## ڈرائنگ کیوں نہیں؟

۵- ڈرائنگ کی نہ دینی کام میں ضرورت نہ اس میں لگا کر وقت کو ضروری علوم سے ہٹا کر ضائع کرایا جاتا ہے ورنہ دنیا میں سیکڑوں فنون ہیں کس کس کو لے کر اصل کام کا وقت کھویا جائے اور جاندار کی تصویر سخت گناہ ہے۔

# ورزش وغیرہ کیوں نہیں؟

۶- ورزش کھیل اور صفائی میں سے کھیل جو تہذیب ومتانت کے خلاف تھا شرافت وعزت کے منافی تھا آج وہ جزوِ تہذیب بنتا ہے لہو ولعب گو آج جزوِ تہذیب ہو جائے لیکن اصلیت بدل نہیں سکتی بری بات بری ہی رہے گی خواہ اس کو کوئی اختیار کرلے اسلام نے لہولعب کو جائز نہیں رکھا سوائے ان چند کے جو جہاد وغیرہ کے لئے ہیں اسلئے ایسے امور کا دینی مدارس میں مطالبہ نہایت حیرت ناک ہے دین کے محافظ دین کے علمبردار اور ناجائز امور کو جزوِ تربیت بنائیں یہ کیسے روا رکھا جاسکتا ہے۔ رہی ورزش تو نہ اس سے کسی کو ممانعت کی جاتی ہے نہ ترغیب دی جاتی ہے جو چاہے کرے چاہے نہ کرے نہ دین کے علوم اس پر موقوف نہ یہ دین کے علوم میں مضر ہاں جب اس قدر درجہ پر آجائے گی کہ علوم میں مضر ہونے لگے گی تو ضرور رد کا جائے گا ورزشِ جسمی کا خاصہ ہے کہ وہ کبر وغرور پیدا کرتی ہے اعصاب میں تناؤ ہونے کی وجہ سے خواہ انسان کمزور ہی ہو خود کو بہت قوی سمجھتا ہے دوسروں کو حقیر اور اس سے اخلاق پر اثر پڑتا ہے کہ بات بات میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کو مارو لیکن پھر صحت کے لئے بعض کے لئے مستحسن اور بعض کے لئے ضروری بھی ہے حفاظتِ اخلاق کے ساتھ اس کی اجازت ہوتی ہے ہاں ورزشِ جسم سے کہیں افضل ورزشِ عقلی، ورزشِ ذہن وحافظہ، ورزشِ کلام، ورزشِ اخلاق، ورزشِ ایمان کا اہتمام ہوتا ہے جن کی ایک عالمِ دین کو بہت ضرورت ہے۔ صفائی ونظافت اور چیز ہے اور زینت وفیشن اور شے صفائی ونظافت کی تاکید ہوتی ہے مگر نہ اس قدر کہ اس میں غلو اور انہماک ہو البتہ جو طلبہ اپنے کام میں انتہا درجہ منہمک رہتے ہیں اور اس انہماک کی وجہ سے وہ صفائی نہیں رکھ سکتے وہ قابلِ گرفت نہیں ہوسکتے جیسے شادیوں میں اہلِ خانہ شدید انہماک کی وجہ سے اپنی صفائی سے قاصر رہتے ہیں، کیمیاگر کو اسکا اہتمام نہیں ہوتا، عاشق اپنی دھن میں لگ کر ایسی چیزوں کو بھول جاتا ہے ایسے ہی یہ لوگ بھی ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جس معیار پر عالمِ دین کو ہونا چاہئے

وہ اسی قدر دُھن اور انہماک کو چاہتا ہے اور جس کو بھی آپ ان چیزوں کا شوقین دیکھیں گے وہ ہر دُھن سے خالی ہوگا حقیقت بِنگر دُھن کو دیکھتا ہے ظاہری نمائش کو نہیں دیکھتا۔

# مدارس میں عربی گفتگو اور تقریر و تحریر کیوں نہیں؟

۷- یہ اعتراض ظاہرِ نظر میں بہت قوی اعتراض ہے اور اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے لیکن شروع میں یاد ہوگا عرض کیا تھا کہ یہ مدارس دینی مدارس ہیں ان میں عربی تابع ہو کر سکھائی جاتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ گفتگو اور تقریر و تحریر مشق کی چیزیں ہیں جب تک مشق رہتی ہے ان پر قدرت رہتی ہے مشق نہیں ہوتی یا نہیں رہتی قدرت نہیں رہتی نہ ان سے قابلیت بڑھتی ہے نہ زیادہ قابلیت کے لئے یہ لازم ہیں۔ آپ دوا فروشوں کو گھنٹوں تقریر کرتے اور اخباروں کے دفتروں اور مشاعروں میں کم سن بچوں کو مضامین لکھتے اور غزلیں نظمیں کہتے اور ہر بچہ کو چند دن میں دوسری زبان کے شہر میں اس کی زبان میں صاف گفتگو کرتے سنیں گے تو یہ مشق نہیں تو اور کیا ہے۔

مدارس کا مقصود عربی فہمی کی تعلیم ہے عربی گوئی کی تعلیم نہیں اور اصل استعداد کلام فہمی ہے بلکہ مختصر سے کلام سے تمام گرد و پیش مالہٗ و ماعلیہ اور ایک ایک نقطہ کا نکتہ سمجھ لینا ہے آیت کے لفظ ''لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ علم استنباط کا ملکہ ہے اسی استعداد کی ضرورت ہے کہ جس سے قرآن و حدیث اور فقہ کو پوری طرح سمجھ سکے آپ نے ایسے بہت لوگ دیکھے ہوں گے کہ کسی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں مگر ایک سطر مضمون نہیں لکھ سکتے پانچ منٹ کھڑے ہو کر مجمعِ عام میں بول نہیں سکتے بہت سے ایسے بھی دیکھے ہوں گے کہ تحریر میں مایۂ ناز اور تقریر میں صفر اور بعض اس کے برعکس۔

معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں محض مشق سے متعلق ہیں قلیل الاستعداد مشق والا عظیم الاستعداد بے مشق والے سے چرب راق نظر آئے گا اگر معترض کو اس سے تسکین نہ ہو

تو اپنے تجربات کی بنا پر دعوی نہیں حقیقت کر کے عرض کیا جاتا کہ جس طالب علم کے مظاہر علوم سہارنپور یا دارالعلوم دیوبند یا کسی اس جیسے مدرسہ میں امتحانات میں اچھے نمبرات آتے ہوں وہ علوم ضروریہ سے فارغ ہو چکا ہو ہمیں دیجئے انشاء اللہ تعالی ایک ہفتہ کی مشق میں وہ عربی گفتگو کرتا نظر آئے گا اگر کسی زبان میں بھی تقریر کی جھجک نکلی ہوئی ہے تو انشاء اللہ ایک دو دن میں عربی میں تقریر پندرہ دن میں مضمون نگاری اور اگر طبیعت موزوں ہے تو شاعری کرے گا ان باتوں کا تجربہ ہو چکا ہے اور ہوتا رہتا ہے آپکو شک ہو تو امتحان کر لیجئے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب چیزیں آلہ اظہار ہیں نمائشی ہیں اور مدارس دینیہ میں نمائشی کام نہیں کیا جاتا۔ دوسرے گفتگو، تقریر، تحریر، شاعری قابلیت کا معیار ہی نہیں ہیں صرف مشقی چیزیں ہیں چند معلومات کو لے کر مشق اظہار سے ظاہر کر دیا جاتا ہے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگ سات سات زبانوں میں شعر کہہ دیتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک زبان سے واقف ہیں یہ اس طرح کہ محدود و متعدد الفاظ ذہن میں آئے اور جمع کر دئے یا دریافت کر کے جمع کر لئے صرف معمولی شُد بُد کی ضرورت ہے اصل قابلیت کلام اور کتابوں کا مع احتمالات و جوابات اعتراضات سمجھنا ہے جن میں بہت بہت نادر نادر الفاظ و مضامین ہیں ان کے لئے وسیع معلومات اور مہارت کی ضرورت ہے مدارس دینیہ میں ٹھوس قابلیت پیدا کی جاتی ہے ایک حوض سا لبریز کیا جاتا ہے کہ پھر جس طرف دہانہ کھولا جائے دھواں دھار ثابت ہو جس کی نظیریں علماءِ کاملین ہیں۔ رہا یہ کہ ایسی مشق کیوں نہیں کرائی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کام جزوِ نصاب قرار دیا جاتا ہے جو ضروری ہو اور مضر نہ ہو اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ممکن ہے کہ آپ کہیں کہ عرب ممالک میں تبلیغ کے لئے ضرورت ہے تو اول تو وہاں جا کر ہفتہ عشرہ میں بولنے کی مشق ہو جاتی ہے پھر وہاں آج کل جو عربی رائج ہے وہ کتابی نہیں ہے جیسے ہندوستان میں دیہات کی گفتگو کو کتاب کی عبارت سے بہت اختلاف ہے اس سے بھی زیادہ وہاں کی گفتگو اور کتابی عربی میں اختلاف ہے مگر وہ بھی اس تعلیم کے بعد دو تین ماہ میں خوب آجاتی ہے جو لوگ حج کو جاتے ہیں وہ اسکا مشاہدہ کرتے ہیں کہ دینی مدارس والے

کسی قدر جلد اس کو بولنے لگتے ہیں دوسرے یہ ضرورت سب کے لئے کب ہوئی صرف مبلغین کے لئے اور ان میں بھی ان مبلغین کے لئے جو حجاز وعراق میں کام کریں تو اوپر عرض کیا گیا ہے کہ فارغ التحصیل ہفتہ بھر کی مشق میں بولنے لگتا ہے اس وقت تو کافی وقت خرچ ہوگا بعدِ فراغت جلد مشق ہو سکتی ہے مگر جب کچھ عرصہ کے لئے مشق چھوٹ جائے گی پھر قدرت نہ رہے گی اس لئے یہ عرب ممالک کا تو صرف ایک بہانہ ہے اصل بات تو انگریزوں کی نقالی کرانی ہے کہ جیسے وہاں انگریزی خوب بولتے ہیں یہاں عربی خوب بولا کریں۔

مگر بات یہ ہے کہ گفتگو، تقریر، تحریر، نظم میں کوئی خاص معتبر فائدہ تو اس وقت نہیں ہے اور نقصان کافی ہے یہ سب چیزیں نمود ونمائش کی ہیں ان سے اس قسم کی بری عادت بنتی ہے یہ ایک ریاکاری ہے جس سے بچاؤ چاہیے اور بعض دفعہ پسند کرنے والوں کی واہ واہ طالبِ علم میں غرور پیدا کردیتی ہے جو علم کے لئے سدِ راہ بن جاتا ہے اور خود سخت خراب عادت ہے اظہارِ پسندیدگی کو دیکھ کر ہر بچہ میں انکی دلچسپی بڑھ جاتی ہے پھر وہ انہی میں توجہ صرف کرتا ہے اور علم کی طرف سے توجہ غائب یا کم ہوجاتی ہے پھر تعلیم کا سلسلہ ختم یا ناقص ہو جاتا ہے اور یہ نقص پھر ساری عمر رستا تا ہے۔

اور عربی کے طالبِ علم اصولی تعلیم ہونے کی وجہ سے اس پر مجبور نہیں ہیں کہ وہ بولتے رہا کریں گے تو علم باقی ہے ورنہ ہوا ہو جاتا ہے اس کے برخلاف انگریزی مدارس کی تعلیم غیر اصولی اور ناقص طریق سے ہے ان کو ہر ہر لفظ کے معنی وتلفظ کو رٹنا پڑتا ہے اگر وہ روز بولتے نہ رہیں تو بالکل بھول جاتے ہیں اسلئے وہ اس پر مجبور ہیں کہ بولتے رہیں یہاں تعلیم اصولی ہے برسوں نہ بولنے نہ لکھنے نہ پڑھنے پر بھی ذہن سے کلام فہمی نہیں جاتی مجبور وہ ہیں ان کی اسی مجبوری کا علاج ہم سے مانگا جاتا ہے حیرت ہے۔

یہاں اس کی بہت نظیریں ملیں گی کہ تعلیم کے بعد قطعاً کوئی علمی کام نہیں کیا اور بیس پچیس برس کے بعد بھی وہ عربی کلام کو خوب سمجھتے ہیں مگر انگریزی میں یہ نظر نہیں

آ سکتا کہ نہ بولے نہ انگریزی لکھے پڑھے پھر بھی اس قدر عرصہ کے بعد وہ کلام سمجھ سکے۔

چونکہ عربی وہ سکھانی ہے جس سے قرآن وحدیث کی کامل سمجھ حاصل ہو اس لئے جدید عربی بھی نہیں سکھائی جاتی جس میں انگریزی فرانسیسی ترکی وغیرہ کے خلط ملط سے نئے محاورات ولغات آ گئے ہیں۔

علومِ دینیہ کی مہارت کے واسطے طلبۂ علوم کو بہت بچانا پڑتا ہے ذرا کسی ایسی شے کی طرف متوجہ ہوئے کہ جس میں دلچسپی ہو تو پھر علمی مہارت میں نقص پیدا ہوا عربی لکھنا، بولنا، تقریر کرنا بلکہ ایسے ہی اردو لکھنا اور تقریریں کرنا بھی نمائشی چیزیں ہیں نفس کو ان میں خصوصاً اس وقت کہ جب لوگ واہ واہ کرنے لگیں بہت حظ حاصل ہوتا ہے اور یہ کام نفسانی کام بن جاتا ہے نفس اپنے حظ کی چیز کی طرف مائل کر لیتا ہے اور اصل مقصود سے بے رغبتی ہو کر کام رہ جاتا ہے یا نقص ہو جاتا ہے اس لئے ان امور کی مشق کچھ مضر بھی ہے۔ البتہ درجۂ تکمیل میں جس جگہ کام کرنا ہو وہاں کی زبان کی مشق ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہوگا۔

پھر تحریر وغیرہ کی مشق خود بخود بھی ہو جاتی ہے اور تقریر و گفتگو کی نوبت آتی ہے تو خود بخود چند روزہ مشق سے یہ سب کام ہو جاتے ہیں سکھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اس کی نظیریں ان مدرسوں میں بکثرت ملیں گی۔

## کیا مدارس میں انگریزی بھی چاہیے؟

۸-انگریزی زبان کی ضرورت دینی علوم کے حاصل کرنے کے لئے تو کسی درجہ میں بھی نہیں نہ قرآن شریف انگریزی پر موقوف نہ حدیث وفقہ اس لئے مدارس کا مقصودِ اعظم تفقہ فی الدین یعنی دین میں مہارت حاصل کرنا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتی نہ وہ اس پر موقوف ہے نہ یہ اس میں معین ومفید رہا یہ کہنا کہ اس زبان میں بہت سے علوم بند ہیں تو وہ علومِ دین کے علوم نہیں دین میں معین ومفید نہیں

اسلئے دینی مدارس میں نہ اس کی ضرورت نہ کچھ فائدہ اور دوسرے علوم میں لگا کر ایسے علوم میں کمی یا نقص پیدا کر لینا کیسے مناسب ہوسکتا ہے دوسرے آج دینی حیثیت سے جو حال انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا ہو رہا ہے کیا ویسا یا اس کے قریب قریب طلباءِ علومِ دینیہ کا حال کرنا مقصود ہے تو تخریب و افساد کی یہ رائے نا قابل قبول ہونی چاہئے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کالجوں میں جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ ماحول اور صحبت کا اثر ہے زبان بحیثیت زبان اس سے بے لوث ہے۔ عربی مدارس میں وہ ماحول اور صحبت جو اَب ہے باقی رہیگی اسلئے اثر نہ ہوگا۔ تو بات یہ ہے کہ صرف ماحول اور صحبت کا ہی اثر نہیں بلکہ اول تو یہ ہے کہ انسان جو زبان سیکھتا ہے یا جو کام کرتا ہے چونکہ اسکی طبیعت میں انس ہے یہ اس سے اور اسکے بانی و ماہر اور اہلِ زبان لوگوں سے مانوس ہو جاتا ہے بلکہ محبت کرنے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ان لوگوں کی خو بو پسند، انکی رفتار و گفتار اچھی معلوم ہونے لگتی ہے، ان کے عیوب سے نظر اٹھ جاتی ہے، کوئی ان کا عیب ظاہر بھی ہو جاتا ہے تو تاویلیں سوجھتی ہیں، ان کے عادات و خصائل سے عشق ہو کر آہستہ آہستہ وہ دل میں جگہ کرتی رہتی ہیں، ان کے مذہب سے بھی جو نفرت باطل مذہب سے ہونی چاہئے نہیں رہتی، خدا اور رسول کے دشمن سے جو بغض ہونا چاہئے وہ باقی نہیں رہتا، اپنے دین پر جو سختی سے جماؤ ہونا چاہئے وہ قائم نہیں رہتا یعنی اسلامیت گھٹنے لگتی ہے اور گھٹتے گھٹتے بعض جگہ فنا ہو جاتی ہے۔

ایک بی. اے. علیگ جو ایڈیٹر اور لیڈر اور ممتاز ہستی (تھے) انہوں نے خود احقر سے بیان کیا تھا کہ میں مسلمان نہ رہا تھا اور شاذ و نادر کوئی انگریزی پڑھنے والا مسلمان رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ لوگ حضورِ اکرم ﷺ کو ایسا ایک لیڈر سمجھتے ہیں جیسے محمد علی، شوکت علی ہو گئے تھے۔ وہ رسول نہیں سمجھتے اسلئے وہ مسلمان بھی نہیں رہتے۔

غرض زبان سے یہ اثر ایسا تدریجی ہوتا ہے کہ محسوس بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت تو زبان کا مسئلہ تمام لیڈروں میں گشت کر رہا ہے۔ کیا اب ہمارے ملک کے محکمۂ لسانیات

کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ہندو اس تاثیر کو سمجھ گیا اور اپنی مردہ زبانوں کو عام اور جبری بنا رہا ہے تا کہ تمام ہندوستان ہندویت میں منضم ہو جائے۔ مگر افسوس مسلمان کبھی اسکو نہ سمجھے۔ انگریزی پڑھنے والوں پر جو انگریزی اثرات ہوئے سب انکو دیکھ رہے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں ملیگا جس پر کچھ نہ کچھ اثر نہ ہوا ہو مگر افسوس پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں بلکہ اور بند ہوئی جا رہی ہیں کہ علماءِ دین کو متاثر کر کے دینِ صحیح کو ختم کرانا چاہتے ہیں۔

دوسرے ہر زبان کے محاورات اور جملوں کے اندر اہلِ زبان میں سے ان لوگوں کی جن سے وہ منقول ہیں کیفیاتِ قلبیہ کا ایک خاص اثر ہوتا ہے جو سننے یا سیکھنے والوں کے دل پر اثر کرتا رہتا ہے اور ان کو خبر نہیں ہوتی۔ اگر وہ بزرگ اہل اللہ ہیں تو ان کے اثرات اور اگر کافر و بدکردار ہیں تو ان کے اثرات ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ بزرگوں کے کلام میں تاثرات دیکھیں گے جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی ایک بہت بڑی مقدار پڑھ جائے تو انشاء اللہ اپنے دل میں دینی شوق کا اثر پائیگا۔ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں بھی بتاتی ہیں کہ ان جملوں میں تاثیر باطنی ہوتی ہے اسی طرح وہ زبانِ کفر بھی اثر انداز ہوتی رہتی ہے لیکن جب طبیعت پختہ ہو جائے یا کسی پختہ رنگ سے رنگی جا چکے اس وقت یہ اثر یا بالکل نہ ہوگا یا ضعیف ہوگا اسلئے بچپن میں کسی ایسی زبان کی تعلیم جس میں قریبی واسطے مقدس مقدس نہ آئے ہوں یا ایسی کتابوں کی تعلیم جن کے مصنف و مؤلف گمراہ یا کافر ہوں اور ان کا کوئی بدرقہ نہ ہو سخت ترین مضر ہے اسی لئے مدارسِ دینیہ کے نصاب میں زیادہ کتابیں مقدس لوگوں کی ہیں۔

تیسرے آجکل ملک و بیرونِ ملک بھی انگریزی کو بہت رغبت سے لیا جا رہا ہے اگر دینی مدارس میں اس کا کوئی جز ہو گیا تو یہ طلبہ بھی آخر اسی دنیا میں رہتے ہیں ان کو بھی اس کی رغبت ہوتی رہتی ہے اور پھر اسی زمانہ میں ہیں جہاں یورپ سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں اس لئے ان کو بھی ادھر رغبت ہوگی اور اصل کام سے رہ جائیں گے

اور جو مقصود تھا وہ ختم ہو جائے گا دین وعلم دینِ اسلام واسلامیات کا وجود عنقا ہو جائے گا۔

چوتھے انگریزی حاصل کرنے سے دنیوی ترقیات کا احتمال قائم ہوتا ہے اور دینی تعلیم میں وہ نہیں ہے چونکہ نفس دنیویات کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے دینیات سے ہٹ جائے گا اور وہ تعلیم ہی رہ جائے گی یا دینی برائے نام رہ جائے گی تو پھر عالمِ دین عالمِ دنیا ہو کر رہ جائے گا عالمِ دین کا وجود ختم ہو جائے گا جو حشر کالجوں میں دینیات کے گھنٹوں میں ہو رہا ہے وہ ان مدارس کا ہو جائے گا۔

پانچویں مدارسِ دینیہ کا تمغۂ امتیاز یہ ہے کہ انتہائی ایثار وخلوص سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اس آیت میں جماعت کے چلنے کی غرض صرف تفقہ کو فرمانا اس کا اشارہ ہے کہ اس جماعت کی نیت اور غرض صرف تفقہ ہی ہو اور کوئی غرض شامل نہ ہو اور مقصد ونصب العین صرف انذار ہی ہو اور کچھ نہ ہو یعنی خلوصِ کامل ہو کسی اور غرض کا شائبہ بھی نہ ہو اور یہ خلوص اسی وقت تک قائم ہے کہ جب تک کوئی دنیوی مفاد اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو ورنہ پھر وہ خلوص رفو چکر ہو کر صرف دنیوی محاصل پیشِ نظر ہو جائیں گے جو انگریزی کی وجہ سے سہل الحصول ہو گئے تھے اسی خلوص کی وجہ سے مدارسِ ہند و پاک کو دوسرے مدارس سے تفوق تھا یہ سب ختم ہو جائے گا دوسرے اسلامی ممالک میں یہ تعلیم ملازمتوں کیلئے ہے۔

چھٹے اصل یہ ہے کہ علومِ دین کی مہارت اور ایسی مہارت کہ دین کی حفاظت ہو سکے، گمراہوں کی خورد برد، تحریفات اور جعل سازیوں کی قلعی کھولی جا سکے بدون اسکے نہیں ہو سکتی کہ کچھ اہلِ علم تمام عمر انہی کاموں میں صرف کریں۔ یہ کام جب ہو سکتا ہے کہ وہ سوائے اس کام کے کوئی اور کام نہ کریں کیونکہ اب قویٰ کا وہ حال نہیں ہے کہ دوسرے کاموں کے ساتھ اس کام کو پوری طرح انجام دے سکیں اب دو صورتیں ہیں کہ باوجود کر سکنے کے وہ دوسرا کام کوئی نہ کریں خواہ یہاں تنگی وفقر وفاقہ ہو اور وہاں ہر طرح راحت وآرام تو ایسے حوصلہ مند ذرا کم کم ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ کہ وہ دوسرے

کسی کام کا اہل ہی نہ ہو پائے تو لامحالہ یہی کام تمام عمر کرے گا اور تمام تنگیوں کو اس مجبوری سے بھی برداشت کرے گا کہ وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا۔

چونکہ یہ کام دین کا اہم ترین کام ہے شیطان و نفس اور دوست و احباب مجبور کرتے رہتے ہیں اس راہ سے ہٹاتے رہتے ہیں اگر عالم کو کوئی ایسی صورت نہ ملی جو اس سے یہ سلسلہ ترک کرا سکے تو وہ تمام عمر لگ کر کامل ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ انگریزی کے بعد طبیعت کو دوسرے مواقع مل جائیں گے تو صورت اس لائن کے ہٹا دینے کی بن جائے گی اور اسکا تمام عمر کا کیا کرایا ختم ہو جائے گا پھر کوئی عالمِ ماہر و کامل نہ بن سکے گا اسی لئے مدارس میں صنعت و حرفت بھی مضر ہے اور مولوی فاضل و منشی فاضل وغیرہ کے امتحانات بھی مقصود سے ہٹانے والے ہیں۔ چنانچہ ان سے اہلِ علم معیاری عالم نہیں بنتے اس کو دوسرے عنوان سے یوں سمجھئے کہ علماءِ دین کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے۔ مجاہدات اختیاری بھی ہوتے ہیں اور اضطراری یعنی مجبوری کے بھی۔ مجاہداتِ اضطراری سے بھی بہت نفع ہوتا ہے چنانچہ بیماریاں، مصائب، پریشانیاں جو مسلمانوں کو لاحق ہوتی ہیں ان سے مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں اور قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے "اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ" الحدیث (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں) غریبوں میں بہ نسبت امراء کے دینداری زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان میں مجاہداتِ اضطراری ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے وہ امراء سے ہزاروں برس پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے جیسے کہ حدیث میں ہے اسلئے علماءِ دین کو ایسی سب راہوں سے روکنا ضروری ہے جو ان کے مجاہداتِ اضطراری کو پاش پاش کرتے ہوں مگر نہ اس قدر غلو سے کہ عرصۂ حیات تنگ ہو کر اور مضر واقع ہوں اس لئے مدارس میں تنخواہوں سے کام چلائیں وہ بھی قدرِ ضرورت اور باقی مجاہدات رہیں اس گذارش کی دلیل آپ اس مشاہدہ کو بنالیجئے جو آپ برسہا برس سے مشاہدہ کر رہے ہیں جو علماءِ مدارسِ دینیہ سے فارغ ہو کر کوئی امتحان دے کر کسی اسکول میں جا لگے یا انہوں نے

کوئی اور مشغلہ اختیار کرلیا وہ دین کے امین نہیں رہے بلکہ اور نیچے اتر گئے اسلئے دین کی حفاظت واشاعت کے کام کے لئے جو روز بروز ترقی کی ضرورت ہے وہ اسی لائن پر عمر گذار رہے ہوتے ہیں اور یہ عمر گذارنا جبھی ہوسکتا ہے کہ وہ مجاہدۂ اختیاری عمل میں لائیں کہ دوسری طرف کبھی توجہ نہ کریں یہ نہ ہوتو پھر مجاہدۂ اضطراری یعنی غیر اختیاری ہو کہ وہ دوسری لائن اختیار ہی نہ کرسکیں لہذا علماء کو انگریزی کی رائے دینا ان کو اس کام سے کھونا اور اسلام اور مسلمانوں کا نقصانِ عظیم کرنا ہے۔

ساتویں عالمِ دین وارثِ انبیاء ہیں اور ''عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ '' (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کیطرح ہیں) انبیاء کو کسی اور کام، کسبِ معاش کے سلسلہ میں لگنے کی اجازت نہیں ہے یعنی نبوت ملنے کے بعد دوسرے معاشی کام کی اجازت نہیں اگر ایسے معاشی کام یا معاشی زبان ساتھ لگادی جائیگی تو ان کاموں سے بچنا مشکل ہوگا اور معاشی کام میں لگنے سے اس وراثت کی شان میں فرق آجائے گا اسی قدر اپنے درجہ سے تنزل کرجائیں گے اور دین ودینیات کی حفاظت میں کمی واقع ہوجائے گی اس لئے یہ ایسے مشورے علماءِ دین کو ان کے منصب سے گرانے کے مشورے ہیں اور ان کے منصب سے گرنے پر اسلام واسلامیات کا نقصان ظاہر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے '' اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً '' (اے اللہ آلِ محمد کا رزق قوت (بقدرِ روزی) کردیجئے) علماء نے کہا ہے کہ ''آلُ مُحَمَّدٍ کُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِیٍّ '' (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہر متقی مسلمان ہے) اسلئے متقی مسلمان اور خصوصاً عالمِ دین کا رزق قوت ہے۔ جس قدر اہلِ علم اس پر اکتفاء کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے مصداق رہیں گے جو لوگ قوت سے آگے ذرائع تلاش کریں گے آل سے اپنے کو دور کریں گے کیونکہ آل کے لئے تو رزق قوت ہی ہے لہذا انگریزی وغیرہ ایسے اسباب پیدا کرنا علماءِ دین کو صیغۂ آل سے نکالنے کی کوشش کرنا ہے۔

چنانچہ جو علمائے دین زیادہ مالیات کے سلسلہ میں لگے ان کو ان کے سابق علمی وعملی مراتب سے تنزل ہوا تنزل تدریجی ہوتا ہے اول اول علم بھی نہیں ہوتا آخر میں محرومی پر رونا پڑتا ہے۔

آٹھویں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے" حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ " (دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے) اور جب دنیا نام ہے مال وجاہ کی محبت کا علماءِ دین کے لئے مال کی محبت کے راستے نکالنا حبِ دنیا کے اسباب فراہم کرنا ہیں اگر ان کی وجہ سے کچھ اہلِ علم اس مرض میں مبتلا ہو گئے تو اس کا وبال کس کس پر ہوگا اور پھر اسکے بعد حبِ جاہ بھی قریب آ جاتی ہے اہلِ مدارس تو کوشش کر کر کے ان دونوں مرضوں سے بچنا ضروری سمجھتے ہیں اگر کسی وقت ان سے کوئی لغزش ہو تو آپکا فرض ہے کہ آپ ان کو بچائیں اور آپ حضرات ان میں پھانسنے کی کوشش کریں تو کیسے کام ہو پھر تو گویا آپ ہی یہ چاہتے ہیں کہ نہ علماءِ اسلام رہیں نہ اسلام رہے؟

نویں بہت غور سے سننے کی بات ہے کہ علومِ دینیہ کی مہارت ایسی اہم ترین عبادت ہے کہ جسکے فضائل بے انتہا ہیں اور ایسی نازک راہ ہے کہ اس کے مشغلہ والے کے دوسری طرف متوجہ کرنے کو حق تعالی نے پسند نہیں فرمایا ہے اسی آیت میں یہ فرمایا ہے " مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً " یہ آیت بلا حکم عام کے جہاد کیلئے جانے میں ہے جو نہایت زبردست عبادت ہے کہ شہادت کی حضور ﷺ نے بھی تمنا ظاہر فرمائی اور بار بار فرمائی۔ یہ سب کے جانے کی ممانعت اور کچھ کے تفقہ فی الدین میں منہمک ہونے کا حکم ہے۔ تفقہ فی الدین والوں کو تفقہ چھوڑ کر اور عارضی طور پر اسے چھوڑ کر جہاد جیسی مقدس عبادت کے لئے بھی جانا پسند نہیں فرمایا دنیوی کام کے لئے کس طرح کوئی جائز کہہ سکتا ہے کہ تعلیم کے کچھ وقت کو ہٹا کر اس کام میں لگا دیا جانے کس قدر ناواقفی کی بات ہے یہ تو منشاءِ حکمِ الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔

# مدارس میں صنعت وحرفت کیوں نہیں؟

۹- صنعت وحرفت واصولِ تجارت وغیرہ سب دینوی کاموں سے یہی نسادات ہیں جواوپر نمبر ۸ میں گذرے۔

# صرف ونحو کے قاعدوں سے تشویش ہوتی ہے؟

۱۰- نصابی علوم وکتب کے بیان میں گذر چکا ہے کہ الفاظِ قرآن وحدیث کے مفردات ومرکبات کے صحیح معانی استدلالی طریق سے جبھی حاصل ہو سکتے ہیں جب صرف ونحو کی مہارت ہواور پھر اصولِ صرف ونحو کو بھی استدلالی طریق سے حاصل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر ہر لفظِ قرآنی پوری طرح منکشف ہو جائے اور اگر کوئی شخص کسی لفظ کا غلط ترجمہ کرنے لگے تو اس کو اصول سے اور اصول میں شبہ ہو تو دلائلِ اصول سے ثابت کیا جاسکے اور کسی کو رُد وبُرد اور تحریف وغیرہ کی گنجائش نہ دی جائے یہ اعتراض ان لوگوں کو پیش آتا ہے جن کے دماغ میں انگریزی طرزِ تعلیم یا یورپ کے اُنس سے ان کا طرز جما ہوا ہے، حالانکہ وہ تعلیم بے اصولی تعلیم ہے اس کا طرز محض مہمل ہے وہاں محض ترجمے یاد کرائے جاتے ہیں جو ذہن سے نکلنے کے بعد بالکل غائب ہو جاتے ہیں تو اگر پھر کہیں سے غلط معنی مل گئے تو صحیح وغلط میں تمیز کا کوئی معیار ہی نہیں ہمیشہ اسی غلطی میں مبتلا رہیں گے اگر کوئی شخص قصداً غلط مفہوم مراد لے تو بغیر اصول کے صحیح مفہوم کا صحیح اور غلط کا غلط ثابت کرنا اور دوسرے کو منوانا ناممکن ہے اور خود بھی جو مفہوم سمجھا جاتا ہے اس کے صحیح ہونے پر اگر اصول سے نہیں ہوگا تو کوئی دلیل نہ ہوگی یہ احتمال رہے گا کہ شاید مفہوم جو ہم سمجھے ہیں صحیح نہ ہو کچھ بیان اس کا موانعِ تعلیم کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے۔

اس لئے پوری طرح کسی کلام کو سمجھنا اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اصولِ صرف ونحو وبلاغت ولغت معلوم ہوں اور پھر ان اصول کا بھی صحیح وغیر صحیح ہونا معلوم ہو یہ ان فنون کی کتابوں سے ہی معلوم ہوسکتا ہے اور ایک سے نہیں بہت بہت سے۔

چونکہ قرآن وحدیث سے احکامِ نجاتِ ابدی ثابت ہوتے ہیں اس لئے ایک ایک لفظ کو اس طرح معلوم کرنا نہایت ضروری ہے، یہاں زبان زبان کی حیثیت سے سیکھنا سکھانا منظور نہیں کہ غلط سلط بھی ہو جائے یا ایک دو لفظ غلط بھی ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں یہاں ایک ایک حرف کی صحت دلائل سے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس پر حکمِ الٰہی کا مدار ہے۔

پھر ہمارے ملک کی زبان غیر عربی اور عربی نہایت مکمل، نہایت وسیع، نہایت جامع زبان ہے اس لئے اول تو خود اس کا حاصل کرنا اور زبانوں کے موافق نہیں پھر دلائل سے حاصل کرنا اور زیادہ کام ہے جس کی اور زبانوں میں ان کے بے اصول ہونے کی وجہ سے کوئی صورت نہیں پھر غیر اہلِ زبان کو حاصل کرنا اور کمال کی بات ہے اسلئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے بڑی محنت اور بہت مشقت کی ضرورت ہے تب پوری طرح اور جیسے ضروری ہے اس طرح کلام فہمی کا ملکہ حاصل ہوگا اس تعلیم کو دوسری تعلیمات پر قیاس کرنا غلط ہے۔

اس سے ذہن کی تشویش وتخریب ان لوگوں کو نظر آتی ہے جو مختصر اور سطحی زبانوں کو حاصل کرتے ہیں اور کلام کی حقیقت سے ہی واقف نہیں یہاں زبانوں کی حقیقت اور ہر ہر لفظ کے دلائل یا نئے لفظوں میں فلسفہ زبان ہوتا ہے تشویش وتخریب کا عنوان طلبہ کو ڈرانے اور وحشت ونفرت پیدا کرنے کے واسطے پروپیگنڈے کے طریق پر استعمال کیا جاتا ہے ورنہ دنیا جانتی ہے کہ رفتہ رفتہ دماغی وذہنی کام کی مقدار بڑھانے سے ذہنی ورزش ہو کر ذہن ودماغ قوی ہوتا ہے بشرطیکہ بے ضابطہ ایک دم ناقابلِ تحمل بار نہ ہو جائے نصاب میں اس کی بہت رعایت ہے جس کو تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔

جو لوگ اس طرح زبانِ عربی حاصل کرتے یعنی عربی کو انگریزی طرز پر سیکھتے ہیں وہ اسی طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مفہوم کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ اصول سے نابلد ہوتے ہیں اس لئے اصول سے انکی تصحیح کر دینے پر بھی ان کی عقل اسکے

حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو اپنی چرب زبانی سے گمراہ کرتے ہیں اس وقت اسلام کے لئے وہ لوگ زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں جنہوں نے کالجوں میں عربی پڑھی ہے یا انگریزی نما عربی پڑھتے ہیں اب جو کچھ غلط سلط بے دلیل ان کے دماغ میں اتر جاتا ہے اور وہ خلافِ حق، خلافِ اصول، بالکل لغو و مہمل ہوتا ہے وہ اس پر جم کر دنیا بھر کو اپنی صحافیت کی رَو میں بہالے جاتے ہیں اور کسی طرح حق بات ان کے دماغ میں نہیں چپکتی کیونکہ معیارِ صحت و غلط سے قطعاً عاری ہیں اور عوام کو اپنے علم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈالنے کے لئے قرآنِ مجید پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا اور جسے دیکھئے تفسیر کے نام سے تحریف کئے چلا جارہا ہے۔ آج ہمارے ملک میں ایسی تحریفیں بنام تفسیر کئی چھپ چھپ کر بکتی ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ بنارہی ہیں اور ادب یا زبان کے شیدائی ان پر ٹوٹے پڑے ہیں اور اس طرح اپنے دین پر ڈاکہ ڈلوا رہے ہیں اگر ایسی تدابیر مدارسِ دینیہ میں بھی جاری کردی گئیں تو یہ طلبہ بھی اسلام میں ایسے ہی خطرناک ثابت ہوں گے جیسے عربی کے بی، اے اور ایم، اے یا رسمی مولوی، فاضل و عالم، فاضل وغیرہ۔

## منطق و فلسفہ قدیم کی وجہ

۱۱۔ منطق و فلسفۂ قدیم کے متعلق بھی علوم و کتب کے ذیل میں ضرورت عرض کی جاچکی ہے اور اصل یہ ہے کہ قابلیت و علم کثرتِ معلومات کا نام نہیں ہے لوگ عام طور سے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ علم و قابلیت ایک نورانی کیفیت ہے جو قوائے دماغیہ کو حاصل ہوتی ہے اور معلومات میں غور و خوض کرنے سے باریک باریک باتیں دیکھنے اور پڑھنے سے ان کے سمجھنے میں ذہن کو لگانے سے رفتہ رفتہ ذہنی ورزش ہوکر ایک انجلائی کیفیت پیدا ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ دقیق دقیق باتوں میں ذہن کو لگانے سے یہ کیفیت بڑھتی ہے پھر جس قدر اور مشکل چیزوں میں دماغ سے کام لیا جائے گا اسی قدر وہ ترقی کرتا جائیگا۔ شاعر کو شاعر اسلئے کہتے ہیں کہ اس کا شعور اوروں سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ وہ ایک

خاص قسم کے کام میں دماغ سے بہت کام لیتا ہے۔ آپ وکلاء اور بیرسٹروں کو قابل سمجھتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ مقدمات کے دقائق میں غور و خوض کر کر کے دماغی ورزش سے یہ انجلائی کیفیت زیادہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جو صنّاع و حرّاف دماغ سے خوب کام لیتے ہیں وہ بہت عجیب عجیب چیزیں ایجاد کرتے ہیں اور معمولی بات یہ ہے کہ ہر تعلیم کے نصاب میں ہلکے ہلکے علوم کے بعد پھر مشکل اور دقیق دقیق اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ دماغ کام کا اور غور و خوض کا عادی ہو کر قابل بن سکے۔ علومِ دینیہ کے لئے ذہن کے بہت تیز ہونے کی ضرورت ہے اگر خلقۃً بھی تیز ہے تو چار چاند لگانے کے لئے ورنہ تیز کرنے کے لئے منطق و فلسفۂ قدیم کی ضرورت ہے ان علوم میں جس قدر حقائق و دقائق ہیں وہ اوروں میں نہیں ہیں جس قدر بال کی کھال یہاں نکلتی ہے دوسروں میں نہیں دماغ و ذہن کو جس قدر ورزش یہاں کرنی پڑتی ہے دوسری جگہ نہیں یہ علوم دماغ کے لئے سان یا صیقل کا کام دیتے ہیں۔ دوسرے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ دن رات کی گفتگو اور ہر زبان کی تالیفات میں بہت سے وہ نقطہ آتے ہیں جو فلسفۂ قدیم اور منطق کی اصطلاحیں ہیں یہاں ان کو حقیقی مفہوم سے سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر بعض عقل کے پرستاران کی باتوں کو نقل کر کے دھوکے دیتے ہیں اسلئے تردید کی ضرورت میں بعض کتابوں کی حاجت ہوتی ہے پھر مسلمانوں نے ان فنون کو مسلمان کر کے لیا ہے انگریزی نصاب کی طرح کفریہ باتیں جوں کی توں نہیں لے لی ہیں۔

کام چور، سہولت پسند، بدمحنت طلبہ اس سے جان چراتے ہیں جن کے دماغ باقاعدہ حسبِ نصاب اچھی طرح علم حاصل نہیں کرتے وہ شروع کے نقص کی وجہ سے بعد کی باریکیوں سے گھبرا جاتے ہیں عام طور پر ان فنون پر اعتراض کرنے والے ناواقف یا اسی قسم کے لوگ ہیں اگر ان علوم کو خارج کر دیا گیا تو ذہن بلید، ٹھوس رہ جائیں گے چنانچہ جو طلبہ یا جو علماء ان کو حاصل نہیں کئے ہوئے ہیں ان کے ذہن ایسے ثاقب نہیں ہوتے جیسے پوری طرح حاصل کرنے والوں کے ہیں اور معیاری عالم کے لئے

ان چیزوں کی بہت ضرورت ہے یہ نہ رہیں تو معیاری عالم نہ ہوسکیں گے اور بقول علامہ طحطاویؒ "ان کا علم نا قابل اعتماد ہوگا"۔!

ہاں ایک صورت اور ہے جس سے ذہنِ ثاقب، فہمِ سلیم اور عقلِ مستقل حاصل ہو جاتی ہے اس وقت ان علوم کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے اسلاف میں ان علوم کی بعض جگہ قطعاً اور بعض جگہ اتنی ضرورت نہیں ہوئی لیکن اس زمانہ میں اس کی یہی کمی ہے لہٰذا دونوں کی سعی ا سے امید ہے کہ توازن صحیح ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ جیسے نصاب کے باطنی جز میں بیان ہو چکا ہے نسبت مع اللہ کے تحصیل کی سعی ہو چونکہ علم ایک نورانی اور انجلائی کیفیت ہے وہ نورِ الٰہی کے اتصال سے اعلیٰ درجہ کی قوی کیفیت ہو جاتی ہے اور جیسے احادیث سے معلوم ہو چکا ہے اس سے علم لدنّی حاصل ہو جاتا ہے۔ معلومات کی ممارست سے ان کے علوم وفنون کی کدو کاوش سے دقائق کے غور وخوض سے بھی وہ نورانی وانجلائی کیفیت حاصل نہیں ہوسکتی جو اس نورِ یزدانی سے حاصل ہوتی ہے کہ۔

بینی اندر خود علومِ انبیا　　　　بے کتاب و بے معید واوستا

حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے علومِ مروّجہ حاصل نہیں فرمائے اور ہمارے حضور ﷺ تو امی تھے مگر حضور ﷺ کے علوم تمام اولین وآخرین کے علوم کا مجموعہ اور سب کا منشاء وملجاء ہیں پھر حضور ﷺ کے غلاموں میں لاکھوں سے بھی کہیں زائد تعداد اس کی ملے گی جنہوں نے علومِ مروّجہ حاصل نہیں کیے مگر دنیا ان کے علوم کا جواب نہیں رکھتی حضراتِ خلفاء وصحابہؓ اور اولیاءِ کرامؒ سب اس کی دلیل ہیں اس لئے نصاب کے باطنی جز کو بہت زیادہ اہمیت ہے چونکہ حضورِ اکرم ﷺ کی تو ایک نظرِ مبارک حقیقی کیمیا تھی جس پر ایک نگاہ پڑ گئی وہ اسی وقت سب سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ ہادی ومقتدا ہو جاتا تھا چنانچہ صحابی وہی ہے جس نے ایک بار بھی یا اس کو ایک بار بھی حضورِ اقدس ﷺ نے دیکھ لیا ہے اور ہر صحابیؓ کیلئے یہ حکم ارشاد ہے " اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَ یِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ " (میرے اصحاب ستاروں کی

طرح ہیں جس کسی کی بھی تم اقتدا کرلو گے راہ یاب ہو جاؤ گے ) تو ایک نگاہ بلکہ ایک
ملاقات میں کہ حضور کی نگاہ بھی نہ پڑے وہ زیارت کر لے سارے عالم کا ہادی ہو جاتا تھا
اب ہمارے پاس وہ کیمیا نہیں مگر ایسی ہستیاں اب بھی دنیا میں بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں
جو ئندہ یابندہ جن میں ایک آنچ کی کسر نہیں رہتی واقعی کندن بنا دیتے ہیں مگر کچھ کچھ کام
کرنا پڑتا ہے کچھ آنچیں برداشت کرنی پڑتی ہیں پھر کندن ہی نہیں اکسیر بنا دیا جاتا ہے
مگر ظاہری علوم میں دلچسپی ہے اور اس میں اول اول مجاہدات ہیں اسلئے ظاہری علوم سے
انجلائی کیفیت کا حاصل کرانا طبائع کو سہل معلوم ہوتا ہے یہ بھی اور وہ بھی ہو جائے تو
سبحان اللہ چنانچہ ان مدارس میں بحمد اللہ دونوں کا کوئی نہ کوئی جامع بھی ملتا رہتا ہے لاکھوں
کے لئے کوشش درکوشش کرنے سے بھی اگر دو چار نکل آئیں تو زمانہ کے فساد وعوائق
اور گوناگوں مشکلات اور عدم یا قلتِ اسباب میں اس کو بھی ملک وقوم کی خوش قسمتی سمجھئے کہ
دوسرے ملکوں سے فوقیت نہیں لے گیا تو ہمسر تو ہے ہی بشرطیکہ دیکھنے والوں کی نظر میں
اسلام واسلامیات کی قدر واہمیت ہو اور اسکی حقیقت تک نظر پہنچ سکے۔

# تبلیغ وتصنیف وغیرہ کیوں نہیں؟

۱۲۔اس اعتراض کی حقیقت بھی اوپر ایک مستقل عنوان کے تحت میں گذر چکی ہے
کہ آیت کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اثناءِ تعلیم میں ایسے کاموں میں نہ لگایا جائے
البتہ بعدِ تعلیم ایسے کاموں کی مشق کرانے کی ضرورت ہے جو تبلیغی ہیں اور تقسیمِ کار کے
طریقہ پر انجمنِ تبلیغ کا قیام ضروری ہے لہٰذا اس کے دو درجے ہیں ایک ان کاموں کی
مشق جس کو شعبۂ تکمیل کہنا چاہیئے اور دوسرا انجمنِ تبلیغ۔ گویا یوں سمجھا جائے کہ جس مقدار
میں یہ کام ہونا چاہیئے وہ ان وجوہ کی بنا پر پہلے عرض ہو چکی ہیں مدارس میں نہیں ہو سکتا
البتہ مدارس کے تحت ان کی نگرانی میں ایسے دونوں شعبوں کے ہونے کی ضرورت ہے
دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ایک عرصۂ مدید سے شعبۂ تکمیل کی طرف مسلمانوں
کو توجہ دلا رہے ہیں مگر اب تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا تاہم کچھ کچھ کام شروع کر رکھا ہے

اگر ذی حیثیت مسلمان اس طرف توجہ کریں اس مد میں خاص اعانتیں کریں تو یہ کام اچھی طرح انجام پا جائے یا اہلِ اثر لوگ ان کو اس طرف متوجہ کریں بے حسی کی وجہ سے ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہی طلبہ بھیجے جاتے ہیں جن کے اعزہ کے پاس انگریزی تعلیم کا خرچ نہیں ہوتا اسلئے اول تو والدین کو جلدی ہوتی ہے کہ بیٹا چند پیسے کمانے لگے دوسرے لڑکے کو بھی حقوق کا احساس ہوتا ہے اسلئے وہ بھی جلد سے جلد کسی ایسے مشغلہ میں لگنا پسند کرتا ہے جس سے والدین کی خستہ حالی کا مداوا کر سکے لیکن پھر بھی اتنا ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کچھ وظیفہ دے کر درجۂ تکمیل کے لئے روک لیا جائے تو بہت سے رک جائیں گے اور پھر جبکہ انجمنِ تبلیغ کے بھی متعدد شعبے ہوں گے ہر شعبے میں ان کو جگہ دی جا سکے گی اور پھر ان میں سے اہل اور کام مین تجربہ حاصل کر لینے والوں کے واسطے ملک میں اور بھی تبلیغی ادارے قائم ہو جائیں گے تو یہ سب حضرات اپنی تمام عمریں دین کی خدمت میں سہولت سے لگا سکیں گے اور کام بھی خوب ہو سکے گا۔ اور ضرورت اسی کی ہے کہ ان مدارس کے ماتحت ان کی نگرانی ہی میں ایسے شعبے اور ادارے قائم کئے جائیں تا کہ کام صحیح ہو سکے ورنہ جو لوگ اہلِ نقص مگر ہوشیار اور زمانہ شناس ہو جاتے ہیں وہ بعض ادارے قائم کر کے ملک میں اور گمراہی اور غلط امور کی اشاعت کرتے ہیں ایسے کام سب کی نظر میں ہیں جو غلط اور بے راہی سے ہو رہے ہیں اور

ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی

اس وقت جس کو دیکھئے وہ مصنف و مؤلف بن رہا ہے اور غلط سلط گمراہی کے مضامین اور کتابیں شائع کر رہا ہے بلکہ جو اٹھتا ہے وہ ناواقفی یا نقص یا خراب ماحول و فضاءِ مسموم سے متاثر ہونے کی وجہ سے یا خود گمراہ ہونے کی وجہ سے مذہب پر ہی حملے کرتا ہے غالباً آپکی نظر میں بھی ایسی بہت کتابیں اور رسائل ہونگے جو مذہبی کہلا کر بے مذہبی و گمراہی کے علمبردار ہیں ضرورت ہوگی تو ان کے نام بھی پیش کر دئے جائیں گے۔

چونکہ مذہبی مضامین سب نقلی ہوتے ہیں ان میں ایجاد و اختراع خطرناک

راستہ ہے کھلی بات ہے کہ دین تو اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا اور حضور ﷺ کا لایا ہوا ہے وہ ظاہر و باطن، راجح و مرجوح، ناسخ و منسوخ کی تنقیح کے ساتھ جو موجود ہے وہی دین ہے لوگوں کے ذہنوں کی تجویزیں خدائی دین کیسے ہو سکتی ہیں یہ تو خدا تعالیٰ پر یا ان کے نبی پر تہمت لگانا ہوا جو آیات و احادیث سے جہنم کا راستہ ہے اور نقل بہت قابلیت اور بہت مطالعہ کی محتاج ہے اسلئے جو لوگ مدرسوں میں درس وغیرہ کے کسی کام میں مصروف ہیں یا ان کو اسقدر فرصت نہیں یا قویٰ آجکل عام ضعف کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں اس کام کے لئے ان مدرسوں کے ماتحت مستقل اہلِ علم کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ وقتاً فوقتاً اہلِ تجُر و مہارت سے بھی رجوع کر سکیں اور کام درست اور حق و صواب کا ہو سکے اس لئے ان شعبوں کی طرف اہلِ ثروت کو توجہ کرنے کی اور اہلِ اثر کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے لوگ اعتراض تو کر دیتے ہیں کہ اعتراض سہل ہے مگر جو کام کرنے کا ہے وہ نہیں کرتے اگر آپ سے تبلیغی کام سرانجام نہیں پا سکتے تو ان کی اعانت و ذرائع اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کا کام تو ہو سکتا ہے۔ آخر دین کا کام آپ کے بھی تو ذمہ ہے جس قدر بھی آپ کے بس میں ہے آپ دوسروں کو ہی ٹھیکہ دار کیوں سمجھ لیتے ہیں اور خود کو بَری کیسے یقین کر لیتے ہیں دین تو سارے مسلمانوں کا دین ہے اور حضور ﷺ تشریف لے جاتے وقت ساری امت کے حوالہ کر گئے ہیں آخر اس بے انتہا عظیم الشان امانت کی حفاظت و بقاء کے متعلق ہر ہر مسلمان سے سوال ہو گا تو جواب کیا ہو گا خصوصاً شفاعت کی امیدواری کے وقت کیا عرض کیا جا سکے گا اعتراض تو سہل ہے مگر ذرا یہ کہتے ہوئے اپنے گریبان میں بھی منہ ڈال لیجئے کہ آپ نے اس کام میں کیا کوشش کی ہے؟

## سیاست سے ناواقفیت کیوں ہوتی ہے؟

۱۳- یہ بھی ایک مغالطہ ہے اصل یہ ہے کہ سیاست نام ہے انتظامِ عالم، انتظامِ ملک، انتظامِ شہر، انتظامِ ادارہ، انتظامِ خانہ وغیرہ کا اور اسکی دو صورتیں ہیں، سیاستِ اسلامی و غیر اسلامی، سیاست اسلامی تو ان قوانین کا نام ہے جو اسلام نے

انتظامات کیلئے مقرر فرمائے ہیں اس سیاست کے تمام احکام دینی تعلیمات میں موجود ہیں اور یہ سب احکام علماءِ دین کی نظر میں رہتے ہیں ان کو مذہب سے خارج نہیں کہا جاتا ہے نہ ان حضرات کو ان احکام سے ناواقف کہا جا سکتا ہے چونکہ ملک میں ان احکام کا اجراء نہیں ہے اسلئے ہر وقت تمام احکام کا استحضار نہیں رہتا مگر معمولی سی توجہ سے بتائے جا سکتے ہیں۔ رہی سیاستِ غیر اسلامی تو اس سے ان کو واقفیت بیشک نہیں ہے اور نہ ہونی چاہیئے کیونکہ جس کام کے لئے یہ ہیں اس میں ان کو ماہر ہونا ضروری ہے اور دوسرے کاموں میں ان کا دخل اپنے کام میں کمی پیدا کرنا ہے یہ تو گفتگو سیاست کے علم کے متعلق ہے رہا عمل تو وہ کام کے متعلق ہونے پر ہوتا ہے جو اسلامی قاعدے و قانون کے تحت ہوگا جس کام کے متعلق ہوگا۔ رہا یہ شور و شغب، ہڑتالیں، اسٹرائکیں اور جلوس یہ کوئی اسلامی کام نہیں یہ یورپ کی نقالی ہے اور کچھ نہیں اور مسلمانوں کا نقصان الگ ہے۔ نمبر (۸) کے آخر میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے تفقہ اور انذار کے لئے جس جماعت کے ہونے کو فرمایا ہے ان کو جہاد غیرِ عام میں بھی جانے کو منع کیا ہے جو عارضی مشغولی تھی اسلئے مستقل مشغولی سے بدرجۂ اولیٰ ان کو ممانعت ہے اور چونکہ انکے علاوہ دوسرے حضرات کو جہاد کے لئے جانے کو فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ اہلِ تفقہ فی الدین اور اہل انذار کے لئے تو سیاست اسلامیہ کا کام بھی پسند نہیں فرمایا چہ جائیکہ غیر اسلامی سیاست، غیر اسلامی سیاست سے مراد یہ ہے کہ اسلامی قوانین پر نہ ہو خواہ مسلمانوں کے ہی حقوق کی حفاظت ہو۔

اصل یہ ہے کہ سیاستِ اسلامیہ کا مطلب بھی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم کی فلاح و بہبود کے واسطے جو احکام دینی و دنیوی ہر ہر ضرورت کے نازل فرمائے ہیں ان احکام پر عمل کرایا جائے جو نہ کرے اس پر سزائیں نافذ کر کے عمل کرایا جائے اس کے لئے محکمے اور عملے بنائے جائیں ایک جماعت کا کام تو احکام بتانا، قوانین مرتب کرنا، لوگوں کے دلوں میں ان کو پیوست کرنا ہے وہ جماعت تفقہ و انذار والی جماعت ہے

دوسری جماعت کا کام ان احکام پر لوگوں سے عمل کرانا ہے یعنی مقصود احکامِ دین ہیں اور سیاست اس پر عمل کرانے کیلئے ہے ارشاد فرمایا ہے" اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ "الآیۃ (مسلمان وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت دیں تو وہ نماز وغیرہ قائم کرائیں) تو سیاست احکام پر عمل کرانا ہے۔ پہلی جماعت کو دوسری کا دوسری کو پہلی کا کام مناسب نہیں اسلئے سیاسی کام زعماءِ قوم کا ہے اور دینی کام علماءِ دین کا ہے البتہ ایک سے دوسرے کا رابطہٗ اتحاد ہے۔ علماءِ دین دین کی اشاعت میں زعماءِ قوم سے امداد لیں گے زعماءِ قوم اس پر عمل کرانے میں ان سے دین کی معلومات اور ہدایت حاصل کریں یہ تقسیمِ عمل حق تعالیٰ نے فرما رکھی ہے اب تک ملک میں چونکہ سیاستِ اسلامیہ نہیں ہے غیر اسلامی حکومتوں کی طرح دارو گیر سے مسلمانوں کی حفاظت کے کام ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر درجہ میں علماءِ دین کا کام نہیں ہے زعماءِ قوم کا کام ہے۔ علماء کی علمی شرکت و دینی ہدایت ضروری ہے جس کے وہ لوگ بھی مکلف ہیں جنکا یہ کام ہے کہ زعماءِ قوم ان سے ہدایات لیں اور یہ بھی مکلف ہیں کہ ہر وقت ان کی ہدایات سے اعانت کریں لیکن اپنے اپنے فرائض میں کوتاہی کا زمانہ ہو رہا ہے اس لئے اس وقت بعض علماءِ دین کو شرکت بھی کرنا پڑی لیکن آپ خود دیکھ لیں گے کہ ان کی اس شرکت سے ان کے اصلی کام میں خلل واقع ہوا اور دوسرا کام بھی جیسا چاہیئے تھا انجام نہ دے سکے۔ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے اہلِ علم کو عملی شرکت سے صراحۃً منع فرمایا ہے جو "افاداتِ اشرفیہ در مسائلِ سیاسیہ" میں مذکور ہے۔

بیش از بیش آپ موجودہ سیاسی اکھاڑوں کو مبالغہ کر کے جہاد سے تعبیر کر دیں گے یا زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسیات کو اسلامی سیاست کہہ دیں گے تو اسی آیت میں حق تعالیٰ نے اہلِ تفقہ و انذار علماء کو اس کام کی بھی اجازت نہیں دی تفقہ اور انذار ہی کے کام میں لگایا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفقہ و انذار کا کام ایسا اہم ترین ضروری کام ہے کہ ایسے ایسے خالص اسلامی و دینی کاموں میں اور صرف عارضی طور سے لگنے کی

بھی اجازت نہیں دی گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کام ایسا نازک کام ہے کہ دوسری طرف کی عارضی توجہ سے بھی اس میں رخنہ پڑ جاتا ہے اس لئے اجازت نہیں دی گئی اس سے آپ تمام اعتراضات کا جواب حاصل کر لیجئے کہ اس کام والوں کو کسی اور کام کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت نہیں یہ حکم اول زمانہ سے ہے قرنِ خیر سے ہے قوتِ ظاہری و باطنی کے زمانہ سے ہے اور اس وقت سے ہے جب اس کام میں ایسے موانع پیش نہ آتے تھے جواب آتے ہیں اس عصر سے ہے جس عصر میں دین کا شوق بے انتہا تھا کہ اس وقت کے اہلِ طلب و علم کی شرکت سے بھی علم میں زیادہ خلل کا خطرہ نہ تھا اور اب کہ یہ سب باتیں بدل گئی نہ وہ خیر و صلاح نہ وہ قوتِ ظاہر و باطن اور موانع بہت بہت اور شوق کے بجائے بدشوقی تو اب تو ایسے امور کی طرف متوجہ کرنا بالکل سمِ قاتل ہے۔

تحریکاتِ خلافت کے زمانہ سے اب تک جو اس قسم کے شور و شغب سے طلباءِ علوم دین متاثر ہوئے ہیں سب اہلِ مدارس کو اس کا تجربہ ہے کہ تعلیمی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ منتظمین کوشش کرتے کرتے تھک گئے مگر یہ ایک تخریبی حملہ ان کی تمام تعمیری کوشش کو بے کار کر دیتا ہے یہ ان مسلم لیڈروں کی بات ہے جو اپنی کم فہمی سے طلباءِ علومِ دین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ساعی رہے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ یہی ہڑ بونگ رہی تو عجب نہیں کہ معیاری علماءِ دین بننے کا سلسلہ قیامت تک کے لئے بند ہو جائے اور وہی زمانہ آ جائے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا کہ پہلے علماء وفات پا جائیں گے اور نئے عالم بننے بند ہو جائیں گے بعض اہلِ بصیرت کا خیال اب بھی یہ ہے کہ علماءِ دین بننے بند ہو گئے ہیں اگر اب بھی مدارس کو ان سے پاک نہ کیا گیا تو یہ سب کے مشاہدہ میں آ جائے گا۔

## علمِ اسماءِ رجال داخلِ درس ہونا چاہیئے

۱۴- اسماءِ رجال کے متعلق علوم نصاب کے بیان میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس

کولغت کی طرح رٹنا پڑتا ہے جس طرح لغت کسی زبان میں رٹائے نہیں جاتے نہ رٹائے
جاسکتے ہیں کتابوں کے اندر جو آتا رہتا ہے وہ یاد ہوتا رہتا ہے اس طرح ایک بڑا ذخیرہ
لغات کا حاصل ہوجاتا ہے بقیہ کو وقتِ ضرورت کتبِ لغت سے حاصل کیا جاتا ہے یہی
صورت اسماءِ رجال میں بھی ہے۔ ہزاروں راویوں کے نام، ان کے حالات، ان کے
زمانے، ان کے اساتذہ، ان کے تلامذہ، ان کی قوت وضعف وملاقات وغیرہ وغیرہ کے
واقعات سنیں۔ ولادت ووفات کس قدر رٹے جاسکتے ہیں اور پھر کتنے یاد رہ سکتے ہیں
ایک عبداللہ نام کے سیکڑوں راوی ہیں ان میں سے ہر ایک کا امتیاز کیسے رہ سکتا ہے اس کی
سہل ترین صورت جس میں قدرِ ضرورت کام بھی چل جائے دماغ پر نا قابلِ تحمل بار بھی
نہ ہو یہی ہے کہ روایات میں جہاں جہاں آتے ہیں وہاں مختصر مختصر تذکرہ ہوتا ہے
جو بکثرت آتے ہیں ان کا حال ذہن میں رہ جاتا ہے بقیہ کے لئے کتابوں کی مراجعت
ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان تاریخ کے شیدائی حضرات سے جو اس طرح ایک تاریخ کی
قسم کی طرف اس عنوان سے متوجہ کرتے ہیں عرض ہے کہ یہ بھی تو غور کریں کہ اس کی
ضرورت کتنی ہے اور مصیبت کتنی۔ ضرورت یہ ہے کہ علماءِ اسلاف نے قرآن واحادیث
کی بے انتہا خدمت کی ہے روایۃً درایۃً کتاب اللہ کے اشارات وصراحت اور احادیث
کے راجح مرجوح، ناسخ منسوخ، صحابہؓ کے تعامل، قرائن سے صحت وسقم، موضوع ومعتمد
سب کو دیکھ کر مسائل حاصل کر کے مدوّن کر دئے ہیں اب آپکو یا تو ان مسائل کے مآخذ
معلوم کرنے اور تفقہ کے کمال میں ان کے دلائل حاصل کرنے کے لئے اسماءِ رجال کی
ضرورت ہوتی ہے یا فروعی اختلاف والے کے مقابلہ میں ان کو ثابت کرنے کی ضرورت
ہوتی ہے۔ اختلافی مسائل چند کہ جن پر مباحثے ہوتے ہیں ان کے راوی مختصر اور
اہلِ مباحثہ ان کے حالات معلوم کر ہی لیتے ہیں وقتِ ضرورت دیکھتے ہیں اور وہ
ذہن نشیں ہوتے رہتے ہیں اور دلائلِ احکام کے لئے ہر وقت دیکھے جاتے ہیں جس جس

حکم کی دلیلیں دیکھنا ہوتی ہیں اسی سے راوی معلوم کر لئے جاتے ہیں۔ کام تو یہ بعض کا اور گاہ گاہ کا مگر ان کا یاد کرنا آپ کے نزدیک ضروری کہ ہزاروں کے ہزاروں تذکرے اور لاکھوں حالات حفظ کئے جائیں ذرا اس زمانہ کے قوائے دماغیہ کی بھی خبر لے لیجئے کہ جو بہت ضروری اور ہر وقت کی ضرورت کی چیزیں ہیں وہ بھی پوری طرح حاصل کرنا دشوار ہو رہی ہیں چہ جائیکہ کم ضروری اور دقیق و وسیع ترین۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترض صاحب نے اس کی ضرورت اور اس کے پھیلاؤ پر غور نہیں کیا صرف اعتراض برائے اعتراض کر مارا۔

## تعلیم بطریقِ املاء کیوں نہیں دی جاتی؟

۱۵- چونکہ کالجوں میں اس کا رواج پڑ گیا ہے کہ پروفیسر گھنٹہ بھر کے لئے آ کر ایک تقریر کر دیتے ہیں اب بے سوچے سمجھے تقلید کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بھی کوئی اچھا طرزِ تعلیم ہوگا اس لئے اس کی ضرورت بتانے لگے حالانکہ اس کے غلط ہونے کا اندازہ ہر شخص اس سے لگا سکتا ہے کہ جب اس نے کسی کی تقریر سنی ہے تو وہاں سے اٹھنے کے بعد اس کے دماغ میں تقریر کا کتنا حصہ رہ جاتا ہے اور ممکن ہے کسی بہت قوی الحافظہ کے ذہن میں کچھ رہ گیا ہو تو اس کا اندازہ کیجئے کہ پورے مجمع میں سے کتنے لوگ ایسے ہوں گے جن کے ذہن میں کچھ رہ گیا ہو بخلاف اس کے کہ کتاب کسی کے سامنے ہو اور اس کتاب کو مفصل و مشرح کر کے کوئی سامنے رکھے تو وہ قریب قریب سب کا سب اور سب کے ذہن میں بیٹھ جائے گا یہ ایسی کھلی بات ہے مگر یورپ کے شیدائیوں کے دماغ میں یہ بات نہیں جمتی اور وہ غلط طریقہ جم جاتا ہے حیرت ہے کیسے آنکھیں بند کر لی گئیں۔

پھر نیم مولوی صاحبان نے اس کو اسلامی رنگ دیا کہ اسلاف میں املا کا درس ہوتا تھا کہ استاد لکھوا دیتا تھا طلبہ لکھ لیتے تھے پھر خود ہی اس کا یہ جواب دیا کہ کہا جا سکتا کہ

اس وقت کتابیں نہ تھیں اس لئے ایسا ہوتا تھا پھر فرماتے ہیں یہ صحیح اگر علوم کو کتاب میں منحصر کر دینا کیا اچھا ہے؟ ایسی لغو بات کہتے ہوئے ان لوگوں کو یہ شرم بھی نہیں آتی کہ سننے والے کیا کہیں گے کہ املا والے بول بول کر کتاب لکھوادیں تو علوم کتاب میں منحصر نہ ہوں اور سوچ سمجھ کر تحقیق و تفتیش کے بعد کسی ماہرِ فن مصنف نے کتاب لکھی تو بھی علوم کتاب میں منحصر نہ ہوئے اب اگر کتاب کوئی دیکھے تو علوم کتاب منحصر ہو گئے ایک گھنٹہ ایک شخص علوم بیان کر کے چل دے تو علوم غیر منحصر نہ وقت میں منحصر نہ اس کے دماغ کے احاطہ میں منحصر اور کتاب سامنے رکھ کر وہی تقریر جامع کر دے تو علوم منحصر ہو گئے؟ سبحان اللہ کیا علمی نکتہ ہے بس یہ ضرور ہے کہ کتاب سے کچھ اس کے پلے پڑ جائے گا اگر کچھ حاصل نہ ہو یا کچھ ذہن سے نکل جائے تو اس کو کتاب سے سمجھ لے گا کہ یہ بات ذہن سے جاتے ہی کتاب سامنے ہو اور حل ہو جائے تو علم قابو میں آ گیا جب کچھ ذہن سے نکلنے لگا کتاب سے اس حل کی بنا پر اخذ کر لیا مگر تقریر میں جو یاد رہ گیا رہ گیا اور جو نکل گیا نکل گیا اور عالم بن گئے واہ واہ۔

بات یہ ہے کہ اول اول جب کتابیں مدون نہ تھیں علماء کتابیں لکھوا دیتے تھے وہ کتابیں اب بھی امالی کے نام سے بعض بعض ملتی ہیں پھر تصنیف و تالیف شروع ہوئی۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی فوری کتاب سے وہ کتاب بہت بہتر ہو گی جو تحقیقات سے اور فرصت میں لکھی جائے اسلئے امالی قسم کی کتابیں بالائے طاق رکھدی گئیں کوئی ایک دو ملتی ہے مگر ان سے بہتر کے وجود نے ان کو صرف یادگارِ سلف کے طور پر رہنے دیا ہے۔ پھر جب کتابیں مدون ہو گئیں تو چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استاد صرف رہنمائی کرتا ہے اور اصل کام استعداد میں خود طالبِ علم کا ہے وہ صرف طریقہ کام کرنے کا بتا کر صحت و سقم سے مطلع کرے گا اور کام سب طالبِ علم کو کرنا ہو گا اور جس قدر کام شاگرد اپنے دماغ سے لیگا اسی قدر اس کی استعداد بڑھے گی اس لئے یہ طریقہ رائج ہوا کہ طالبِ علم کتاب نقل کر کے لاتا اور خود مطالعہ کر کے استاد کو تھوڑا سا سناتا اگر اس نے اس کو صحیح بیان کر دیا تو استاد کہتا کہ

صحیح ہے آگے چلو ورنہ کہتا کہ غلط ہے پھر حل کر کے لاؤ اور حل کرنے کے طریق میں اس کو ہدایات دیتا پھر اس کے بعد جب کم ہمتی بڑھی تو اساتذہ نے کچھ بتانا بھی شروع کر دیا اس اعانت سے ان کو حقیقت میں نقصان پہنچا کہ پہلے وہ کتاب پر پوری طرح از خود حاوی ہوتے تھے اور وہ ان کے ذہن میں پتھر کی لکیر ہو جاتی تھی اب اس میں ذرا کمی آ گئی پھر اور کم ہمتی و کم شوقی ہوئی تو اور ترقی ہوئی آخر مطابع ایجاد ہوئے اور کتابیں لکھنا چھوٹ گئیں اس کی ہمت بھی کم ہو گئی استعدادوں میں اور فرق پڑنے لگا کہ پہلے نقل سے کتاب پر اجمالی عبور ہوتا تھا پھر خود غور کرنے سے عبور ہوتا تھا اساتذہ کے بیان کے اس طرز سے اور بھی اس غور میں یہ کمی ہوئی کہ بقیہ اساتذہ بتا دیں گے اس طرح کم کم غور ہونے لگا اور پھر آخر کتابوں میں خلجانات رہنے لگے تو علماء نے شرحیں اور حاشئے لکھے طلباء ان کو نقل کر کے استعداد بڑھاتے رہے مگر ذہن کی ورزش میں کمی آ گئی پھر وہ بھی پریس میں آ گئیں اور پھر کم ہمتی یہ ہوئی کہ ان کو دیکھنا مشکل ہو گیا تو مختصر حواشی لکھے جانے لگے ادھر اساتذہ نے تقریریں لمبی کر دیں حتی کہ پھر کتابوں پر اعراب اور ترجمے وغیرہ ہونے لگے آخر استعدادوں کا ناس ہو گیا طلباء کے دماغوں کی ورزش کم ہو گئی استعداد کم ہوتی گئی حتی کہ معدوم ہو گئی ان استعدادوں کے گرنے کے سبب وہ تاجر بھی ہوئے ہیں جنہوں نے طلبہ کی سہولت اور فرمائش کی وجہ سے اعراب لگا کر اور تراجم کرا کے کتابیں شائع کیں اور پھر وہ مدرسین وہ اہلِ مدارس ہوئے جنہوں نے کم استعداد طلبہ کے سامنے لمبی لمبی تقریریں کیں اصل مطلب کے ساتھ اور اور باتیں پورے فن کی یا دوسرے فنون کی باتیں بتائیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کتاب کے اصل مطلب سے بھی محروم ہو گئے طویل تقریریں نہایت قوی الاستعداد ایسے طلبہ کے لئے تو مفید ہیں جو کتاب کو پوری طرح خود سمجھتے ہوں خود مصنف اور اہلِ فن پر قوی قوی اشکالات وارد کر سکتے ہوں ان کیلئے بڑی بڑی تقریریں مفید ہو سکتی تھیں مرکزی مدارس میں چونکہ کچھ نہ کچھ طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں وہاں ایسی تقریریں جائز ہو سکتی ہیں گو عام مفید نہ ہونگی البتہ ان کے مدرسوں کی استعدادِ علمی کی ترقی کیلئے بہت نافع ہوں گی اور مدارس کا یہ مقصد کہ تبحر علماء حاصل ہوں

پورا ہوسکتا ہے۔ دیوبند وسہارنپور میں معتبر علماء اسی سے حاصل ہوئے ہیں اور ذی استعداد طلباء کو پہلے اس سے فائدہ پہنچا ہے مگر کم استعداد کے طلبہ اصل کتاب سے بودے رہ گئے سنا ہے ایک حکیم صاحب نے ملازم سے ایک نسخہ بنوایا خیال ہوا کہ اس کو یاد ہوگیا ہوگا تو نسخہ ہی ہاتھ سے گیا پوچھا تو اس نے سب سنا دیا پریشان ہوئے آخر یہ حکمت کی کہ اس سے کہا کہ میاں اتنے عرصہ تم ہمارے پاس رہے ہو ہم مرجائیں گے تو تم کہیں پریشان نہ ہو آ ؤ دو چار کارآمد نسخے تمہیں بتادیں یاد کرلو کام آئیں گے وہ بہت خوش ہوا نسخے بتادیئے پھر چندروز کے بعد پوچھا تو اسے ایک بھی یاد نہ تھا۔

یہی حال ہمارے ان طلبہ کا ہوجاتا ہے جن کو کم استعدادی پر طویل تقریر ملتی ہے جب کتاب ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی یہ حال ہوتا ہے تو اب خیال فرمایئے کہ صرف ایک تقریر سے ہزاروں باتیں سنکر ان کے پاس کیا رہسکتا ہے؟

مگر بڑے کالجوں میں ذی ثروت طلبہ ہیں امتحان کی کامیابی پر معاش کا اورخرچ کی اضاعت کا مدار ہوتا ہے ان تقریروں سے تو ان کے دماغ میں خال خال ہی کچھ رہتا ہے ٹیوشنوں پر ماسٹروں کو روپیہ دے دیکر اپنی مصیبت کا درماں کرتے ہیں اور بہت ممکن ہے ماسٹر صاحبان نے بھی ٹیوشن کا سلسلہ بنانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی ہو۔ عربی مدارس میں نہ ذی ثروت ہیں نہ ایسے امتحان کی کامیابی پر مجبور اس لئے یہاں اگر ایسا کیا گیا تو بالکل کورے رہ جائیں گے حالانکہ ان صاحبوں کو یہاں زبردست قابلیت، نہایت زبردست ذہانت، نہایت زبردست علم کی ضرورت ہے جو ذہن ودماغ سے بہت کام لینے سے ہی حاصل ہوتا ہے ضرورت تو اس کی ہے کہ موجودہ روش میں بھی تبدیلی کرکے قدیم طرزِ تعلیم کہ طلبہ خود مطالعہ کرکے سبق کو حل کرکے خود سنایا کریں اور استاد صرف ہاں یا نا کردیا کرے یہ نہ ہو تو موجودہ صورت رہے نہ کہ علوم کو ہوائی بنا کر دماغ پر ان کا عبورِ محض کردیا جائے اور نام عالم کا دیا جائے۔

# ادب وانشاء کیوں نہیں؟

۱۶- جو وجوہ نمبر (۷) کے جواب میں عرض کیے گئے ہیں یہاں بھی متصور کیے جائیں۔ اصل استعداد کلام کا صحیح صحیح دلائل و براہین کے ساتھ سمجھنا ہے اور تفقہ فی الدین میں یہی درکار ہے۔ عربی نویسی ایک مشقی چیز ہے جیسے کہ اردو نویسی بھی کہ بہت سے لوگ نہایت قابل ہوتے ہیں مگر مضمون نویسی کی ان کو مشق نہیں ہوتی اسلئے ذرا سا اردو کا مضمون مشق کے نہ ہونے سے نہیں لکھ سکتے حالانکہ زبان بھی مادری ہے۔ دوسرے یہ مدارس دینی ہیں عربی نہیں ہیں اسلئے یہاں عربیت زبان کے طریق پر نہیں سکھائی جاتی ہے۔ کلام اللہ وکلام الرسول کو پورا پورا سمجھنے کے لئے سکھائی جاتی ہے اسلئے انشاء نہ ہونا مضر نہیں۔

تیسرے یہاں اس شے سے بچانا ضروری ہے جس میں دلچسپی ہو کر اصل کام میں ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ وقت محدود ہے جب دوسرے کام میں کچھ نہ کچھ لگے گا وہ وقت اصل کام سے نکل جائیگا اور اس سے جو تکان ہوگا اصل میں مضر ہوگا، اس کا شوق ہو کر اصل سے کم شوقی ہوگی، ادھر سے توجہ ہٹ جائے گی، علم کے کمال میں فرق پڑے گا اس لئے یہ کام اصل مقصد کے لئے مضر ہوتا ہے اور ضروری ویسے بھی نہیں کیونکہ فراغت کے بعد ذرا سی مشق سے اور اکثر بلا مشق بھی آ جاتا ہے کم استعدادی میں بہت مشق کی ضرورت ہوتی ہے زیادہ استعداد پر بہت تھوڑی کافی ہے لہٰذا اگر بعد میں کوئی ضرورت پیش آئی تو ذرا سی توجہ سے حاصل ہو سکتی ہے مگر اس وقت خطرہ سے خالی نہیں۔

چوتھے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ادب کو ان مدارس میں داخل کرنے سے غرض کیا ہے؟ علوم کے بیان میں عرض کیا جا چکا ہے کہ کلام اللہ وکلامِ رسول کا فہم جس پر موقوف ہے یا جو اس میں معین ہے وہ علم یہاں مقصود ہے۔ مفرداتِ الفاظ کی ہیئات علمِ صرف پر اور مادہ لغت پر موقوف ہے، مرکبات نحو پر اور احوالِ مرکبات بلاغت پر، علمِ ادب کے

بارہ اجزاء میں سے جو آٹھ اصول ہیں ان میں سے انہی چار پر ادب کا زیادہ مدار ہے۔ صرف ونحو و بلاغت مستقلاً ہوتے ہیں لغت کی رٹائی بہت مشکل کام ہے اس لئے ادب کی کتابیں لغت کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اسی وجہ سے ایسی کتابیں جن میں لغت بہت استعمال ہوئے ہیں جزوِ نصاب ہیں اور وہ بھی وہ کہ جن کے مضامین لغو ہیں تاکہ ذہن کو دوطرف بیک وقت متوجہ ہونا نہ پڑے انہی کتابوں میں استعمالات وفروق وغیرہ معلوم ہوکر لغت حاصل ہوتا ہے یہاں کے ادب سے وہی ادب مقصود ہے جو کلام فہمی میں بڑی استعداد پیدا کرے۔ عیاش دماغوں کے واسطے مطرب بنانے والا ادب ان مدارس میں جگہ پانے کا حقدار نہیں ہے۔ اس لئے نثر میں نفحۃ الیمن اور مقاماتِ حریری ہیں جن سے لغات خوب معلوم ہوتے ہیں۔ انشاء پردازی نہ مقصود نہ معینِ مقصود فقط طرب انگیز شے میں کیوں وقت لگایا جائے اور ایک دلچسپ چیز لوگوں کی واہ واہ والی نمائشی چیز میں لگا کر اصل سے بے رغبتی یا کم رغبتی پیدا کر کے نقص کا سامان فراہم کیا جائے اور نظم میں بھی حماسہ ومعلقہ جاہلی اور دیوانِ متنبی متاخرین کے استعمالات ولغات کے لئے ہیں حضرتِ عمرؓ کا فرمان ہے" عَلَيْكُمْ بِدِيْوَانِ الْعَرَبِ فَإِنَّ فِيْهَا مَعَانِيْ كِتَابِكُمْ " (عرب کے دیوان کو ضروری رکھو کیونکہ اسمیں تمہاری کتاب قرآن شریف کے معانی ہیں) اس لئے ادبی کتابوں کا مقصود معانیِ کتاب اللہ وکتاب الرسول ﷺ کا کام ہے اس کیلئے جس قدر کی ضرورت ہے وہ نثر ونظم کی موجودہ کتابوں سے حاصل ہے۔ دعوائے عربیت اور نمائشِ ادب سے یہاں سروکار نہیں ہے اور نہ ہونا چاہئے آپ ہی بتائیے کہ اگر انشاء لکھنے لگیں نظمیں کہنے لگیں گو بہت سوں کو یہ سب باتیں بلا اس خاص اہتمام کے بھی حاصل ہو جاتی ہیں تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ لوگ واہ واہ کردیں جیسے مشاعروں میں ہو جاتا ہے اور فائدہ کیا ہوگا ممکن ہے یہ خیال ہو کہ اس سے عربیت سے مناسبت ہوگی، عربیت سے دلچسپی ہوگی، عربیت کی استعداد بڑھ کر کلام فہمی میں معین ہوگی تو میں عرض کروں گا کہ اس میں بھی کچھ خلط ہو رہا ہے۔ سخن فہمی الگ شے ہے سخن گوئی الگ نہ ہر سخن گو سخن فہم ہے نہ ہر سخن فہم سخن گو ہمارے اس مقدس مقصد کے لئے سخن فہمی کے کمال کی

ضرورت ہے سخن گوئی کی قطعاً نہیں اس سے تو عربی گوئی سے بہت مناسبت ودلچسپی ہوگی اورعربی فہمی سے کم کم اورعربی فہمی کی مشق سے لامحالہ فہم زیادہ ہوگا اوردوسری طرف دلچسپی اورواہ واہ کی وجہ سے جووقت اورتوجہ یہاں لگتی وہ نہ لگے گی نقص پیدا ہوگا پھراگرکسی کی طبیعت کوبعدِ فراغت عربی گوئی سے مناسبت ہوگی تو خود بخود آجائے گی اس کے بعد اگروہ کبھی ذراسی مشق کسی ضرورت سے کرلے گا تو عمربھرکے مشاقوں سے آگے نکل جائے گا بشرطیکہ وہ ایسے بے فائدہ کام میں عزیز وقت کولگانے کے لئے تیارہو چنانچہ ان مدارس سے بعض ایسے حضرات بھی نکل چکے ہیں۔

## جدید مدرسوں کی تقلید کرنی چاہئے

۱۷- یہ لوگ تو دینی مدارس کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان ترمیم شدہ نصاب والے مدارس کی تقلید کریں اورہم ان مدارس کو اس دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ طرز ونصاب کی تبدیلی سے دینی مدارس کا حال وہ ہوجائے گا جوان کا ہوا ہے کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

دیندار حضرات تو ان مدارس سے خوب واقف ہیں ہی میں اوربھی سب حضرات سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہی ذرا انصاف سے اورغورکرکے اپنی اسلامی شان کو سامنے رکھ کے اسلام واسلامیات کی پوری طرح حفاظت کے فرض کومحسوس کرکے اورپھرمدارسِ دینیہ اورعلماءِ دین کے نصب العین و مقاصد اوران کے صحیح کاموں کو پیشِ نظررکھ کراورعالمِ دین کے علم وتقویٰ کے معیارپرنگاہ رکھ کرکے اپنے ہی دل سے پوچھ لیجئے کہ آج تک ایسے مدارس سے یہ مقاصد، یہ فوائد، یہ دینی کام، یہ دینی خدمات، یہ صحیح دین کی حفاظت وخدمات کبھی ہوئی ہے؟ آج تک ان سے سینکڑوں ہزاروں آدمی تیارکرنے پرکوئی ایک ایسا معیاری عالمِ متبحر، علومِ دینیہ کا ماہر، تقویٰ وطہارت میں ممتاز، خوداعلیٰ درجہ کا دیندار اوراعلیٰ درجہ کا دیندار بنانے والا، صحیح دین سمجھ کرصحیح دین پہنچانے والا

جس کو وارثِ انبیاء کہا جا سکے، عابد، زاہد، متورّع، خاشع، خاضع بنا ہے؟ بلکہ اگر انصاف سے علوم صحیح کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان مدرسوں سے نکلنے والے، یورپ کے اثر سے متاثر، صحیح علمِ دین اور تقویٰ سے خالی ہونے کی وجہ سے ایسے مضامین لکھ مارتے ہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کی جگہ کفر یا گمراہی کا سامان فراہم کرتے ہیں اور علماءِ حق کو ان کی تردید کرنی پڑتی ہے اس لئے ان کا کوئی مضمون اور کوئی تقریر و تالیف بھروسہ کی نہیں ہوتی، ناقص علم و عمل کی وجہ سے غلطیوں سے لبریز ہوتی ہے مگر عام لوگ اس کو کم محسوس کرتے ہیں ماہرینِ دین سے پوچھئے وہ خوب جانچ رکھتے ہیں۔ جو لوگ ان پر اعتبار کر لیتے ہیں گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اخباروں کے ایڈیٹر، سیاست کے لیڈر، اسکولوں کے ماسٹر، کچہریوں کے کلکٹر، عالم نام صورت میں مسٹر یعنی ہر ٹر والے لوگ بنا دئے ہیں مگر ایسا بھی کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے

صد شکر کہ اکبر تو کسی ٹر میں نہیں ہے

اب اگر آپ لوگوں کا یہی منشا ہے کہ ان مدارسِ دینیہ میں بھی ٹر ٹر ہی ہو اور دینِ صحیح کا جاننے والا، دینِ صحیح کا بتانے والا، صحیح دین کا صحیح پَیرو، نمونۂ سلف، وارثِ انبیاء، مقدس صورت، مقدس سیرت، محافظِ اسلام اور اسلامیات ایک بھی پیدا نہ ہو اور سارا ملک ان امور سے خالی ہو کر اسلام و اسلامیات کا نام ہی نام رہ جائے بلکہ اغیار کی کوششوں اور اثرات سے متاثر ہو کر نام تک نہ رہے تو کیا آپکی یہ کوشش اس غلط مقصد کے موافق نہ ہوگی؟

مگر جب تک پاک ملک میں کچھ لوگ بھی دین و دینیات کے شیدائی ہیں اور مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح اسلام و اسلامیات سے ہی وابستہ جانتے ہیں اس وقت تک تو اپنی زبان کو کام و دہن میں رکھنا اور اس کام سے ذہن کو خالی کرنا چاہئے کہ نہ مسلمان اس کے لئے تیار نہ مدارس۔

## صرف ونحو اردو میں کیوں نہیں؟

۱۸- فارسی کی ضرورت علوم نصاب کے تحت میں عرض کی جا چکی ہے یہ اشکال کہ ذہن پر دوہرا بار ہوگا اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب ان صرف ونحو کی کتابوں کو ایسے وقت پڑھایا جاتا کہ فارسی مطلق نہ آتی اور انہی سے فارسی تعلیم کا کام لیا جاتا حالانکہ کوئی مدرسہ ایسا نہیں کرتا۔ فارسی صرف ونحو اور متعدد کتابیں تقریباً ''گلستاں'' تک پڑھا کر صرف عربی کی سب سے پہلی کتاب ''میزان الصرف'' دی جاتی ہے جن کو گلستاں کی فارسی اور میزان الصرف کی فارسی کی خبر ہے وہ کسی طرح اسکا احتمال بھی تسلیم نہیں کرسکتے کہ گلستاں کے بعد یا ساتھ ساتھ میزان میں کوئی اشکال طالبِ علم کو رہ سکتا ہے۔ پھر صرف عربی کا فقط ایک سبق اور گلستاں کے بعد فارسی کی اور بہت سی متعدد اور مشکل کتابیں ہوتی رہتی ہیں چونکہ فارسی سے عربی کی مناسبت ہوجاتی ہے عربی میں فارسی کی کچھ کچھ مناسبت پیدا رکھنا مناسب ہے تاکہ عربی وفارسی میں جو قواعدِ نحویہ وغیرہ کا اشتراک ہے اس میں صرف عربی حاصل کرنے سے فارسی استعداد اور مناسب ہونے کی وجہ سے کچھ عربی استعداد ومناسبت بڑھ جائے جس طرح بعد کے فنون میں عربی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں حالانکہ وہ فنون اردو میں بھی ہوسکتے ہیں اور عربی صرف ادب وغیرہ میں رکھی جاسکتی ہے مگر ان فنون کو عربی میں پڑھانے سے عربی فہمی کی استعداد برقرار رہتی یا بڑھتی رہتی ہے ایسے ہی فارسی میں پڑھانے کو سمجھ لیجئے کہ اس سے فارسی استعداد اور اس کی مناسبت سے عربی کی مناسبت واستعداد برقرار یا ترقی پر رہے گی یہ تجربہ بھی ہے اور عقلی بات بھی ہے آپکا مشورہ بے تجربہ ہے!

## کیا بلاغت کیلئے دلائل الاعجاز ضروری ہے؟

۱۹- بلاغت کے فن میں ان مدارس میں تین کتابیں داخلِ درس ہیں تلخیص المفتاح، مختصر المعانی، مطول۔ مولانا ابوالکلام صاحب نے آخر کی دو کتابوں کے

مصنف پر کسی غیظ کا اظہار ایسے کیا ہے ''علومِ الٰہیہ میں ایک جگہ فن کی ہے لیکن آج کل
اس فن میں علامہ تفتازانی کی کتابیں مختصر معانی اور مطول پڑھائی جاتی ہیں ان شرحوں میں
بات سلجھنے کے بجائے الجھ گئی ہے میرے خیال میں علامہ کی کتابوں کا رواج اس سے ہو گیا
کہ اس زمانہ میں ان کا اثر بہت تھا کیا وجہ ہے کہ آج جبکہ ان کتابوں سے بہتر کتابیں مثلاً
''دلائل الاعجاز'' چھپ گئی ہے اور عام طور سے ملتی ہے نہ پڑھائی جائے'' معلوم ہوتا ہے
کہ مولانا نے جب کبھی یہ دونوں کتابیں پڑھی ہونگی اس وقت سرسری پڑھی ہوں گی،
بے ترتیب پڑھی ہوں گی ان سے دلائل سمجھ میں آئے نہ ہوں گے طبیعت الجھ کر رہ گئی ہوگی
اور ان سے ایسا انقباض ہوا کہ پھر اٹھا کر دیکھنے کی نوبت نہیں آئی ''دلائل الاعجاز'' اب نئی
نئی نظر پڑی ہوگی اب کی اور جب کی استعداد میں بہت تفاوت ہو گیا ہے وہ دل میں کھب
گئی ورنہ اصل یہ ہے کہ اصل مسائل تو پہلے متن میں پڑھائے جاتے ہیں تلخیص میں وہ
ذہن نشیں ہو جاتے ہیں پھر مسائل وہی ہیں مختصر معانی میں ان کے دلائل مگر مختصر مختصر آتے
ہیں پھر مطول بھی تلخیص ہی کی شرح ہے اس میں بھی انہی کے مسائل و دلائل ذرا تفصیل
سے آتے ہیں اس طرح درجہ بدرجہ فن کے اصول پھر دلائلِ مختصرہ پھر دلائلِ مفصلہ
حاصل ہو کر فن مستحکم ہو جاتا ہے اور دلائل اعجاز میں مسائل و دلائل مخلوط ہیں اور بہت سے
مسائل ضعیف بھی ہیں جن پر سکّا کی وغیرہ نے بحثیں کی ہیں اور قزوینی نے ان میں
محاکمہ کیا، غیر ضروری عبارات و مسائل کو حذف کر کے سکاکی نے اس مضمون کی تلخیص کی
ہے۔ نصاب میں یہ (یعنی مختصر و مطوّل) تنقیح شدہ کتابیں ہیں علامہ تفتازانی نے مزید
تنقیحات اور دلائل کے ساتھ شرح فرمائی ہے اس لئے دلائل الاعجاز سے جو فن کی اول
اول کی کتابوں میں سے ہے یہ کتابیں تنقیح و توضیح اور مستحکم دلائل کی وجہ سے بدرجہا افضل
ہیں غالباً مولانا کو یہ خیال نہیں رہا کہ کتاب گو اب چھپی ہے مگر ہے بہت قدیم اور غیر تنقیح
شدہ اور شاید تفتازانی کی کتابوں کی خوبیاں کسی سابق عارض سے نفرت کی وجہ سے مخفی
رہ گئیں جو لوگ اکثر اوقات ان کتابوں کو استعمال کرتے ہیں وہ اس فرق کو خوب جانتے
ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب عربی سے فارسی، اردو میں علمِ بلاغت آ نکلا تو اسی

تلخیص المفتاح کونقل میں اصل قرار دیا۔ ''حدائق البلاغت'' اور'' تذکرۃ البلاغت'' وغیرہ سب کتابوں سے اسکا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مسئلوں کی توضیح میں بھی علامہ تفتازانی کی تفصیلات ودلائل سے کام لیا گیا ہے حدائق البلاغت فارسی اور تذکرۃ البلاغت اردو میں بلاغت کے سب مضامین تلخیص المفتاح کی ترتیب وتنقیح والے ہیں صرف مثالوں کا فرق ہے کہ وہاں عربی اشعار سے مثالیں تھیں ان میں فارسی اردو اشعار سے ہیں یہ اس کی مقبولیت اورافادیت کی صاف دلیل ہے حتی کہ سینکڑوں برس ہو گئے کہ تلخیص کی خود اس کے مصنف کی لکھی ہوئی تقریبی شرح ''ایضاح'' سے بھی زیادہ اہلِ فن نے اور اہلِ علم ومدارس نے ان کو افضل ومقبول قرار دیا ہے۔

سرسری نظر سے کتاب کو دیکھ لینا اور شے ہے اس سے سرسری رائے قائم ہوسکتی ہے تفصیلی اور بار بار کی نظروں سے حقیقت منکشف ہوتی ہے جو ان لوگوں کو حاصل ہے جو درس تدریس میں مشغول ہیں تجربہ ان کو ہے دوسروں کو نہیں یہی حال دوسری کتابوں پر اعتراضات کا ہے مگر اہلِ تجربہ پھر بھی معمولی ردوبدل جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے بھی ہیں کہ یہ کوئی وحی نہیں ہے کہ تغیر وتبدل نہ ہو سکے مگر نہ ایسا تغیر کہ مفید کی جگہ مضر ہو راجح وقوی کی جگہ مرجوح وضعیف مضامین ہوں۔

## بھوکی قوم میں بھیک منگوں کا اضافہ

۲۰- یہ اعتراض نہایت اہمیت سے کیا جاتا ہے اور غالباً بقیہ تمام اعتراضات کا منشا بھی یہی ہے کہ علماءِ دین کے طبقہ کو جس طرح ہو سکے معاشیات میں لگایا جائے اسی کے واسطے انگریزی، ہندی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ اور صنعت وحرفت وغیرہ کی اسکیمیں بنائی جاتی ہیں اور یہ اعتراض قریب قریب ہر شخص کے منہ پر ہے بعض لوگوں کے کہنے سے ذہنوں میں ایسا جم گیا ہے کہ اب سب اس میں مبتلا ہیں حتی کہ طلباءِ علوم تک پر اس کا یہ اثر ہونے لگا ہے کہ ان کے شوق پست اور کوششیں سست پڑ گئی ہیں

جسکو اوپر موانعِ تعلیم میں عرض کیا جا چکا ہے اس لئے اس پر ذرا مفصل بحث کی ضرورت ہے تب حقیقت معلوم ہوگی اور دیانتداری اور اسلامی جذبہ کے ساتھ فرض شناسی اور مسلمانوں کی حقیقی فلاح و بہبودی کو سامنے رکھ کر سننے کی ضرورت ہے اوپر کے کلام میں مختلف جگہ بھی کچھ باتیں گذر چکی ہیں کچھ اب عرض ہیں لہذا امورِ ذیل عرض ہیں۔

الف ۔ مسلمانوں کی حفاظت دو طرح ضروری ہے دنیوی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی۔ دنیوی اعتبار سے حفاظت و اصلاح و ترقی کے تمام شعبے عمائدِ قوم کے ذمہ ہیں اور دینی حفاظت و اصلاح و ترقی کے کل شعبے علماءِ دین کے ذمہ ہیں لیکن عمائدِ قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیوی نظامات میں دین سے بے تعلق نہ ہو جائیں اس لئے علماءِ دین سے وقتاً فوقتاً دینی ہدایات لے کر ان کے موافق کوشش کریں ورنہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے لئے ان کی ساری کوشش ناکام رہے گی اول تو کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا اور اگر ہوا تو اسلامیت کے کمزور ہو جانے سے قوم مسلم کا کام نہ ہوگا کسی ایسی قوم کا کام بن کر رہ جائے گا جس کا نام مسلم قوم ہوگا مگر کام اور عمل اور ہر بات غیر اسلامی ہوگی اس سے اصلاح قوم نہ ہوگی قوم کی روح نکل جائے گی جسم کا خول رہ جائے گا۔

اور علماءِ دین کے ذمہ ان کی ایسی اعانت ہے جس سے وہ قومی خدمت کر سکیں ادھر علماءِ دین کو بھی اپنے کام میں عمائدِ قوم کی اعانت کی ضرورت ہوگی کہ وہ دین کو عام مسلمانوں میں پھیلانے اور ان کے دلوں میں جمانے کے ذرائع اور پھر ان پر عمل کرانے کے طریقوں میں ان کے ضرورتمند ہوں گے اور عمائدِ قوم کے ذمہ ان کی اس کام میں اعانت ہوگی۔

ب ۔ ہم سب لوگ مسلمان ہیں ہم کو اپنے اسلام کی حفاظت کرنا ضروری ہے ایمان ہماری سب کی وہ عظیم الشان اور بے نظیر دولت اور ایسی بے بہا نعمت ہے کہ ساری دنیا کی قومیں اس دولت و نعمت سے محروم ہیں یہ صرف مسلمان ہی کا حصہ ہے اور ہر قسم کی عزت و دولت اور نعمت سے افضل ہے۔ ہر مسلمان کو یہ نعمت اپنی جان، اپنی اولاد،

اپنے خویش واقارب اوراعزہ واحباب کی جان اپنی اوران سب کی عزت اپنے اورسب کے مال اوران سب کی راحت وآرام سے زیادہ عزیز ہے ہم سب کو ہرطرح سے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے چاہے جان جائے یاعزت ومال جائے ہم کوخدا کاتعلق عزیز ہےاس کے سامنے نہ جان کی پرواہے نہ مال وعزت کی۔اگراس حفاظت میں کچھ جان، مال، آبرو کے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتو ہرمسلمان کو جس کو یہ نعمت عزیز ہے خوشیِ خاطر سے اس کوگوارا کرنا چاہئے نہ کہ وبال سمجھ کر

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اس لئے اپنے ایمان کی حفاظت اوراس کی ترقی بہر قیمت وبہر نوع ہمارا فرض ہےاورسب پرفرض ہے۔

ج۔ امانتِ الٰہیہ اورحضورِاکرم ﷺ کے وقتِ رخصت کی سپردکی ہوئی امانت۔دینِ اسلام کی حفاظت ہرہرمسلمان کے ذمہ ہے جس قدر بھی جس کی طاقت میں ہوشفاعت کےامیدواروں کواس کی حفاظت میں جان کی بازی لگانا ہے۔عزت، آبرو، مال ودولت سب کچھ نثارکرکے بھی اسکو بچانا ہے۔

د۔اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مسلمان توسگے بھائی بھائی ہیں)اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی فرمایا ہےاور بھائی کو اَخٌ کہتے ہیں نسبی بھائیوں کے لئے اس کی جمع اِخْـوَـةٌ اورتعلقات کے بھائیوں کے لئے جمع اِخْـوَانٌ ہےاس لئے مسلمان بھائی صرف تعلقات کے سے نہیں نسب کے سے بھائی بھائی ہیں۔ ہربھائی پردوسرے بھائی کے دین کی حفاظت واصلاح اورترقی کی بھی اسی طرح فکرضروری ہے جس طرح دنیا کے تمام شعبوں کی حفاظت وترقی واصلاح کی فکرضروری ہےاوریہ فرض بھی سب کا ہے۔

ہ۔اوپرگذرچکاہے کہ حق تعالیٰ نے علماءِدین کوصرف تفقہ فی الدین اورانذار کے کام کے لئے متعین فرمایا ہےاوردوسرے کسی کام میں حتی کہ جہاد میں بھی جانے کی

اجازت نہیں دی ہے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا دینی کام اور تمام حلال آمدنیوں سے افضل ترین مالِ غنیمت کا سبب ہونے سے اور جاہ وعزت کا اعلیٰ ذریعہ ہونے سے اعلیٰ درجہ کا دنیوی کام بھی ہے اس میں عارضی طور سے جانے کو بھی ناپسند فرمایا اس لئے کسی اور کام میں ان کا لگانا صحیح نہیں۔

د۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ (تو کیوں نہیں چلی ان تمام مسلمانوں کے ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت) فرمایا ہے اسلئے کل مسلمانوں کے ہر ایک فرقہ یعنی برادری میں سے ایک ایک جماعت کا دین حاصل کرنے اور دین پھیلانے کے لئے گھر سے چلنا ضروری ہے اس جماعت کو اس کام کے لئے جانا اور اس فرقہ کو اس جماعت کو دین میں لگنے کیلئے بھیجنا یعنی اسکے اسباب فراہم کردینا بھی ضروری ہے کیونکہ خطاب اور حکم دونوں کو ہے اسلئے بقیہ لوگوں پر ایسے اسباب فراہم کرنا بھی ضروری ہیں جن سے یہ ہر ہر فرقہ کی ایک ایک جماعت دین کے کام میں لگی رہے اور فرقہ کے بقیہ لوگ دوسرے اہم کاموں میں لگیں گے جو اپنے عمائدین کے تحت میں ہونگے لہٰذا اس فرقہ کے اخراجات اور تمام اسباب بقیہ لوگوں کے ذمہ ہیں۔ آگے ہے ''وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ'' (اور اسلئے چلیں کہ اپنی قوم کو تبلیغ کریں جب لوٹ کر انکے پاس آئیں تاکہ وہ گناہوں سے بچ سکیں) اس سے معلوم ہوا کہ ہر فرقہ و برادری کے ذمہ یہ بھی ہے کہ انکی ایک جماعت تفقہ فی الدین یعنی مہارت پیدا کرنے کے بعد قوم کی تبلیغ میں لگ جائے اور قوم برائیوں سے بچ سکے۔ برادری کے ذمہ ہونے کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اس تبلیغ کے تمام ذرائع واسباب کا انتظام بھی اسی برادری کے ذمہ ہے اسلئے ہر برادری کو اپنا فرض پہچاننا اور اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اگر آپ ایسا نہ کرینگے تو اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کرینگے۔ تبلیغ میں مدرسے اور سب ادارے آگئے۔

نیز آیت ''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "(اور تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دیا کرے اور نیکی کا حکم کیا کرے اور برائی سے روکا کرے) یہ خطاب بھی تمام مسلمانوں کو ہے سب مسلمانوں کو کوشش کر کے ایسی جماعت بنانا ضروری ہے۔ اسکے اسباب و ذرائع، اخراجات و انتظامات بھی سب کے ذمہ ہیں کیونکہ جب یہ کام انکے ذمہ ہیں تو اسکے ذرائع بھی انہی کے ذمہ ہیں۔

ز۔ اوپر نمبر (۱) و (۸) کے جواب میں متعدد وجوہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس جماعت کو دوسرے کسی مشغلہ کی طرف متوجہ کرنا دین میں خلل ڈالنے کے مرادف ہے اور خود انکو بھی کسی دوسرے مشغلہ کی طرف متوجہ ہونا اپنے فرض و منصب کے خلاف کرنا ہے خصوصاً اس پُر آشوب زمانہ میں جبکہ نہ ماحول قابلِ اطمنان نہ صحبت قابلِ اعتماد، نہ فتنوں اور وباؤں سے حفاظت کا یقین، نہ قویٰ ایسے کہ کہ کئی کاموں کا تحمل ہو سکے، نہ اغذیہ وغیرہ ایسی کہ متعدد امور کی طاقت پا سکیں۔ چنانچہ آپ علماء کی حالت پر غور کرینگے تو دیکھ لینگے کہ جو لوگ اسی مشغلہ میں ہیں انکی استعداد میں انکا علمی تبحر ایسے لوگوں سے جو دوسرے کسی ادنیٰ سے کام میں بھی لگ گئے ہیں بہت بہت درجہ زیادہ ہے۔

ح۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو بھائی تھے ایک اپنے معاشی کام میں رہتے تھے دوسرے حضور ﷺ کے یہاں دین حاصل کرتے تھے۔ پہلے بھائی نے شکایت پیش کی کہ یہ کچھ کام نہیں کرتے، حضور نے فرمایا "لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِهٖ" (شاید تم کو اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہے۔ جمع الفوائد ج ۱، ص ۲۰) ایسے لوگوں کو جو ذی ثروت ہیں علومِ دینیہ کے مشغولوں کو انکی مشغولی میں رکھنا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ انہی کی برکاتِ عامّہ سے ثروت حاصل کر رہے ہیں۔

ط۔ جو لوگ دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ افضل ترین عبادت اور بہترین اسلامی خدمت سے محروم تھے کہ وہ حفاظتِ دین اور دینیات اور مسلمانوں کے اسلام و اسلامیات کی بقاء و ترقی و اصلاح کے اہل نہیں بنے اور اس کام میں

لگ کر اپنی چند روزہ زندگی کو خدا کی راہ میں وقف نہیں کر سکے کل حاصل زندگی صرف چند آدمیوں کی چند روزہ واہ واہ لے کر جانے والے ہیں یا اگر توفیق ہوئی تو چند ذاتی عبادتیں بھی ہو جائیں گی مگر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد" اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ" (نیک کام کا سبب بننے والا بھی نیک کام کرنے والے کی طرح ہے) اور" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "(آدمی قیامت میں اسکے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا) کی وجہ سے ان کو اپنے کاروبار میں لگے رہنے پر بھی ہر ہر فرقہ سے ایسی جماعت تیار کرنے کے اسباب وذرائع اور محبت اختیار کرنے سے ایسا مرتبہ مل سکتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے بعض کو دین کے کام کیلئے فرمایا اور دوسرے بعض کو دوسرے کاموں میں لگ کر ان کے دین میں لگنے کے اسباب فراہم کرنے کو تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں گو بظاہر محروم تھے لیکن دل سے شریک ہوگئے

## میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

اس فرض شناسی سے دوسرے مسلمانوں کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوسکتا ہے۔

ی۔ اگر اہلِ ثروت اپنے بچوں کو علومِ دین سکھائیں تو ان کو یہ سہل ہے کہ انگریزی تعلیم میں جو پچاس ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا اس کی کوئی جائیداد کوئی کارخانہ یا دوکان ان کے نام کر دیں تاکہ پھر یہ خلوص کے ساتھ دین کا کام کریں ورنہ فقہ کا قاعدہ ہے اور عقلی قاعدہ بھی ہے کہ جو شخص کسی کام میں محبوس ہو اس کا خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے آپ مقدمہ کی پیروی کے لئے دوکان کا مال لانے کے لئے یا کسی کام کے واسطے جب کسی کو بھیجتے ہیں اس کا خرچ اپنے ذمہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ آیتِ مذکورہ سے بھی اس کا خرچ دوسرے حضرات پر ثابت ہوا جیسا کہ خود اس جماعت کا بنانا ہر ہر فرقہ پر فرض معلوم ہوا اور تیسری آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (صدقات وخیرات ان غریب لوگوں کے لئے بھی ہیں جو اللہ کے راستہ (کام) میں روک دئے گئے ہیں) کہ وہ معاش کا کوئی کام اس لئے نہیں کر سکتے کہ اللہ کے کام میں

لگے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے فقہاء نے مذکورہ قاعدہ لے کر زوجہ کا خرچ خاوند پر قاضی، عامل اور حکّام کا خرچ بیت المال پر رکھا ہے۔ اسلامی سلطنت میں بیت المال یکجائی ہوتا ہے اب ہر مسلمان کی جیب میں ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ''حقوق العلم صفحہ (۸)'' پر اس جواب کی یہ تقریر فرمائی ہے'' جواب اس کا قرآن مجید میں موجود ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لاَيَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (ان کیلئے خیرات ہے جو اللہ کی راہ میں روک دئے گئے زمین میں جا آ نہیں سکتے ناواقف ان کو عفت کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے تم ان کو ان کے آثار سے پہچان لوگے وہ لوگوں سے اصرار کر کے مانگتے نہیں اور تم جو مال خدا کی راہ میں خرچ کروگے اللہ کو اس کا علم رہتا ہے) جس سے ایک قاعدہ مفہوم ہوتا ہے جسکو فقہاء نے سمجھ کر اس پر بہت سے فروع متفرع کئے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی منفعت میں محبوس ہو اس کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہے نفقہٗ زوجہ کا زوج پر، قُضاۃ وؤلاۃ (یعنی قاضیوں اور والیوں) کا نفقہ بیت المال میں جس کا حاصل وجوب جمیع مسلمین پر ہے اسی قاعدہ پر متفرع ہے پس جواب کی تقریر یہ ہوئی کہ جب یہ جماعت خدمتِ دین کیلئے جو مدلول ہے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا محبوس اور وقف ہے جو مدلول ہے اُحْصِرُوْا کا تو ان کے حوائج کی کفالت کی قدر مدلول ہے فُقَرَاءِ کا، ان کا حق مسلمان کے ذمہ واجب ہے جو مدلول ہے لام استحقاق کا (جو فُقَرَاءِ کے ساتھ لگا ہوا ہے) تو جمہور مسلمین کو چاہئے کہ ان کے مصارف کی کفالت کریں خواہ تعین کیساتھ جیسے مدرسین و واعظین کی تنخواہ، خواہ بلا تعین جیسے متوکلین کی خدمت پس وہ شبہ منقطع ہو گیا اور اس آیت سے علاوہ فائدۂ مذکورہ اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے جن کو اس بحث میں گو دخل نہیں مگر تعلق ہے اسلئے ذکر کرتا ہوں ایک یہ کہ ایسی جماعت کو ذرائعِ تحصیلِ معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے لاَيَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْاَرْضِ اس پر دلالت کر رہا ہے، اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا جو عوام الناس علماء پر دنیوی معاش میں اپاہج ہونے کا الزام دیتے ہیں اور ثابت ہو گیا

کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے خصوص جبکہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو بِالید یا بِاللّسان یا بِا لقلب اور خدمتِ دین ایسا ہی کام ہے اور تدریسِ علومِ دینیہ یہ ذرائعِ معاش میں داخل نہیں بلکہ وہ تنخواہ بوجہ خدمتِ دین میں محبوس ہونے کے ہے مگر تعین کے ساتھ ہے اور یہ تعین مصلحتِ قطعِ نزاع کے لئے ہے ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کسی دنیا دار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہئے بلکہ انبیاء کی طرح مستغنی رہیں يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ اس پر دال ہے۔ ایک یہ کہ اموال کا سوال کسی سے نہ کرے یدل علیہ لَايَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً۔ مدارس کیلئے چندہ کی ترغیب اس میں داخل نہیں وہ دعاء الی الخیر (یعنی اچھی بات کی طرف بلانا) ہے اس میں اور سوال میں یہ آیت فرق بتلا رہی ہے لَايَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ الی قولہ هَاَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الآیۃ۔ ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں مگر دوسروں کو چاہئے کہ اس کا تجسس رکھیں اور فراست وقرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کریں یدل علیہ قولہ تعالی تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ۔ اور یہ کہ ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں کیونکہ وہ اپنے نفع کے لئے ہے یدل علیہ قولہ تعالی وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ "اب عام مسلمانوں کو یہ خرچ بار کیوں معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو دین کی فکر ہی نہیں رہی ان کی نظر میں دین و دینداری اسلام و اسلامیات کی وہ عزت وہ اہمیت جس کے سامنے دنیا کی ہر شے اور اپنی جان، مال، عزت، آبرو وغیرہ سب ہیچ ہو نہیں رہی وہ قدر وہ ضرورت جس کے لئے ہر بات بخوشی خاطر برداشت ہوتی تھی نہیں رہی تو یہ خود افسوس کا اور رونے کا مقام ہے بہر حال اگر مسلمانوں کو اپنے دین اپنے بھائیوں کے دین اور اسلام و اسلامیات کی حفاظت و ترقی جیسے کہ ہونا چاہئے ہر شے سے زیادہ عزیز ہے اور مدارس سے آپ اس کو مشاہدہ کر رہے ہیں تو خود آپ اپنی بہبودی کے لئے ان کے تمام اخراجات کو اجر و ثواب سمجھ کر برداشت کریں اچھی بات تو یہ تھی کہ ہر ہر آبادی میں ایسے دیندار اہلِ علم کی

جماعت ہونے کا انتظام ہوتا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہر ہر فرقہ میں سے ایک ایک جماعت ہو پوری طرح عمل میں آ یا تا اور وہاں کے لوگوں پر ان کا خرچ باضابطہ رکھا جاتا افسوس بجائے اس کے موجودہ کام کو بھی روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بھوکی قوم میں فقراء کا اضافہ ہوتا ہے یہ قدر ہے اسلام واسلامیات کی اور ان کی جن کی وجہ سے آج دین ودینداری محفوظ اور پھیل رہی ہے جن کی حفاظت کا کام ہو رہا ہے کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے دین کا احساس ہی جاتا رہا دوسری قوموں کی طرح کھوکھلے اور اندر سے خالی رہ کر صرف چند پیسوں یا چند اغراض کے بندوں کی واہ واہ کے فریفتہ ہو کر رہ گئے۔

یہ بھی خوب یاد رہے کہ جو لوگ اپنی عمریں آپ کے دین کی حفاظت وترقی میں لگا رہے ہیں وہ آپ ہی جیسے انسان، آپ ہی کے خاندان، آپ کے ہی ملک، آپ کی ہی حیثیت کے ہیں اگر اس کام میں اپنی عمریں وقف نہ کرتے تو آج وہ بھی آپ جیسی تعلیم حاصل کر کے آپ جیسی ملازمت، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت کرتے، کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے، عیش وآرام میں گزارتے کیا ان کو یہ دولت یہ ثروت یہ عزت یہ عمدہ غذائیں یہ عمدہ لباس، بیش قیمت سامان یہ راحت، راتوں کو آرام سے سونا ناگوار تھا؟ کیا اس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا وہ ان سب چیزوں سے رکتے تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبتیں جھیلتے ہیں اور پھر طعن وتشنیع بھی سنتے ہیں آخر یہ سب کیوں ہے؟ کیا صرف اس لئے نہیں ہے کہ وہ دین کے کام میں لگے رہے اور اس طرح اپنے اور آپ سب کے دین ودینیات کی حفاظت ہوا اگر خدانخواستہ یہ سب لوگ اس کام کو چھوڑ بیٹھیں اور آپ سب کی طرح ان مالی وجاہی کاموں میں لگ جائیں تو پھر بتائیے کہ اسلام واسلامیات کا کیا حشر ہو؟ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو اللہ اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ دار ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ ایسی جماعت رکھے گا مگر آپ نے اس جماعت کے مٹانے میں کونسی کسر اٹھا رکھی ہے ذرا غور کر کے بتائیے

قتلِ ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نہ بود　　ورنہ ہیچ از دلِ بے رحمِ تو تقصیر نہ بود

ہر ہر فرقہ کو ایک ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم ہے تو جب باز پرس ہوگی ذرا آپ سوچ لیں کہ آپ کا نام تعمیل و تعمیر میں نکلے گا یا ہدم و تخریب میں اور پھر نتیجہ کیا ہوگا؟ کیسا ہوگا؟ اور کب تک ہوگا؟ یہ عجیب بات کہی جارہی ہے کہ "بھوکی قوم میں بھیک منگوں کا اضافہ ہے" یہ کس قدر جھوٹ اور غلط بات ہے ذرا آپ اس پر بھی غور کرلیں۔ بھیک تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص آپ کا کوئی کام نہ کرے اور آپ سے مانگے گو بھیک مانگنا بھی ہر حال میں حرام نہیں صرف اس وقت اپنے لئے حرام ہے کہ جب اسکے پاس خورونوش وغیرہ کے لئے کچھ ہو پھر وہ مانگتا ہو یا اس میں کمانے کی طاقت ہو پھر مانگتا ہو تو یہ طعن خود بھی کمزور ہے اور کام والے اپنے لئے مانگتے بھی نہیں ادارے والے آپ کو فرض سے سبکدوش کرنے کے لئے کہتے ہیں پھر یہاں بھیک ہے نہیں اس کو غلط اور جھوٹ کر کے بھیک کہا جاتا ہے آخر آپ مقدمہ کے لئے وکیل کرتے ہیں اور پچاس سو ہزار پانچ سو تک اسکو دیتے ہیں کبھی آپ کی زبان پر یہ نہیں آتا کہ یہ قوم بھیک مانگنے والی ہے حالانکہ اس کا صرف ذرا سا زبانی جمع خرچ ہوتا ہے اس نے کونسا ہل چلایا ہے مگر بھوکی قوم سے بھیک نہیں کہتے۔

ڈاکٹروں کو تیں تیں روپیہ　خوش خوش دے آتے ہیں اور وہ صرف زبان سے یا قلم سے کسی دوا کا نام لکھ دیتا ہے اس نے کونسی کھیتی کاٹی یا اینٹ مٹی ڈھوئی تھی اور کبھی اس کو بھیک مانگنے والا نہیں کہا جاتا کبھی بھوکی قوم کا مرثیہ نہیں پڑھا جاتا۔

بازاروں میں دلالوں کو دو روپیہ سینکڑہ خوش خوش حوالہ کر آتے ہیں اور کہیں ان کو بھیک مانگنے والا نہیں قرار دیتے صرف بیچنے خریدنے والے سے وہ بات چیت کرتا ہے اور کچھ نہیں کرتا یہ عدالتوں میں تحصیلدار، منصف، جج جو بیٹھے ہوئے ہیں اور ہزاروں روپیہ حکومت کے واسطہ سے ان کو دیا جاتا ہے اور ذرا سی زبان ہلانے یا قلم چلانے پر دیا جاتا ہے کبھی ان کو بھیک مانگنے والا نہ کہا گیا وہ ایسا کون سا کام کرتے ہیں جو پھاوڑے،

کلہاڑی، کرنی، بسولی کا ہوتا ہو۔

یہ جو حکومت ٹیکس پر ٹیکس اور مالیات وصول کرتی ہے کسی زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ یہ بھوکی قوم سے بھیک مانگ رہی ہے وہ بھی سوائے حکم کے چند زبانی یا تحریری فقروں کے اور کیا کرتی ہے؟ اور کوئی اس کو بھوکی قوم سے بھیک مانگنے والا نہیں کہتا۔ اگر کام کے باوجود یہ امداد بھیک بنتی ہے تو تاجروں کا نفع، کارخانوں کا نفع، مزارعوں کا کل روپیہ ہی بھیک میں داخل ہونا تھا اور تمام ملازمین کی تنخواہ بھی کہ وہ کوئی چیز نہیں دیتے ذرا سا کام کر دیتے ہیں حالانکہ واقعہ یوں ہے کہ جس قدر کام یہ علماءِ دین کرتے ہیں دوسرے اتنا کام نہیں کر رہے ہیں شاید آپ نے بھی ڈاکٹروں اور حکیموں کا یہ قول نہیں پڑھا یا سنا ہوگا کہ دماغی کام ایک گھنٹہ اور جسمانی کام آٹھ گھنٹہ کے برابر ہوتا ہے اور مدرسوں میں حال یہ ہے کہ طرزِ تعلیم جو اس علمِ عظیم کے مناسب ہے وہ بہت بہت بیانات پر مشتمل ہوتا ہے جس کو اوپر بیان بھی کیا گیا ہے اسلئے ایک ایک درس کے واسطے کئی کئی گھنٹے انکو مطالعہ کرنا ہوتا ہے اور پانچ یا چھ گھنٹہ اتنے ہی سکون کا درس دینا ہوتا ہے انکی تیاری فی درس دو گھنٹے ہی اوسط رکھا جائے تو بارہ گھنٹے وہ چھ اصل کے اٹھارہ گھنٹے ورنہ پندرہ گھنٹے تو سب کا دماغی کام ہوتا ہے صرف نماز وعبادات کیلئے خور ونوش اور نیند کیلئے بمشکل چھ یا نو گھنٹے ملتے ہیں اگر ان میں سے کسی روز یا تعطیل کے دن کمی ہوتی ہے تو تقریر، تحریر اور طرح طرح کے سوال جواب کی نذر ہوتی ہے تلاش کر کے دیکھئے کہ دنیا بھر میں اتنا کام کرنے والا اور کون ہے؟ بہت جگہ جلسوں وغیرہ میں آپ نے تقریریں سنی ہونگی پانچ پانچ گھنٹے مسلسل بیان ہوتا ہے دنیا بھر میں اسکی مثال کہیں ملتی ہے کہ عمر بھر میں ایک دو دفعہ نہیں بہت بہت مرتبہ اتنی لمبی تقریریں ہوتی ہیں اور پھر عام طور سے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہے نہ پہلے سے نوٹ لکھے ہوئے ہیں فوری اور فی البدیہہ تقریروں کا یہ عالم ہے اس کو تو ہر وقت لوگ دیکھ رہے ہیں اور برابر دیکھ سکتے ہیں اب اگر دماغی ایک گھنٹہ کام کو جسمانی آٹھ گھنٹہ کے برابر کا اصول سامنے رکھا جائے تو یہ حضرات

چوبیس گھنٹہ میں ایک سو چوالیس گھنٹہ روزانہ کا کام کرتے ہیں مگر اسپر بھی آپ کہتے ہیں بھیک مانگنے والے جبکہ اتنا کام کوئی دوسرا کرہی نہیں سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اگر تم خدا کے دین کی مدد کرو گے خدا تعالی تمہاری مدد کریں گے آنکھوں دیکھا نہ ہوتا تو ایک ایک انسان سے اتنا کام ہونا ہی محال معلوم ہوتا ہے مگر ''دینی مدرسہ'' میں آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں!

اب سوائے اِس کے اور کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کہنے والے دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور دین کے کام کو کام ہی نہیں قرار دیتے یا پھر وہ یورپ والوں (یہود و نصاریٰ اور ضالین و مضلین) کی چال میں آ کر دین کے کاموں کو بیکار مضر قرار دئے ہوئے ہیں مگر یہ مسلمان کی ذات سے بعید ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَاوَمَوْلانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ (تمّت)

..........

(اسلامی پریس دیوبند)

# نقشۂ نصاب مروجہ درجہ عربی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مع جماعت بندی اسباق

| نام درجہ | سالہائے | گھنٹہ اول | گھنٹہ دوم | گھنٹہ سوم | گھنٹہ چہارم | گھنٹہ پنجم | گھنٹہ ششم |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| درجہ ابتدائی | سال اول | | | پنج گنج تمام بعدہ نحو میر تمام | میزان و منشعب بعدہ صرف میر و علم الصیغہ ہر ایک تمام | | |
| | سال دوم | شرح مائۃ عامل تمام بعدہ ہدایت النحو تمام | | فصول اکبری بعدہ تیسیر المنطق بعدہ ایساغوجی بعدہ مرقاۃ ہر ایک تمام | | | مراح بعدہ نور الایضاح ہر ایک تمام |
| | سال سوم | کافیہ تمام بعدہ شرح ملا بحث فعل تمام | تہذیب بعدہ شرح تہذیب ہر یک تمام | قدوری تمام | | | مفید الطالبین بعدہ نفحۃ العرب اول بعدہ [illegible] |
| درجہ اوسط | سال اول | شرح جامی بحث اسم تمام | قطبی تصدیقات بعدہ مختصرات معہ میر | کنز الدقائق تمام بعدہ تعلیم المتعلم | | | اصول شاشی تمام بعدہ تلخیص المفتاح تمام |
| | سال دوم | مختصر معانی تمام | سلم العلوم تمام بعدہ ہدیہ سعیدیہ | شرح وقایہ جلدین اولین بعدہ رشیدیہ تمام | | | نور الانوار تمام |
| | سال سوم | | ملا حسن تا خاتمہ بعدہ ملا جلال میر زاہد تمام | ہدایہ اولین تمام بعدہ سراجی | | مقامات ۲۵ مقام بعدہ سبعہ معلقہ | حسامی تمام بعدہ مطول تا ما انا قلت |
| درجہ اعلیٰ | سال اول | جلالین شریف | | ہدایہ ثالث | دیوان متنبی بعدہ حماسہ | | میبذی درسی بعدہ تاریخ الخلفا |

ﻋﮧ ۔ ششماہی تک ایک ہی سبق ملیگا، میزان و منشعب کا، بعد ششماہی صرف میر کیساتھ پنج گنج شروع کرائی جائے گی۔

| نام درجہ | تعین سال | گھنٹہ اول | گھنٹہ دوم | گھنٹہ سوم | گھنٹہ چہارم | گھنٹہ پنجم | گھنٹہ ششم |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | سال دوم | بیضاوی شریف سورۂ بقر بعدہ مدارک پارۂ اول | | شرح عقائد نسفی مع خیالی بعدہ امور عامہ | ہدایہ رابع | مشکوٰۃ شریف مع نخبہ و مقدمہ مشکوٰۃ | |
| درجہ اعلیٰ | سال سوم | بخاری شریف | مسلم شریف | ترمذی شریف مع شمائل | طحاوی شریف موطا امام محمدؒ | نسائی شریف ابن ماجہ موطا امام مالکؒ | ابو داؤد شریف |
| | سال چہارم | اقلیدس بعدہ تشریح بعدہ شرح چغمینی بعدہ سبع شداد | صدرا بعدہ شمس بازغہ بعدہ خلاصۃ الحساب | | حمد اللہ بعدہ قاضی مبارک | رسم المفتی بعدہ درمختار | توضیح تلویح بعدہ مسلم الثبوت |

(نوٹ ۱) کتب ہائے ذیل ابتدائے سال میں شروع نہ کرائی جائیں، نور الایضاح، نفحۃ الیمن، تلخیص، ہدیہ سعیدیہ، ملا جلال، میر زاہد، سبعہ معلقہ، حماسہ، مطول، تاریخ الخلفاء، امور عامہ، سراجی، میر زاہد رسالہ، مسلم الثبوت۔

(نوٹ ۲) تجویز اسباق کیوقت نقشہ کی ترتیب اسباق و گھنٹہ کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

نقشہ انضباط تعلیم سالانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مجوزہ جناب مولانا عبد الرحمٰن صاحب سابق صدر المدرسین مدرسہ ہذا محررہ بامتثال حکم حضرات سرپرستان مدرسہ مصدقہ اکابر مدرسین مدرسہ، معروضہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ۔

(درجہ اوسط و اعلیٰ عربی)

طلبہ کی بالکل ہی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔ اسلئے مناسبت پیدا کرنے کیلئے تقریر کو طول دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ذی الحجہ میں تعطیل ایک ہفتہ اور محرم میں امتحان سہ ماہی ایک ہفتہ تک رہتا ہے۔

(٣) بعض کتب میں بعض مقامات مخصوص مشکل آجاتے ہیں جن کیوجہ سے خواندگی میں ضروری تفاوت ہوجاتا ہے۔ مگر چونکہ کامل نقشہ میں اسکا لحاظ مشکل ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ ایسے مواقع میں تعلیم کم کردی جائے۔ اور دوسری جگہ اس کی تلافی کردیجائے اور ماہانہ نقشہ میں اسکا اظہار فرمادیا جائے۔

(٤) ہر کتاب کے ختم پر اس کی مناسب تجویز کردی گئی۔ لیکن اگر کسی عارض کیوجہ سے مثلاً طلبہ اس کتاب کو پڑھ چکے ہیں وغیرہ وغیرہ، منظوری حضرت ناظم صاحب دوسری مناسب کتاب شروع کیجائے اور اس دوسری کتاب میں بھی خواندگی کی تحدید نقشہ ہذا سے کیجائے۔

(٥) کتاب کے ختم پر دوسری کتاب لینے میں ایک دو روز کی تاخیر ہو ہی جاتی ہے، اسلئے ہر کتاب کے ختم کے ماہ میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(٦) کتب کے مطابع جن کے مطابق صفحات لکھے گئے ہیں۔ درجہ اعلیٰ میں بالاستیعاب لکھ دئے گئے۔ درجہ ابتدائی رسائل میں تقریبی ہونے کیوجہ سے ترک کردیئے گئے، حضرات مدرسین ماہانہ تعلیم میں اسکی رعایت فرمائیں۔ کہ ایسی ہی کتب کے صفحات درج فرمائیں۔ جنکے صفحہ اس نقشہ کے مطابق ہوں!!

نقشہ ماہانہ تعلیم درجہ فارسی و ریاضی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مجوزہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سرپرست مدرسہ ہذا

| [illegible] | [illegible] | سبق اول صبح | سبق دوم صبح | سبق ثالث شام | سبق رابع شام | مدت ختم خواندگی بر جماعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ١ | : | اردو کا قاعدہ | - | تختی و سلیٹ مع نقشہ | گنتی سو تک | ٣ ماہ |

| درجہ | جماعت | سبق اول صبح | سبق دوم صبح | سبق اول شام | سبق دوم شام | مدت ختم موجودہ ہر جماعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | ۲ | اردو کی پہلی انجمن | تعلیم الاسلام حصہ اول | تختیاں الف با کے نقشے | پہاڑے دس تک | ۲ ماہ |
| | ۳ | حمد باری | تعلیم الاسلام حصہ دوم | حروف مرکبہ مشکل | پہاڑے بیس تک | " |
| | ۴ | آمدنامہ | تعلیم القرآن مع صحیح تجوید | نام لکھنا | جمع و تفریق | " |
| | ۵ | تیسیر المبتدی | تاریخ حبیب الٰہ | الفاظ نویسی | ضرب اجزائے کسری بلا عدد سالم | " |
| | ۶ | فارسی کی پہلی انجمن | کاغذات کارروائی | املا نویسی | تقسیم طولانی و مختصر | " |
| | ۷ | کریما سعدی | حکایات لطیف | خطوط نویسی اردو | تحویل و جمع مرکب | " |
| | ۸ | پندنامہ عطار | مفتاح القواعد | " | تفریق و ضرب مرکب | " |
| ۳ | ۱ | گلستاں باب ہشتم | احسن القواعد باب اول | املا مشکل فارسی | تقسیم مرکب طولانی | ۲ ماہ |
| | ۲ | انشائے دلکشا | مالابدمنہ | خطوط نویسی فارسی | معلوم علیہ اعظم و ذو اضعاف اقل | ۳ ماہ |
| | ۳ | گلستان سعدی | رقعات عالمگیری | ترجمہ تبیین | جمع و تفریق کسور عام | " |
| | ۴ | اخلاق محسنی | انتخاب بہار عجم | " | ضرب و تقسیم کسور عام | " |
| | ۵ | بوستان سعدی | انشائے خلیفہ بعدہ احسن القواعد باب دوم | مضمون نویسی فارسی کسی خاص بحث پر | اربعہ کسور اعشاریہ | " |
| | ۶ | ابوالفضل پہلی دو باب | رقعات امان اللہ حسینی بعدہ احسن القواعد باب سوم | رنگین مسجع و مقفیٰ مضمون | حساب تجارت و شراکت | " |
| | ۷ | سکندرنامہ تا جشن نوشابہ | کیمیائے سعادت رکن اول | اساتذہ کے کسی کلام کی شرح لکھنا | بٹا و نفع و نقصان | " |

(نوٹ) گلستاں کا باب ہشتم مع ترکیب ہوگا اور گلستاں باب اول کے ساتھ تیسرا سبق میزان الصرف کا ہوگا۔
اس سے پہلے کوئی طالب علم درجہ فارسی کا عربی پڑھنے کا مجاز نہ ہوگا۔ قواعد پر خوب محنت کرانی چاہیے۔

# مکاتب کی خواندگی

مدرسہ کے کئی مکتب ہیں. جن میں نورانی قاعدہ، ادعیہ نماز، کلموں اور قرآن شریف حفظ و ناظرہ کے ساتھ تختی، نقل، املا، حساب (گنتی، جمع، تفریق، ضرب، تقسیم) اور ضروری حد تک اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔

# قواعد متعلقہ کتب

(۱) درجہ ابتدائی عربی میں کوئی طالب علم داخل نہ ہوگا جب تک کم از کم فارسی میں گلستاں اور قرآن شریف نہ پڑھ لیا ہو اور لکھنا نہ آتا ہو۔

(۲) کسی طالب علم کے سوائے سبق، املا و انشاء کے تین سے کم اور چار سے زائد نہ ہونے چاہیئں۔ البتہ وہ مبتدی جس نے میزان الصرف شروع کی ہے وہ چند روز دو سبق سے زیادہ نہ پڑھے، ہاں دورۂ حدیث والے طلبہ اس دفعہ سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) ایک ہی زمانہ میں ایک ہی کتاب بجز ہدایہ، شرح ملا، قطبی کے مطلقاً اوقات درس وغیرہ میں دو جگہ نہ پڑھائی جائے۔

(۴) درجہ ابتدائی میں تحریر و تجوید لازمی ہوگی۔

(۵) کسی طالب علم کے اسباق تین سے کم اور چار سے زائد نہ ہونگے مگر ایسی صورت میں کہ کسی حدیث کی کتاب کا اعادہ ہو یا انکے اسباق میں رسم المفتی یا دورۂ تفسیر ہو۔

(۶) کسی طالب علم کو مقامات، نورالانوار، میر قطبی، سلم العلوم وغیرہ کتب ضروریہ سے پہلے مشکوٰۃ شریف نہیں دیجائے گی۔ اور بغیر میبذی پڑھے شرح عقائد نہیں ملیگی۔

(۷) مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ اولین، تینوں سبق ایک ساتھ نہ ہونے پائیں گے (مگر اس میں ایک صورت استثناء بھی ہے)۔"

---

(حضرت الحاج مولانا) محمد اسعد اللہ ناظم

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(اترپردیش ـــــ ہند)

(مطبوعہ سنہ ۱۳۹۴ھ مطابق سنہ ۱۹۷۴ء)

# عبارت نتیجہ امتحان مرقومہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔حمداً و سلاماً دائمین۔ اما بعد!

یہ احقر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۲رشعبان ۱۳۱۹ھ کو حسب طلب ارکانِ مدرسہ امتحان کیلئے ایسے وقت حاضر ہوا کہ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ ممتحن قدیم دام فیضہم کسی قدر امتحان لے چکے تھے بقیہ امتحان تقریری وتحریری حسب اجازت حضرت ممدوح کے اس احقر نے پورا کیا جس میں بہت قلیل جزو میں مدرسین سے بھی مددلی باقی قریب کل کے بنفس خودلیا۔ ماشاء اللہ تعالیٰ اکثر طلبہ کامیاب ہوئے اور ناکاموں میں اکثروں کو رعبِ امتحان، بعض کو اختلافِ لسان، بعض کو عذرِ مرض اور اقل قلیل کو کم شوقی وکم توجہی یا غباوت ناکامی کا سبب ہوا چونکہ للاکثر حکم الکل قضیہ متفق علیہا ہے اس لئے میرے نزدیک کل ہی کو کامیاب سمجھنا چاہئے یہ مقدار کامیابی کی حضرات مدرسین کی توجہ ومشقت تام کی دلیل ساطع وبرہانِ قاطع ہے اور اعانت کرنے والوں کیلئے بشارت عظمیٰ ہے کہ انکے عطیہ سے کیا کیا ثمرات حاصل ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس باغ علم کو ہمیشہ تروتازہ اور پھلتا پھولتا رکھے اور اسکے باغبانوں اور آبپاشوں کو ظاہری وباطنی برکات عطا فرمائے اور اس کے نونہالوں کو مصداق کــزرع اخرج شطأہٗ کا بنادے۔ آمین

نمیقۃ الاحقر اشرف علی تھانوی ۱۵ شعبان یوم الخمیس ۱۳۱۹ھ

(کیفیت سال سی وہفتم مدرسہ عربیہ اسلامیہ مظاہر علوم شہر سہارنپور بابت ۱۳۱۹ھ ص۱۳)

# جامع ومختصر اہم حالات مدرسۂ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور

از قلم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ الکر ماء الاتقیاء خصوصاً منھم سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ الذی ھو من بین النجوم کبد رالدجی و شمس الضحی و علی الہ واصحابہ مصابیح الھدیٰ و ینا بیع التقیٰ۔ اما بعد۔ اول میں ان حاضرین شرکاء جلسہ کا عموماً شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہم ناچیزوں کی استدعا پر اپنا وقت گرانمایہ اس مدرسۃ الغرباء کی جلسۂ انعامی کی شرکت کیلئے صرف فرمایا اور اپنی تشریف آوری سے صرف مدرسہ و اراکین مدرسہ ہی کی عزت افزائی نہیں فرمائی بلکہ اپنے مولائے حقیقی خداوند عالم جل مجدہ کو اور اُس کے حبیب پاک اور اپنے پیارے رسول علیہ ﷺ اور اس کے آل واصحاب اور تمام اکابر کی مقدس روحوں کو خوشنود فرمایا۔ اس وقت بیساختہ میرے دل اور زبان سے دعاء نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک تو اُن صاحبوں کو دین اور دنیا میں برکت عطا فرما اور توفیقِ خیر زیادہ کر اور وہ اہل اسلام جنکے دلوں میں اسلام کی اعانت ابھی تک نہیں کلبلائی خدا کرے اسلام کی بیکلی ان کو بھی اسکی امداد سے غافل نہ بیٹھنے دے۔ آمین ثم آمین یارب الغلمین۔

اس کے بعد اس شجر بار آور مدرسہ کی ابتداء اور اسکی نشو ونما اور دیگر حالات و کیفیات علی الخصوص تغیرات اور وقائع سال حال سے مختصر طور پر آپ حضرات کی سمع خراشی کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔

واضح ہو کہ اکتیس سال سے کچھ عرصہ زائد گزرا کہ جس زمانہ میں جہل کی دھواں دھار گھٹا نے عالم کے اکثر حصوں کو اسقدر گھیر رکھا تھا کہ گاؤں اور قصبوں کا تو ذکر ہی کیا شہروں میں بھی علم کا نام تک اٹھ گیا تھا اور علماء گویا مفقود ہو گئے جسکو دیکھو جاہل،

جسکو دیکھو اپنی آخرت کی بہبودی کے وسائل سے بے خبر، علم کی کساد بازاری کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ علم کے متاع کے باوجود کمیاب بلکہ نایاب ہونے کے اسکا جویا اور خریدار ہی کوئی فردِ بشر نظر نہیں آتا تھا۔ اُس زمانہ کے اکابرِ دین اور مقدس حضرات کے دلوں میں جوشِ اسلامی کا ولولہ پیدا ہوا اور حمیتِ اسلامی نے ان کو اس اسلامی ڈوبتے جہاز اور ٹمٹماتے چراغ کے سنبھالنے پر کمر بستہ اور آمادہ کر دیا۔

منجملہ ان بزرگواروں کے جنہوں نے اس جہل کی تاریکی میں علم کے چراغ

(۱) روشن کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوریؒ ہیں۔ ان کی بزرگی اور انکے تقدس کے ثبوت کیلئے علاوہ ان کے علمی و عملی فضل و کمال کے اس وقت صرف اسی قدر عرض کرنا کافی ہے کہ مولانا مرحوم حضرت شیخ المشائخ مرشد عالم مجددِ دین جناب سید احمد صاحبؒ (شہید رائے بریلویؒ) کی جماعت کے خواص میں تھے۔

(۲) مولاناؒ نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور مولانا مولوی سید سخاوت علی صاحب انبہٹویؒ کو بوجہ قلت سرمایہ تھوڑی سی تنخواہ پر اپنے محلہ کی مسجد میں تدریس کے مسند پر بٹھلا دیا اور خود

(۳) فراہمی وسائل ترقی میں سرگرم ہوئے، اس موقعہ پر جناب قاضی محمد فضل الرحمٰن خان صاحبؒ رئیس سہارنپور و مہتمم مدرسہ و جامع مسجد کا ذکر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے، جناب قاضی صاحبؒ کے مناقب و اوصاف سے کوئی دیندار ناواقف نہ ہوگا، آپ کا ہر دل عزیز اور اسلامی خدمات میں دل و جان سے ساعی ہونا ایک فطری جوہر ہے، اگر غور سے دیکھئے تو مولانا سعادت علی صاحبؒ کا اپنے اولوالعزم ارادہ میں کامیاب ہونا جناب قاضی صاحبؒ کی برکات و توجہات کا نتیجہ ہے، جناب قاضی صاحبؒ کی صرف وجاہت و قابلیت خداداد نے ہی اس مدرسہ کی سرپرستی نہیں فرمائی بلکہ آپ نے زرِ نقد اور سامانِ ضروری سے بھی مدرسہ کی ابتدائی حالت اور ضعف کے زمانہ میں خبر گیری فرمائی۔

جب ان دونوں حضرات کی کوشش و سعی نے مدرسہ کی مالی حالت میں ترقی پیدا

(۴) کی تو اس وقت اعلیٰ مدرّس کی تلاش ہوئی اور حضرت مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کو جو اپنے زمانہ میں چیدہ اور امثال و اقران میں برگزیدہ تھے مدرس اعلیٰ قرار دیا۔ مولاناؒ

کے علمی تبحر اور انتظامی کمال نے مدرسہ کو ادنیٰ مکتب ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ مدرسہ بنایا اور تشنگانِ علوم کے حق میں ابرِ بہاری سے بڑھ کر کام کیا اور ۱۳۰۲ھ میں جوارِ رحمت مولائے حقیقی تعالیٰ میں روانہ ہوئے۔ جزاہ اللّٰہ عنا احسن الجزاء و جعل الفردوس مثواہ۔

اسی اثناء میں حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحبؒ کو ۱۲۸۶ھ میں سفر آخرت

(۵) پیش آیا، غفر اللہ لہٗ اور حضرت مولانا مولوی حافظ احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ جنکے تقدس و کمال کے آوازہ سے ہندوستان گونج رہا ہے اپنے علائق قطع کر کے وطن میں گوشہ نشیں ہوئے اور ایام عزلت میں مدرسہ کی سرپرستی کا بار اپنے دوش پر اٹھایا اور اپنے آخر زمانۂ حیات تک ایک خاص بڑی جماعت کو مدرسہ کی مسجد (محلّہ قاضی) میں بیٹھ کر صحاحِ ستہ حدیث کا درس دیا اور آخر طالبانِ حدیث کو بلبلاتے چھوڑ کر ۱۲۹۷ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

(۶) مولانا مولوی فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوریؒ مدرس اوّل یونیورسٹی لاہور جو اپنے کمالات میں شہرۂ آفاق تھے اس مدرسہ کے مربی ہوئے اور بہت کچھ اپنی سعی سے اس کو مالی امداد پہنچائی اور ۱۳۰۴ھ میں اہل مدرسہ کو داغِ مفارقت دیکر اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوئے۔

۱۲۹۱ھ میں جبکہ بہ نسبت سالہائے گزشتہ کے نمایاں ترقی ہوئی اور وہ مکانِ مدرسہ جو حوائج مدرسہ کیلئے بکرایہ متصل مکان مولانا سعادت علی صاحب مغفور کے لے رکھا تھا، مکتفی نہ سمجھا گیا تو مدبرانِ مدرسہ کی رائے یہ ہوئی کہ مدرسہ کیلئے ایک مکان مستقل بنایا جاوے چنانچہ تقریباً ساڑھے دس ہزار روپیہ کی لاگت سے یہ مکان جسمیں آپ حضرات اس وقت رونق افروز ہیں تعمیر کرایا گیا، اس کی تعمیر کی ابتدائی تاریخ مظہر علوم ہے اور اختتام کا مادہ مظاہر علوم (۱۲۹۲ھ)۔ مدرسہ کا شہر کے جنوبی کنارہ (محلّہ چوک بازداران) سے شمالی کنارہ (محلّہ چوک چوب فروشان) میں منتقل ہونا علماء کے جاں نثار

(۷) علم کے دلدادہ جناب حافظ فضل حق صاحب مرحوم خزانچی مدرسہ کا جذب طبیعت اور دلی کشش زبردست محرک اور قوی باعث ہے۔ حافظ صاحب مرحوم اپنی نیک طبعی اور کرم د

مروت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ کی تعمیر کے وقت اکثر حصہ زمین کا مدرسہ کو
حافظ صاحب کا عطیہ ہے اور زرِ نقد سے بھی بہت کچھ اعانت وامداد فرمائی اور ۱۳۰۱ھ میں
رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ (ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ)

(۸) مولانا ڈپٹی نجف علی صاحب حنفی مرحوم ومغفور نے جب سے پنشن یاب ہوکر
اقامت وطن اختیار فرمائی تھی مدرسہ کی نگرانی وخبر گیری اور اس کی ترقی کی فکر میں رہے۔ گو
اکثر حصہ ڈپٹی صاحب مرحوم کا انگریزی ملازمت میں حکومت پر گزرا۔ پر علمی مناسبت اور
علماء اور علم کی عظمت اور وقعت ان کے قلب میں نہایت استحکام کے ساتھ جاگزیں تھی۔
آخر سال گزشتہ میں انہوں نے بھی داعیِ اجل کو لبیک کہی اور دارالبقا کو رخصت ہوگئے۔
فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگرچہ اس مدرسہ کا سر پر سے ایسے مقدس روحوں کا
اُٹھ جانا ظاہراً اسکو چاہتا تھا کہ یہ مدرسہ بے چراغ ہو جائے لیکن حق سبحانہٗ کے فضل وکرم
کے قربان جایئے کہ اس نے باوجود ایسے بڑے حوادث کے مدرسہ کو محفوظ رکھا۔

اے خدا قربان احسانت شوم　　　　این چہ احسان است قربانت شوم

(۹) اگرچہ معنئ تمام مدارس عربیہ دینیہ کے حضرت پیشوائے شریعت مقتدائے طریقت
مخدوم العالم مولانا مولوی رشید احمد صاحب مد اللہ ظلال برکاتہم مربی وسرپرست تصور کئے
جاتے ہیں جنکے انفاس قدسیہ کے ہی برکات کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ مدارس باوجود اس قسم کے
تغیرات اور حوادث کے اپنے فیض کے سرچشموں سے عالم کو فیض پہنچا رہے ہیں لیکن اہل
مشورہ مدرسہ ہذا نے ظاہر طور پر بھی یہ چاہا کہ حضرت مولانا مخدوم سلّمہٗ اللہ تعالیٰ مدرسہ کی
سرپرستی قبول فرمائیں اور مثل مدرسہ عربی دیوبند جملہ تغیرات عزل ونصب کو حضرت مخدوم
سلّمہٗ کی رائے پر منحصر کر دیا جائے اور حضرت سلّمہٗ سے بالحاح اس کی التجا واستدعا کی۔
مولانا نے ان صاحبوں کی استدعا کو بطیب خاطر قبول فرمایا۔ لہٰذا اب یہ مدرسہ مثل مدرسہ
دیوبند بالکل مولانا سلّمہٗ کی رائے مبارک کا تابع ہے، حق جل وعلا شانہ مولانا کو ہمیشہ
ہمارے سرپر سایہ افگن اور عالم کو آپ کے فیوض ظاہری وباطنی سے بہرہ اندوز رکھے۔
آمین ثم آمین یا رب العلمین۔ (تاریخ مظاہر ص۶۹)

م
ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ
سنہ ۱۳۱۳ھ

مؤرخہ ۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۳۱؍مئی ۱۹۰۸ء یکشنبہ کو تتمۂ جلسہ سالانہ جامع مسجد سہارنپور میں منعقد ہوا۔ اہل دیہات کو خاصکر شرکت کی دعوت دی گئی، اکابر میں سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تشریف لائے، اسی طرح مولانا جمعیت علی صاحب (پور قاضوی) پروفیسر عربی، فارسی کالج بھاولپور اور جناب مولانا مولوی رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ ریاست بھاولپور تشریف فرمائے جلسہ ہوئے۔ اس جلسہ میں بھی حضرت اقدس تھانوی کا وعظ ہوا جو مسلسل تین گھنٹے تک جاری رہا، اس کے بعد سالانہ رپورٹ پڑھکر سنائی گئی جو تاریخی حیثیت سے بہت اہم ہے، اس لئے اسکا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

"جب حق تعالیٰ سبحانہ کا فضل وکرم شاملِ حال ہوا اور ایسے اکابر دین کا للّٰہیت سے کام کیا ہوا ہو تو اس میں کسی قسم کا فتور نہیں آسکتا (انشاء اللہ تعالیٰ) چنانچہ غیب سے امداد ہوئی اور بزرگانِ دین اور پیشوائے مسلمین اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر قسم کے ساعی اور کوشاں اور دعا گو اسکے ہیں یعنی مولانا مولوی ذوالفقار علی صاحب (دیوبندی) جو اس مدرسہ کے ہمیشہ سے ایک رکن رکین اور اعلیٰ ممبر اور ممتحنِ سالانہ اور خبر گیراں ہر قسم کے تھے اور مولانا الحاج الحافظ محمد اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا الحاج الحافظ عبدالرحیم خاں صاحب رائے پوری اور جناب قاضی فضل الرحمٰن خاں صاحب سرپرست سابق یہ چاروں صاحب اکابر دین سرپرستِ مدرسہ قرار پائے اور تمام امور کلی و جزئی ان صاحبوں کے سپرد ہوئے۔

جناب مولانا ذوالفقار علی صاحب موصوف بھی ۱۳۲۳ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، انکے جانشین اعلیٰ حضرت فخر محدثین جناب مولانا مولوی محمود حسن صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ دیوبند سرپرستی کیلئے منتخب ہوئے تو مولوی صاحب موصوف نے بطیب خاطر قبول فرمایا، تمام ضروریات مدرسہ کی ان چاروں سرپرستوں کے مشورہ سے طے ہوتی ہیں۔

اللّٰهم متعنا بطول بقائهم وضاعف فیوضهم وبرکاتهم۔

اس سال مدرسہ کو ایک افسوس ناک حادثہ سے متاثر ہونا پڑا اور "گویا مدرسہ ایک طاقتور بازو" سے محروم ہو گیا کہ ۱۵ ر شوال ۱۳۲۶ھ کو جناب قاضی فضل الرحمٰن خاں صاحب رئیس سہارنپور و سرپرست مدرسہ و جامع مسجد کا بعارضۂ بخار وغیرہ انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کی ہر دلعزیزی اور دینی و اسلامی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ایسا نہیں کہ اسکو بھلا دیا جائے، (مدرسہ کی) ابتداء سے لیکر تا آخر عمر مدرسہ کیلئے معاملات میں جو دلچسپی، سرپرستی اور معاونت فرمائی وہ اکابر مدرسہ کے دل میں اپنے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئی۔ قاضی صاحب مرحوم نے بہت سے مواقع پر بڑی فراخ دستی کے ساتھ مدرسہ کی مالی اعانت فرمائی، انتقال سے چند روز قبل ایک بہت بڑا حصّہ اپنی زمین کا مرحمت فرما کر مدرسہ کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا فرما دیا۔"

فرحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة (تاریخ مظاہر ۱۱۸ جلد اوّل)

## ارشاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی رحؒ

(سرپرست مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور از ۱۳۲۶ھ تا ۱۳۴۶ھ)

مدرسہ کا روپیہ چندہ کا ہے اور خدا کا مال ہے، جس کے ہم لوگ صرف امین و خازن ہیں اور بیجا تصرف یا مراعات کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے! (تذکرۃ الخلیل)

# مدرسہ مظاہر علوم کی بنیاد

تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں یکم رجب ۱۲۸۳ھ کو بقیۃ السلف، حجۃ الخلف حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۸٦ھ) نے محض للّٰہیت وتقویٰ کی بنیاد پر نہایت سادگی واخلاص اور نیک نامی وگم نامی کے ساتھ حفاظت دین، اشاعت علم، دعوت توحید وسنت، ردشرک وبدعت کیلئے ایک "مدرسہ عربی اسلامی" کی بناء مسجد محلّہ چوک بازداران سہارنپور میں ڈالی تھی جو ۱۲۹۲ھ سے مدرسہ کے اولین شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) کی تجویز پر "مظاہر علوم" کے تاریخی نام سے موسوم اور اولین صدر المدرسین حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) کی طرف منسوب ہوکر معروف ومشہورِ عالم ہوا۔

## مظاہر علوم کے بنیادی مقاصد

☆ علوم اسلامیہ یعنی قرآن مجید، تفسیر، حدیث، فقہ وتصوف، عقائد وکلام کی مفت تعلیم نصاب قدیم "درس نظامی" کے مطابق مسلمانان عالم کو دینا اور علوم نبویہ کو فروغ دینا۔

☆ انسانی زندگی کو سنت وشریعت کے مطابق ڈھالنے اور تہذیب اسلامی سے آشنا کرنے کی کوشش کرنا۔

☆ روایات اسلامیہ کا تحفظ، احکام شرعیہ کی ترویج، دین اسلام کی اشاعت اور ملت اسلامیہ کی مذہبی حفاظت بذریعہ تحریر وتقریر کرنا۔

☆ دینی تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ سلف صالحین کے اسلامی اخلاق واعمال کو زندہ کرنا۔

## علمائے مظاہر علوم کی جامعیت

| | | | |
|---|---|---|---|
| دین : | اسلام | سندواستناد : | ولی اللّٰہی |
| مذہب : | سنی | مزاج وطبیعت : | "سعادت" مندی |
| مسلک : | حنفی | ذوقِ تحقیق : | احمدی |
| مشرب : | چشتی | لون وکیفیت : | رشیدی |
| فکر وعمل : | مجددی | انتساب ونسبت : | مظہری |

ان کے جامع کو "مظاہری" کہتے ہیں۔

فالحمد للّٰه علی هذه الجامعیة.

مجد القدوس خبیب رومی